

# عقیدہ اور عقیدہ

تألیف

حضرت علامہ سید تقی محمد الہیجی مدظلہ العالی  
فیروز پورہ کراچی  
مفتی محمد رفیع

مکتبہ مشرقیہ

۱۴ - ایف ۱۰ بازار ۱۰ لاہور

فون : ۳۳۸۶۴ - ۳۳۸۶۵

[www.noorehidayat.org](http://www.noorehidayat.org)

# عقیدہ اور عقیدہ

تالیف  
حضرت مولانا سید مفتی محمد آزالہ الدین سلطان علی گڑھ  
خلیفہ مجاز برکاتہ الشریعہ حضرت اقدس مولانا محمد کرم اللہ وجہہ  
مؤرخ القرآن

○  
مکتبہ مبینہ

۱۴ - اردو بازار ○ لاہور

فون : ۲۲۸۹۴۴ - ۲۲۸۹۴۵

## فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۵	مجموعہ اور دوسری فرق	۱	باب اول شرک کی حقیقت اور انواع
۲۶	دوسرے اسباب کی اقسام	۲	مقدمہ
۲۷	عوام الناس مجموعہ کلاسیک اور دوسری فرق	۳	شرک کی حقیقت
۲۸	میں فرق کیسے کریں گے	۴	انبیاء عظیم مسمیٰ کی تعلیم
۲۹	اصل حقیقت	۵	شرک کی ابتداء
۳۰	شرک کیسے کے عقائد	۶	شرک کیا ہے
۳۱	شرک کی اقسام	۷	اللہ تبارک و تعالیٰ کا نام
۳۲	غیر اللہ کو سمجھا دینا ہے	۸	ظالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے
۳۳	سجود تکلیف والی کے بستے میں عباد کی آرا	۹	غیب کے اقسام
۳۴	سجود تکلیف کی دوسری صورت	۱۰	اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں کسی کو
۳۵	دین اسلام کی شرک سے حرکات	۱۱	خود متاثر نہ کرنا شرک ہے
۳۶	سجود بیت اللہ	۱۲	شرک جلی اور ایک مشہور کا ازالہ
۳۷	نہایت قبور	۱۳	سہولت کلاسیک صرف اللہ تعالیٰ کے
۳۸	غیر شرک کے لئے نذر	۱۴	اختیار میں ہیں
۳۹	غیر اللہ کے نام ذبیح	۱۵	مجموعہ کی حقیقت
۴۰	کاجا کر یا مشتبہ رسم	۱۶	مجموعہ کا نام
۴۱	ایصال ثواب	۱۷	یشیٰ مجموعہ کا نام ہے باب ہے جو شرک کی
۴۲	نذر	۱۸	مجموعہ سے انکار کی وجہ
۴۳	باب دوم، دست بوسی	۱۹	مجموعہ اور کرامت کی حقیقت

## فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۵	مجموعہ اور دوسری فرق	۱	باب اول، شرک کی حقیقت اور انواع
۲۶	دائرہ اسباب کی اقسام	۲	مقدمہ
۳۰	مجموعہ و اسباب کی اقسام اور دوسری فرق	۳	شرک کی حقیقت
۳۴	میں فرق کیسے کریں گے	۴	انبیاء عظیم و مسلم کی تعیم
۳۵	اصل حقیقت	۵	شرک کی ابتدا
۳۶	شرک کی اقسام	۶	شرک کیا ہے
۳۷	شرک کی اقسام	۷	اللہ تبارک و تعالیٰ کامل
۳۸	شرک کی اقسام	۸	ظالم غیب صرف اللہ تعالیٰ ہے
۳۹	شرک کی اقسام	۹	غیب کے اقسام
۴۰	سجدہ تفسیر و التوحید کے بارے میں علماء کی کرا	۱۰	اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں کسی کو
۴۱	سجدہ تفسیر کی دوسری صورت	۱۱	خود متاثر نہ کرنا شرک ہے
۴۲	دین اسلام کی شرک سے حفاظت	۱۲	شرک میں اور ایک مشہور کاذب
۴۳	سجدہ بیت اللہ	۱۳	سہولت کی حالت صرف اللہ تعالیٰ کے
۴۴	نہایت قبور	۱۴	اختیار میں ہیں
۴۵	طریقہ شرک کے لئے نذر	۱۵	مجموعہ کی حقیقت
۴۶	طریقہ شرک کے نام و نذر	۱۶	مجموعہ کا مکمل
۴۷	کاجا نر یا مشتبہ دم	۱۷	مجموعہ کی حقیقت
۴۸	ایصال ثواب	۱۸	مجموعہ کی حقیقت
۴۹	نذر	۱۹	مجموعہ کی حقیقت
۵۰	باب دوم، دست بوسی	۲۰	مجموعہ کی حقیقت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲۶	دو شریعہ خطیبان	۱۸۵	شرک کی مذمت
۲۲۸	مگرہ فرقوں کی اجتہاد	۰	مشرکین کی ایک عام صفت
۲۳۰	اسلاف کی فضیلت	۱۸۸	شرک کا انجام
۲۳۲	باب ہشتم، توحید	۱۹۰	عدیف شریفین میں شرک کی مذمت
۲۳۴	توحید	۱۹۱	مشرک کا دھنڈا کے اثرات
۰	غزنی عقیدہ	۰	صحیح راستہ
۲۳۶	مومن کا حال	۱۹۳	شرک غنی
۲۳۸	صحابہ کی توحید اور جہاد	۱۹۴	شرک غنی اور پاک مذمت
۲۴۰	توحید کے ثمرات	۲۰۳	باب پنجم، محبت مطلوبہ
۲۴۱	‡	۲۰۳	محبت
		۲۰۶	محبت کے اسباب
		۰	حنو سے اختیار کی محبت
			حنو صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ
		۲۱۱	کی محبت۔
			حنو صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی
		۲۱۵	اہمیت اور اس کے ثمرات۔
			صحابہ سے محبت
		۲۱۲	صحابہ سے محبت کی وجہ
		۰	صحابہ کے بارے میں حنو کی نگاہ
		۲۲۳	مقام صحابہ رضی اللہ عنہم
		۲۲۴	اللہ و حنو، صحابہ اور اسلام سے محبت

باب اول

# شکر کی حقیقت اور الواع

## مقدمہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَالْعُسْلُوَّةُ وَالْعَدُوَّةُ ثُمَّ عَلَّ خَاتَمًا لَا يُنْبِیَا  
وَعَلَّ بِبَابٍ وَالَّذِیْنَ اَتَا الْقَدْ...

توحید و شرک اور محبت و تکفیر کے موضوع پر آمد و زبان میں پہلے سے  
تباہی موجود ہیں جن میں بعض حضرات کی زبان اور لکچر توحید کے بارے  
میں چلنا شروع ہوتے ہیں تو قرن اقل سے لے کر آج تک بڑے سے بڑا  
عالم محدث، نقیبہ یا صوفی بھی انہیں شرک سے خالی نظر نہیں آتا اور عہدِ رسالت  
سے آج تک کا تقریباً ہر مسلمان مشرک معلوم ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح جب  
محبت کو تحریر و تقریر میں لایا جاتا ہے تو فروعی مسائل جیسے توکل وغیرہ کے انکار  
کرنے والوں کو بے ادب اور گستاخ باور کرایا جاتا ہے۔ اگر ہمارے الی کم خصوصاً  
ملا کر ام دین پر امت کی اصلاح و تربیت کی ذمہ داری ہے اور اہل اسلام  
میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنا اور مومنین میں بھائی چارہ کو فروغ دینا ان کا پس منظر  
شخصی ہے، پیار و محبت سے اور نرم الفاظ استعمال کرنے و ناجاؤ لفظِ بالائی  
جن آخسٹا کو مد نظر رکھ کر ایک دوسرے کے خیالات کو سمجھنے اور سمجھانے  
کی کوشش کرتے اور خالص علمی مسائل علوم اور کم استعداد لوگوں کے سامنے لانے  
اور ان کو ان ہر ایک مسائل میں الجھانے سے گریز کرتے جیسا کہ ہمارے اسلاف کا  
شیوہ تھا تو بڑی حد تک اصلاح بین الناس میں کھریاب ہوتے۔ اس میں کوئی  
شک نہیں کہ حضراتِ علماء کرام کسی کو کافر بناتے نہیں بتاتے ہیں تاہم اگر ہم الفاظ  
اور شیریں سخنی سے دوسرے کو اپنا انگریز چس کیا جائے اور مشنڈے دل اور فروعی  
سے اس کی بات پر کان دھرے ہائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی





# شُرک کی حقیقت

انبیاءِ عظیم السلام کی تعلیم | اللہ تعالیٰ و تبارک کی ہستی ایک ایسی ظاہر و برہمی ہے جس میں کسی شک یا انکار کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ کسی کی فطرت بالکل ہی مسخ نہ ہو گئی ہو تو اس کے لئے اللہ رب العزت کی ذاتِ عالی کا یقین فطرتی طور پر بالکل ایسا ہی واضح اور عیاں ہے جیسے کہ خود اپنی ہستی کا وجود۔ یہاں تک کہ اگر نکلا ہر انکار کرنے والوں کے اندرون کو بھی ٹھولا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے دلوں میں خدا کی ہستی کا اقرار پوشیدہ طور پر موجود ہے۔ لیکن اللہ جل شانہ کی وحدانیت کا مستکر ایسا ہے جس کے بارے میں بے شمار قویں گمراہ ہوتی ہیں اسی لئے دنیا میں جتنے انبیاء عظیم السلام تشریف لائے ہیں ان سب کی دعوت کا آغاز حقیقہ توحیدی سے ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک نے شرک کے مٹانے پر اپنی پوری قوت صرف کر دی۔

شرک کی ابتدا | شرک کی ابتدا کے بارے میں جبار الشکور سائنی اپنی کتاب شرک کی ابتدا | تنبیذ میں جو کچھ فرماتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شرک کی ابتدا اور ظہور حضرت اخنوخ علیہ السلام جن کو حضرت ادریس علیہ السلام کے لقب سے تعبیر کیا جاتا ہے، کے وقت سے ہوئی اس سے پہلے مخلوق نے کسی قسم کا شرک نہیں کیا تھا۔ البتہ بعض افراد انفرادی طور پر معصیت اور نافرمانی میں مبتلا ہو جاتے تھے جیسے آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہیں کیا تھا۔



بتلا ہو گئے۔

اور یہ ستورہی جنوں کی عبادت کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا کہ وہ ان مشرکوں کو خالق حقیقی کی عبادت اور توحیدِ اہل کی طرف دعوت دیں۔ انھوں نے اپنی قوم کو دین حق کی طرف بلایا لیکن انھوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ:-

لَا تَذَرْنَا اِلٰهَتَنَا كُفُوًا لَّا تَذَرْنَا وَحَدًّا وَلَا سَوَاعَاةً تَكَفُّوْنَ وَلَا يَعْصُوْنَ اَمْرًا مِّنْهُنَّ (سجۃ نوح)

ترجمہ: ہرگز چھوڑنا اپنے معبودوں کو اللہ نہ چھوڑو ورنہ سوا حق کو اللہ نہ بیوقوف اور باوجودیکہ نوح علیہ السلام سالہ سے نو سو سال تک بھاتے رہے وہ لوگ ان کی اطاعت سے انکار کرتے رہے یہاں تک کہ سخت القوس و یاس کے عالم میں فرما دیے گئے۔

اللہ تعالیٰ کثیر کتب میں کہانیاں بیان کرنا نے صورتِ نبی علیہ السلام کے عبادت میں صورتِ جن ماں و بی بی مانہ سے نہایت کہ ہے انہوں نے فرمایا کہ حضرت علیہ السلام کی پائیں دھو دیں جن میں اللہ کے اللہ ہیں لو کہیں لو کہ میں سے اہلِ تہذیب، صالح، جلیل، مہذب و ذہین رہے۔ سوا حق بخیر، میری قوم، سرزمین کے بیٹے تھے۔ تفسیر: کثیر مستحکم

ہر وہ کہہ دالوئی کہتے ہیں کہ اہلِ ایمان نے عرفہ بن ذی یحییٰ سے منہا سے روایت کی ہے کہ:-  
انہوں کو علیہ السلام کے بیٹے تھے ان سب میں بڑھو سب سے بڑھ و ذہن۔ یاں کیا یا اس کے کہ نہ جانا و تہذیب بنی اللہ عبادت میں سب سے چھوٹے و ذہن کو شریک کیا گیا اور انسانی ہر

سنت سمجھا یہ بیان نہ دلتے کہتے ہیں کہ ایک غیر مرفوع روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ:- بتِ روضہ زہراؤں کے کہتے تھے کہ ان لوگوں نے بعد میں بوجہ شریعت کو دیکھا انہیں کہہ کن میں بھی ایسے ہی بڑے عیسیٰ یاد آج خیال یہ ہے کہ اس میں بہت کثرت سے اللہ کی خیالی صورتیں ہیں۔ نرس کے خلق تو بہ تحقیق ثابت ہے کہ وہ ایک کسمانہ شکل کا ام چھوٹی پر بلا سر سے جنوں کو بھی تپاں کرنا چاہیے

(۱۶۱۶ء: ۱۶۱۹ء: ۱۶۱۹ء: ۱۶۱۹ء)

ذٰلِكَ لَذِكْرُ لَكُمْ لَعْنَةُ الْكَافِرِيْنَ ذٰلِكَ اٰیٰتُ

”یہ ہے رب ان کافروں میں سے کوئی زمین پر بیٹھنے والا چھوڑ:

دیکھو ان پر یہ بات صاف طور پر کھل چکی تھی کہ نہ صرف وہ لوگ مشرک تھے  
اعضاء کی طرح بالکل تباہ ہو چکے تھے بلکہ ایمان والوں کو بھی لگوا کر دیں گے اور ان  
کی آئندہ نسل بھی بدکار اور کافر ہوگی مسلمانوں کی اولاد کو گمراہ کریں گے

پس اللہ تعالیٰ نے ان پر قسمتِ شرعیہیں کو فرق کر دیا اور کشتی نوح میں زندہ  
سلامت پہنچنے والوں میں نوح علیہ السلام کی اولاد سام، نوح اور یافث مع اپنے اہل  
عیال کے باقی رہے جن سے آدم علیہ السلام کی اولاد کا سلسلہ جاری رہا اور اس کے  
علاقہ وہ پانچ بُت یعنی وز، سواع، یغوث، یحوق اور نسر بھی مٹی میں دب گئے تھے  
بعد میں شیطان نے انہیں دوبارہ قبیلہ خطنان کے لوگوں کے لئے آشکارا کر دیا  
انہوں نے بتوں کی تعداد میں اتنا اضافہ کیا کہ وہ ہمیں سوساٹھ تک پہنچ گئے اور یہی طعن  
مشرکوں بھی مختلف فرقوں میں بٹ گئے، بعض کہتے تھے کہ فرشتے (العیاذ باللہ) ان  
کی بیٹیاں ہیں اور بعض کا دعویٰ تھا کہ ان کے بت خدا کی بیٹیاں ہیں اور بعض انہیں  
خدا تعالیٰ کی خدائی میں شریک سمجھتے تھے۔ ان فرقوں میں سے ایک فرقہ دیا تھا جو:  
نورِ شختوں اور بتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں مانتے تھے اور نہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کے  
شریک مانتے تھے لیکن وہ کہتے تھے کہ یہ بُت ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں  
شفاست اور سفارش کرتے ہیں اس لئے جب یہ بت ہم سے خوشی ہوں گے تو  
اللہ تعالیٰ بھی ہم سے ماضی ہو گا اور یہ لوگ اس سے ہانچ جوں کی مہارت کیا کرتے  
تھے (تفسیر ابی الشکور سالمی ص ۲۰۶ تا ۲۰۸)

نہیں جب لوگوں نے تنظیم و عقیدت میں اعتدال کو چھوڑ کر لٹا اور حد سے تجاوز  
کیا تو یہیں سے شرک و گمراہی کا آغاز ہو جاتا ہے جیسا کہ پہلی ہمتوں میں ایسا ہی ہو  
کر رہی ہستیوں کے ساتھ ان کی عقیدت تھی اللہ کے بت اور مورتیاں انہوں نے اس  
خیال سے بنائی تھیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے قبولِ بندے میں مدد کے وسیلے سے اللہ سے

و تعالیٰ کے ہاں رسائی ہوگی بھگر بڑھتے بڑھتے انہوں نے خود انہی بستیوں کو معبود بنالیا، انہی کو مدد کے لئے پکارتے گئے، اور انہی کے متعلق یہ سمجھ لیا کہ یہ سببِ تصرف اور خدائی اختیارات کے مالک ہیں۔ ہماری فریاد رسی و مشکل کشائی یہ کریں گے، اس مگر ابھی سے نکلنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات اپنے بندوں کے ذریعہ بھی کچھ طرح طرح سے ان کو سمجھانے کی کوشش کی۔

**شُرک کیا ہے** | شرک حصہ داری یا شراکت کو کہتے ہیں اور اسلام میں شرک کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات یا اپنے بندوں پر اللہ تعالیٰ کے جو نامس حقوق ہیں، ان میں کسی کو اس کا شرک ٹھہرا جائے اللہ کی ذات میں شرک یہ ہے کہ تخلیق کائنات اور اس کی تدبیریں اللہ تعالیٰ کے ہوا کسی اور کو مانا جائے یا کسی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں شرک کر کے اسے اللہ تعالیٰ کا جُز قرار دیا جائے۔ مثلاً بحسب دو عقول مانتے ہیں، ایک بزرگان اور دوسرا بہرمن یا جیسے نصاریٰ کا عقیدہ تثلیث ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات میں شرک یہ ہے کہ اس کی مخصوص صفات جیسے خالق ہونا رازق ہونا، فاعل مختار ہونا، علیم، بخیر ہونا اور ظالم، انیب ہونا وغیرہ غرض اللہ تعالیٰ کی کسی صفت میں کسی کو شرک کرنا شرک ہے۔

**اللہ تبارک و تعالیٰ کا علم** | یاد رہے کہ دوسری صفات کمالیہ کی طرح علم بھی اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے جس میں کوئی نام کا لیم و شرک نہیں، جس طرح تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے دوسرے صفات کمالیہ سے عاری اور کورس تھے، اسی طرح تمام مخلوق اس وحی اور فرشتے بھی اصل میں بالکل بطلم تھے، ان کو جو کچھ بھی علم حاصل ہوا، اللہ تعالیٰ کے دینے سے حاصل ہوا، اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام کائنات میں ایک انسان سرفہمایا ہے جیسے پیدا ہوتی ہو، قوت ارادی کے ساتھ علم کی استعداد و قوت بھی دوسری مخلوقات سے زیادہ اور پورے کمال کے ساتھ دی گئی ہے چنانچہ وہ ظاہری حواس خمسہ (اسم، بصر، سہ، لام، بک

زبان اور جھونا، سے قابل احساس چیزوں کا ادراک کر کے عقل و فکر اور وجدان کے ذریعے عقلی امور معلوم کرتا ہے۔ وہ آسمان سے صورتوں کا علم، کان سے آوازوں کا علم، زبان سے ذائقوں، ناک سے خوشبو یا بولہ اور ہاتھ پیر تمام بدن کے چھوئے سے کسی چیز کی حقیقی گرمی، گرمی اور ٹھنڈک کا ادراک کر کے اپنے دماغ میں جمع کر لیتا ہے۔ اور عقل و فکر جو دماغ میں چلی ہوئی ہے وہ قلب امینی دل جو ان کا حکمران اور تمام علوم کا سرچشمہ ہے، جنس اور اشارہ سے دماغ میں امور مستور کو خاص شعور کے ساتھ انداز کر کے جمع کر لیتا ہے۔ پھر وہ دماغ ان محسوسات کی صورت و مشابہت کو جوں کا توں بکر لیتا ہے، بلکہ اس کے ساتھ ان بھی ہوئی حقیقتوں میں تصرف کر کے ان کا تفصیلی تجزیہ کرتا ہے۔ اور اس ایک علم سے متعدد علوم کے دروازے اپنے اوپر کھول لیتا ہے۔ کبھی وہ ان جزوی صورتوں کے استقراء و نتیجہ سے کوئی کلیہ بنا لیتا ہے۔ اور اس سے نئے جزئیات پیدا کرتا ہے۔ اور کبھی وہ کسی جامع ملت کی بنا۔ پر ایک چیز پر دوسری چیز کو قیاس کر کے ایک حکم دوسرے جزئیات اور چیزوں تک پہنچا دیتا ہے۔ اسی طرح اور کئی جزئیات اور چیزیں پیدا ہو کر اس کے علم میں جدید مسائل کا باعث بنتی ہیں۔ اسی طرح وہ کبھی ایک جزئی سے علمی نکات و لطائف پیدا کر کے ایک گہرے علم کو حاصل کرتا ہے۔

غرض انسان اپنے بیرونی و اندرونی حواس اور عقل کے ذریعے وہ علوم حاصل کرتا ہے، جسے دیکھ کر حضرات طائفہ بھی اس کی علمی استعداد اور تجربہ علمی کے اعتراف ہو جاتے ہیں۔

لیکن جس طرح انسان میں اللہ تعالیٰ کی ان دی ہوئی قوتوں اور استعداد سے انکار نہیں، اسی طرح اس سے بھی انکار نہیں کہ علم اللہ تعالیٰ کی ایک خاص صفت ہے جس کا پر تو ماضی طور پر انسان پر پڑتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جس مرحلے پر ہر انسان کو تیار کرے گا اس کے علم کی استعداد و قوت میں فرق ہوگا۔ کہ اللہ تعالیٰ انسان کو علم استعداد و قوت کو تیار کرتا ہے لیکن انسان علم سے پیدا ہونے والی چیز ہے۔

کے لئے جو دروازے جس قدر کھولنا چاہے، وہ اس پر اس قدر کھول دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **وَاِنْ يَنْتَهِىْ اِلَيْكَ شَيْءٌ اَلَوْ جُنْدًا نَّخْرًا اَنْتَہِ وَمَا سُنُّوْا اِلَّا لِقَدَرٍ مَّثْلُوْہِ**۔ جیسے پاس ہر چیز کے خزانے ہی معرہ ہر چیز کو ایک معرہ قدر سے نازل کرتے ہیں۔

**عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے** | اس لئے مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ عالم الغیب (غیب کا علم جاننے والا) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ بعض وقت انسان کسی چھپی ہوئی چیز کو دریافت کر لیتا ہے لیکن یہ علم غیب نہیں بلکہ ایک معاملہ ہے جو عام لوگوں کو بھوکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام لفظ غیب سے مراد لغوی معنی لینے ہیں یعنی ہر وہ چیز جو ان کے علم و فکر سے غائب ہو۔ خود دوسروں کے نزدیک اس کے علم مائل کرنے کے ذرائع موجود ہوں۔ وہ اس کو غیب کہنے لگتے ہیں۔ اور اس کے تجربے میں طرح طرح کے شبہات سامنے آتے ہیں۔ اس لئے ضروری یہ ہے کہ اس غیب کو کھول دیا جائے جسے قرآن مجید کی اصطلاح میں غیب کہا جاتا ہے۔

**غیب کے اقسام** | غیب کے معنی مخفی اور پوشیدہ کے ہیں اور کسی چیز کے استور ہونے کی کئی قسمیں ہو سکتی ہیں۔

اس کی ایک قسم یہ ہے کہ وہ چیز اس مادی دنیا میں موجود ہو، چاہے زمین پر ہو یا اس کے اندر ہو، یا چاند یا دوسرے سیاروں وغیرہ میں۔ تو یہ چیزیں ایسی ہیں جو ہمیں بہت سی چیزیں فرما فرما کر بعض انسانوں کے علم میں ہیں۔ اور بعض کے علم میں نہیں ہیں۔ ایک چیز ہمارے سامنے ہے۔ لیکن دوسرا شخص جو اس سے کون سا مل پر ہے اس سے غائب۔ ایک چیز کسی جگہ موجود ہے ایک جگہ پر وہ غائب ہے اس کی کوئی چیز نگاہوں سے دیکھنا ہے اور دوسرا شخص نظر کی کمزوری کی بنا پر اسے نہیں دیکھ پاتا، یا چند اشخاص ایک ہی جگہ ہیں ان میں سے ایک شخص

اعلیٰ قسم کے دوسریں کے ذریعے سینکڑوں میل دور کسی چیز کو دیکھ رہا ہے اور اس چیز کے بارے میں دوسروں کو خبر دے رہا ہے اور دوسرے اشخاص اس چیز کے معنی مشاہدہ سے محروم ہیں۔

اسی طرح ایک شخص خوردبین کے ذریعے ایک قطرو پانی میں لاکھوں جراثیم اور وائرس کی نقل و حرکت اور ان میں مختلف قسم کے جراثیم کی پہچان اور امتیاز کرتا ہے اور دوسرے عام لوگ اس کی اس خبر کو افسانہ سے زیادہ سمجھیں گے۔

یہی حال زمین کے اندر مٹی، مٹی، اور پتھروں کا ہے۔ پتھر اور دوسرے پاروں میں موجود چیزوں کا ہے۔ کوئی اللہ تعالیٰ کی ولایت کی ہوئی تیر جس دھواں گاہری جس ہو یا باطنی، کے واسطے سے یا کسی آلے اور تجربے یا کسی ذریعے سے کچھ چیزیں مسخ یا ہٹا کرتا ہے۔ اور کوئی اس سے کھانا اور بے خبر ہوتا ہے۔ اس قسم کی ساری چیزیں باطنی ہیں جن کو غیب نہیں کہا جاتا۔ یہ چیزیں ساری کی ساری موجود ہیں جسے کوئی غموس اور معلوم کرتا ہے۔ کوئی نہیں۔ یعنی بعض کے دوراک میں آتی ہیں اور بعض کے نہیں۔

دوسری قسم پوشیدہ چیزوں کی یہ ہے کہ جن کا تصور تمام اب تک نہ ہوا ہو البتہ اس چیز کا مادہ اور اس کے بعض اسباب کا تصور ہوا ہو یا اس چیز کے دنیا میں آنے کے قرائن موجود ہوں جن کو عام لوگ نہیں جان سکتے۔ البتہ اہل فن اس کو معلوم کر لیتے ہیں جیسے اسبرنگلیات سورج کی رفتار کا اندازہ لگا کر پہلے سے بتا دیتے ہیں کہ شفا لکلاں دن پانچ بجے سورج طلوع ہو گا اور چھ بجے غروب۔ اور لکلاں لکلاں پانچ بجے دس منٹ پر طلوع کا قباب ہو گا اور پانچ بجے دس منٹ پر غروب ہو گا۔ یا کوئی حساب لگا کر کہتا ہے کہ لکلاں ماہ لکلاں تاریخ کو سورج گرہن یا چاند گرہن ہو گا جیسا کہ جنہریوں اور اوقات کے نقشوں میں یہ معلومات بھی ملتی ہیں۔

تلاہر ہے کہ یہ ایک محسوس اور معلوم چیز کی رفتار سے اندازہ لگانا ہوتا ہے  
جیسا کہ انٹرپورٹ والے ہیں جہازوں کی گتہا گتہا شیڈیں والے ریلوں وغیرہ کی  
آمدنی اطلاع دیتے ہیں۔ ان جیسی تمام اشیاء کا تعلق حساب سے ہو لگتا ہے۔ اسی



طرح ماہرین موسیات بارش وغیرہ کے متعلق پیشین گوئی کرتے ہیں۔ ماہرین طب و  
 نفسیات بعض دیگر کریا کسی آنے کے ذریعے معائنہ کر کے مریض کی چھٹی ہوئی حالت  
 بلکہ اس پر آئندہ آنے والی کسی بیماری کی خبر دیتے ہیں۔ اور بسا اوقات یہ غمبیری  
 پیشین گوئی کے مطابق واقع بھی ہو جاتی ہیں۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ماہرین و صیغ  
 یاد اکثر وغیرہ کو ایسی خبریں دینے کا موقع اس وقت ملتا ہے جب کہ ان واقعات  
 اور حالات کا مادہ اور ان کے بعض اسباب ظاہر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ماہرین موسیات  
 مومن سائنس کاٹرغ اور اس کی قوت اور رفتار کو دیکھتے ہیں۔ تو وہ ان سے اندازہ کر کے  
 کہتے ہیں کہ فلاں فلاں جگہ باد و باراں یا گرج چمک کا امکان ہے اور فلاں فلاں جگہ  
 موسم خشک رہے گا۔ اور یہی حال ڈاکٹر اور طبیوں کا ہے۔ وہ کسی شخص میں کسی بیماری  
 کے علاج دیکھ لیتے ہیں یا کسی بیماری سے دوسری بیماری لگ جانے کا تجربہ ان کو ہوتا  
 ہے یا کسی طرح دوسرے ذرائع سے کسی آنے والے مرض کا مادہ معلوم کر کے خبر  
 دیتے ہیں۔ مریض محکمہ موسیات والے ہوں یا ڈاکٹر ہوں جتنے بھی ماہرین طبی ہیں وہ  
 کسی چیز کے بارے میں اطلاع تب دے سکتے ہیں جب کہ ان واقعات کا مادہ  
 اور اسباب ظاہر ہوں۔ اگرچہ اس چیز کا وجود منظر عام پر آ سکا ہو۔ اور عوام اس  
 سے بے خبر رہتے ہوں۔ اور جب وہ مادہ قوی ہو جاتا ہے تو اس کا ظہور عام ہو جاتا  
 ہے۔ تو ایسی چیزیں جن کے وجود میں آنے کا مادہ موجود ہو چکا ہو یا کسی چیز کے  
 اسباب و آثار اور نشانات اہل فن کے نزدیک ظاہر ہو چکے ہوں تو وہ چیزیں پروردہ  
 غیب میں نہ رہیں۔ بلکہ ایک گورہ عسودان کا ہو چکا ہوتا ہے لیکن ان کی لطافت  
 یا کمزوری کی وجہ سے عام مشاہدہ میں ابھی نہیں آتیں۔ اس کے علاوہ ان سبب و علل  
 سے حاصل ہونے والی واقعات سب کچھ ہونے کے بعد بھی تخمینہ اور اندازہ ہی کہ  
 حیثیت رکھتی ہے۔ علم جو یقین کا نام ہے۔ وہ ان میں کسی چیز کو حاصل نہیں۔ البتہ  
 جو چیزیں حسابات سے متعلق ہیں ان کا علم اگرچہ علم ہے مگر وہ غیب نہیں۔ کیونکہ  
 اس فن سے کسی موجود اور موصوف چیز کا رخ رفتار اور اس کی قوت سے حساب لگا



چیزوں سے واقف ہو جاتے ہیں لیکن خواب، مکاشفہ وغیرہ میں قوت و ہمیشہ کی تیز کش  
اس طرح تعین کو کمزور میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اس لئے سولے تانبیا۔ عیسٰی اسلام کے کشف  
کے جس قدر طریقے ہیں ان میں غلطی کا احتمال مل سوتا ہے باقی رہتا ہے کہ کسی میں جو غلطی  
کا احتمال زیادہ ہے تو کسی کے کشف میں غلطی کا احتمال کم ہے لیکن وہ غلطی کے احتمال  
سے پاک نہیں۔ اس لئے اس جاننے کو علم بمعنی نہیں کہہ سکتے مابعدہ انبیا۔ عیسٰی  
اسلام کو جو کشف ہوا کرتا ہے اس کے آگے پیچھے طحا کا پہلو ہوا کرتا ہے جس کی وجہ  
سے شیاطین قوت و جہد و خیالیہ اور علامات طمانع وغیرہ اس پر کمرہ دست خاندان نہیں  
کر سکتے اور وہ ہر قسم کی تیز کش سے پاک ہو کر انبیا عیسٰی اسلام کو دکھائی دیتے ہیں۔ اس لئے  
ان کے مکاشفات اور علامات میں بھی وہی کی اقسام میں سے ہوتے ہیں، جب کہ اولیاء کلام  
کے مکاشفات اور الہامات میں مماثلت نہیں ہوتی، اس لئے ان کو قرآن و سنت  
پر پرکھا جاتا ہے۔ ان کے مکاشفات و الہامات غلطی اور غیر یقینی ہونے کی وجہ سے  
لوگوں پر حجت قاطعہ نہیں ہوتے اور دلائل پر دوسرے مسلمانوں کو پابند کیا  
جاتا ہے۔

غیب کی چوتھی قسم آئندہ آنے والے ایسے واقعات ہیں جن کو ذلتہ تعالیٰ نے اب  
نہ اس دنیا میں پیدا کیا ہے اور نہ ان اشیا کے شمار و نشانات کو اس مادی عالم  
و بوجہ مشرق مغرب گردش، ظاہری سے ملکی نہیں۔

۱۔ بالکل صحیح ہے بلکہ ممکن ہے کہ ایسا دور دور سے محاسن بھی ہیں لیکن بہر حال یہ محاسن ہی ہیں  
جو اس طرح گزردہ اور محدود ہیں جس طرح دور سے محاسن گھبراہ و مادی طرح غلطیہ زیادہ متاخر بہر حال  
جس طرح انسان کی دوسری طاقتیں در ذات اس کے نتائج میں متاخر ہوتی ہیں، اس میں شک و  
اختلاف پیدا ہوتا۔ اور بڑے بڑے علم ممالک میں غلطی اور غلطی کی دھمکی دیکھتے ہیں کہ اس  
کے صورت میں اس علم کی تحقیقات میں اس سے کیوں نیا اعتقاد ہی مختلف ہے جس کا محاسن ظاہری  
کے صورت میں واقع ہوتا ہے اور اس کشف و شراک کے محرم و تحقیقات میں نتائج مختلف اور تدریج  
ہیں کہ نظیر شایہ حقیقت میں مل سکتے۔

میں یہ جہاں ہے اور خدا ان کا درود عالم مثال میں ہو رہے۔ یہ ایسے توحیفی واقعات اور ایسے عجیب توحیفیات ہیں جن پر غیب کے معنی صادق آتے ہیں اور توحیفیات میں سے یہ ایسے قطعی امور ہیں جن کا سوا حق اللہ تعالیٰ کے کسی کو علم نہیں البتہ ایسے آئندہ مہیا ہونے والے واقعات کا جزوی علم ضرورت کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندے نبی مرسل کو بذریعہ وحی بتا دیتے ہیں جیسا کہ قیامت کا آنا حساب و کتاب کا ہونا اور دنیا جنت کے حالات اور دنیا میں آنے والے واقعات کی چیزیں گزشتہ ہیں لیکن ایسی صورت میں جب کہ اللہ تعالیٰ ان آلے والی چیزوں کی اطلاع اپنے کسی خاص بندے کو کر دیتے ہیں تو وہ چیزیں غیب نہیں رہتیں بلکہ وہ غیب کی لہریں ہوجاتی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو پہنچا دیتے ہیں۔

یہاں تک تو مستور چیزیں بیان ہوئیں جن کا تعلق توحیفیات سے تھا جس کے بارے میں یہ معلوم ہوا کہ ان امور میں سے صرف جو توحیفیات اور بعض واقعات و حالات کا علم اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کسی ذریعے سے ضرورت کے مطابق بتا دیتے ہیں لیکن ان امور غیبیہ کی کلیات اور ان کے تمام علم تک کسی مخلوق کی رسائی ناممکن ہے خواہ ملک ہو یا نبی مرسل جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يُعْلِمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبُحْرِ وَالْبَحْرَيْنِ وَمَا تُسْقِطُ مِنَ ذَرْبٍ إِلَّا يُعْلِمُهَا وَلَا حِجَابٌ لَّنَا نَعْلَمُكَ الْوُضْئِ وَلَا نَطْلُبُ وَلَا يَأْتِيهِ إِلَّا بِكِتَابٍ يُبَيِّنُ لِنَعْلَمُ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝۵۱

یعنی اس کے پاس غیب کی چابیاں ہیں یعنی وہی غیب کے ذریعوں کا مالک ہے، انھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا جو کچھ عقلی

توحیفی امور و مقامات اور واقعات میں جن کا تعلق قیامت سے باتوں میں آنے والے واقعات سے ہے شفا کو کون کب جیسا ہو گا، کب پیدا ہو گا، کیا کیا کام کرے گا، کتنی عمر ہو گی، عرصے کے حالات سے گورے گا وغیرہ۔

تو جیسے علم الہی کا آنا اور حال کا آنا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بلند دنیا میں تشریف لانا، اور مال کی حرکت ان کے ماحول سے ہونا، اسوعی کا صلیب سے نکلنا وغیرہ۔

میں اور جو سمجھداروں میں ہے سب سے وہ واقف ہے، درختوں سے کوئی پتہ نہیں گزرتا مگر وہ (اللہ تعالیٰ) اسے جانتا ہے، زمین کے تاریک پردوں میں کوئی دامن نہیں اور کوئی خشک و تر چیز نہیں مگر یہ کہ (سب کچھ) ایک کھل اور واضح کتاب میں لکھا ہوا ہے، دوسری جگہ ارشاد ہے۔ قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَفَعْلَمُ الْغَيْبُ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنَّا تَسْبِعُونَ مَا يَكُونُ يَوْمًا قُلْ حَلَّ لِي سَعْيِي أَلَا عَنِّي وَالْبَهِيمُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ (رومنہم ۵۰) یعنی میں نے کبھی آپ ان لوگوں سے، کہہ دو میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں نہ یہ کہتا ہوں کہ غیب کا علم رکھتا ہوں نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو فقط اسی بات پر چلتا ہوں جو مجھ پر (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) وحی کی جاتی ہے (اور اس کی طرف تمہیں بھی بتاتا ہوں) پھر ان سے پوچھو کہ انہما جس کو حقیقت کا کوئی علم دیتے ہیں نہیں اور انہوں (اللہ) کو حقیقت کی روشنی دیکھ رہا ہے، دونوں بڑبڑہو سکتے ہیں، کیا تم غور نہیں کرتے۔

غیب کی باتیں تو ہم سب سے جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا اور اس کی پسند ناپسند کا علم حاصل ہوتا ہے، اسکات کا علم جس میں عقائد، اعمال، معاملات، معاشرت اور اخلاقی طرز پروری زندگی خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، میں اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور غیر مرضیات سے واقفیت حاصل کرنا ہوتی ہے، یہ وہ علم ہے جسے کوئی مخلوق انسان وغیرہ خواہ کتنا ہی ذہین و فہیم ہو اس کی ریاضت اور روحانیت کا پایہ کتنا بلند ہو اس کا باطن کتنا روشن ہوا اسے غیبیں جان سکتا نہ اپنے حواس سے ذوق و شعور سے ذہانت سے دقتیاس سے عقل سے نہ نور باطن سے نہ آلات سے البتہ خداوند عالم جو عالم غیب ہے وہ خود اسے اپنے برگزیدہ بندوں انبیاء و رسل کو عطا فرماتا ہے، جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح آتا ہے۔ قُلْ إِنْ أَدْرَيْتُمْ أَفَرِّئْتُمْ نَحْنُ أَمْ لَكُمْ خَزَائِنُ أَعْدَاءُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِنْ أَرَادْنَا أَنْ نَبْعَثَ مِنْ رُسُلٍ فَإِنَّا نَعْلَمُ

مَنْ يُؤْتِ يَدِيَّ وَ مِمَّنْ خَلْفَهُ رُحْمًا ۖ ذَٰلِكَ رَاسُ يَوْمٍ عَصِیٍّ یعنی راسے چلیں آپ  
 الہ سے، مگر دیکھتے کہ میں نہیں جانتا کہ جس (عذاب) کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ  
 نزدیک ہے یا میرا رب اس کے لئے لمبی مدت مقرر فرماتا ہے وہی عالم الغیب  
 ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا مگر جس رسول کو اس کام کے لئے پسند  
 فرمائے تو اس کے آگے اور پیچھے ممانڈ بھی دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب  
 مشرکوں کو اور کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت اور عذاب کے عیسوی وقت  
 بتلانے پر ہراساں کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ ان  
 سے یہ کہہ دیں کہ قیامت کا آثار ہاں جزا و سزا کا ہونا تو یقینی ہے لیکن قیامت اور  
 عذاب کے وقوع کی متعین تاریخ اور مدت کون سی ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم  
 ہے اس لئے میں نہیں جانتا کہ وہ روز قیامت اور عذاب قریب آچکا ہے یا ابھی  
 اس کے لئے کوئی دور کی مدت مقرر رکھے گا اور اس پر یہ دلیل پیش کی کہ قیامت اور  
 عذاب کے عیسوی وقت سے میری بے خبری اس لئے ہے کہ میں عالم الغیب نہیں،  
 بلکہ عالم الغیب ہوں صرف اللہ رب العالمین کی خصوصی صفت ہے اور وہ علم غیب کی  
 جس سے عالم کائنات کا کوئی ذرہ پوشیدہ نہ ہو اور جو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص  
 ہے، کسی کا ایسے غیب پر قبضہ اور قدرت نہیں، جس سے سارے کلیات جزئیات  
 اور فیسی امور اس کے معلوم ہو جائیں البتہ جس کو اللہ تعالیٰ منصب رسالت و نبوت  
 کے لئے پسند فرماتے ہیں تو اسے بقدر ضرورت امور غیبیہ کی معلومات فراہم کرتے  
 ہیں اور ان معلومات غیبی اور خبروں کو محفوظ ترین طریقے سے اپنے نبی سے کوہ پہنچا  
 دیتے کہ لئے ان کے نزول کے وقت فرشتوں کا پر مدور چوکیاں رکھی جاتی ہیں تاکہ  
 وحی الہی ہر طرح کی آمیزش سے محفوظ رہے اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کے علم  
 میں شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی۔ یہاں استدلال اس قدر اتنی میں غیب  
 کلی اور تمام امور غیبیہ مراد نہیں بلکہ وہ امور غیبیہ اور احکامات شرعیہ مراد ہیں جن  
 کا تعلق منصب رسالت اور نبوت سے ہے جیسا کہ اس سے پہلے آیت کریمہ سے

خارج ہے اور اس طرح اس کی بعد والی آیت میں اس کی وضاحت موجود ہے چنانچہ  
 اللہ تعالیٰ اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔ یَعْلَمُ أَنْ قَدْ بُلِّغُوا بِرِسَالَتِي بَلِّغُوا  
 وَأَخَاطِبِي أَلَا يَتَذَكَّرُ الْغَافِلُونَ اُخْصِي شَيْئًا عَدَدًا لِمَا يَتَذَكَّرُونَ اَمَّا مَعْلُوم ہو  
 جیسے کہ اصول نے اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیئے اور حقیقت میں پہلے  
 ہی ہے، اللہ تعالیٰ ان تمام احوال کا امام کہتے ہوئے ہیں اور اس نے ایک ایک چیز  
 کو گن رکھا ہے۔ یہاں ایک بات یہ بھی یاد رہے کہ منصب نبوت و رسالت کا حق  
 چنانچہ شریعت و احکام کی تبلیغ سے جس اس لئے اس کے کچھ کلیات کا مقررہ وقت  
 انبیاء عظیم السلام کو دیا جاتا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس حکم کی انتہا کی  
 اور نبوت کو ان پر عزت کی چنانچہ انہی کلیات سے ہر زمانے میں ان کے ہر مہمیں علماء کرام  
 پیش کرتے والے واقعات کے احکامات نکال دیتے ہیں اور یہی سلسلہ تاقیامت جاری  
 دوسری سب گاہیں کی وجہ سے دیکھتے ہیں کی ضرورت ہے اور اس کے  
 آنے کا امکان۔

پوشیدہ اشیاء کی چند ضروری اقسام کے بیان سے یہ بات ابھی طرح واضح  
 ہو جاتی ہے کہ کون سی بات کاظم ہوا اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کی مرضیات  
 نامرضیات کاظم ہو، سب کے کسب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں اور ان کا علم کل  
 تر اللہ تعالیٰ نے کسی کو عطا نہیں فرمایا البتہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اور جس قدر  
 چاہتا ہے ضرورت کے مطابق جزوی طور پر اپنے بندوں کو علم عطا فرماتا ہے پھر  
 وہ اپنے علم غیب میں سے احکام بشریہ تو صرف انبیاء عظیم السلام کو بذریعہ وحی  
 بتلاتا ہے اور انکو بھی امور غیبیہ میں سے (جیسا کہ جو وحی قسم میں بتلاتی گئیں) خاص نہ  
 واقعات اور آئندہ آنے والے حالات کاظم جزئی بھی انبیاء عظیم السلام کو بذریعہ وحی  
 یا اولیاء کرام کو بذریعہ الہام جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے عطا فرماتا ہے جو  
 منجانب اللہ تعالیٰ عطا کیا ہوا علم ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں  
 يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ حَيْثُ

اَلَا بِعَاشَا: (بشریت ۱۵۵) یعنی جو کچھ مخلوقات کے سامنے ہے وہ اسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ اس کے پیچھے ہے وہ بھی اس کے علم میں ہے۔ مخلوقات میں سے کوئی بھی اس کے علم سے کسی چیز پر بھی مسلط نہیں کر سکتے مگر یہ کہ جس قدر علم وہ خود ہی ان کو دینا چاہے اس پر اتنا ہی علم ان کو ہو سکتا ہے۔

اسی طرح باب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے رسول کی حیثیت سے پیش کیا تو کفار و مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت پر طعن طعن کے اعترافات کرنے لگے۔ وہ کہتے تھے کہ کیا رسول ایسا ہوتا ہے جو ان لوگوں کی طرح زندگی بسر کرتا ہے، پیتا ہے، پزاروں میں چلتا پھرتا ہے غرض وہ ہر اس چیز کو دیکھ کر اعتراض کرتے تھے جو لوازمات بشریت اور انسانی زندگی کے لئے لازم ضروری ہے، ان کفار مشرکین کا خیال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا رسول وہی شخص ہو سکتا ہے جو لوازمات بشریت سے مستغنی اور مافوق بشری قوتوں کا مالک ہو، کائنات کا ایک ایک ذرہ اس پر روشنی ہو، اہمیت اور مستقبل کی کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہ ہو۔ اس لئے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے طعن طعن کی فرمائشیں کرتے تھے۔ چنانچہ وہ کہتے تھے کہ تم تب ایمان لائے اگر آپ ان خشک پہاڑوں کو ہموار اور سرسبز زمین میں تبدیل کر دیں، اس میں ایسے چٹے ابلے لگیں جس میں سے ندیاں اُڑ نہری جاری ہوں وغیرہ وغیرہ۔ نیز وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قسم قسم کے غیروہ جلالے پر بھی صراحت کرتے تھے تو ان سارے بے ہودہ سوالات اور بے جا فرمائشوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا ہے۔ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعَانِ الْرَّسُلِ وَمَا أَذْرِي مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا يَكُنْزُ أَنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُؤْتِي الْإِلَٰهَ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ (احسان آیت ۱۱) یعنی آپ اللہ سے کہہ دیجئے میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں اور میں اپنے عقل و فہم سے نہیں جان سکتا کہ میرے ساتھ کیا ہوتا ہے اور تمہارے ساتھ کیا ہو گا، میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے اور میں صرف ایک صاف صاف ڈرانے، خبردار کرنے والا ہوں۔ اس آیت کو میرے



مطلب یہ ہے کہ آپ ان کفار و مشرکین سے کہہ دیں کہ میری رسالت و نبوت دنیا کی تاریخ میں پہلا واقعہ نہیں کہ تمہیں خدا کے رسول پہنچنے میں پریشانی ہو بلکہ کچھ سے قبل بہت سے انبیاء و رسل دنیا میں آچکے ہیں جن میں بعض کو تو تم بھی مانتے ہو اور تم کو ان سے عقیدت بھی ہے، آخر وہ بھی تو انسان و بشر تھے، کھاتے پیتے تھے، انزک ان میں سے کون سا رسول ایسا گزرا ہے جس نے اپنے اختیار سے کوئی معجزہ دکھایا ہو یا اُس نے بالود اپنے ذاتی علم سے سب کچھ مانا ہو، اگر ایسا نہیں اور نہ ہو سکتا ہے تو پھر میری رسالت و نبوت کو پرکھنے کے لئے ایسی نرالی اور الوکھی کسوٹی تم کہاں سے لاتے ہو، پھر اس کے بعد مَا أَذْبَرْ نَفْسًا أَنْفَعَلْ بِهَا وَلَا يَكُونُ اَوَّلُ سے رسالت اور نبوت کی حقیقت بتلائی کہیں اپنی عقل و شعور اور قیاس سے ذریعہ جانتا ہوں کہ آخرت میں میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جلتے گا اور ذمہ یہ جان سکتا ہوں کہ اس دنیا میں میرا اور کچھ پر ایمان لانے والوں کا اور میری اس دعوت کا انجام کیا ہو گا اور تمہارے مخالف اور زیادتیوں کی تمہیں کب اور کسی منزلے کی غرض دنیا و آخرت کے امور غیبیہ سے متعلق وہی النبی کے فیصلے کے بغیر کچھ کوئی علم رکھے نہیں کہ جانتا ہے، جنس خواہ حادیثی ذات سے متعلق ہو یا دوسرے لوگوں (مومنین اور کفار و مشرکین) سے متعلق خواہ وہ معاصر دنیا کا ہو یا آخرت کا، تفصیل ہو یا اجمال اس کی کچھ خبر نہیں بلکہ یہ امر و آخرت درجہ جنت و درجہ حساب و کتاب، مشرکین و کفار کے لئے سزا اور مومنین کے لئے جزا، اسے متعلق یا دنیا میں آئندہ پیش آنے والے واقعات کے بارے میں کچھ کہ بیان کرتا ہوں، میری عقل، فہم و ذہانت کا اثر نہیں بلکہ امور غیبیہ کے متعلق جو کچھ میں کہتا ہوں اس کا ذریعہ وہی النبی ہے جو میری طرف بھیجی جاتی ہے، اور میں اس کی اتباع لے جیتی ہوں، نہ وہی کب کیسے کہیں خود بخود سب کچھ جانتا ہوں اور نہ وہی کیا ہے کہ لعلی اختیارات میرے اختیار میں ہیں، تو جب میں نے اس قسم کا دعویٰ نہیں کیا ہے نہ آپ کے سوالات اور فرمائشیں بے جا اور بے وزن ہیں کیونکہ علامہ غیبیہ اور تمام اختیارات کا مالک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں اس کی طرف سے جو کچھ بھی وہی کہتا ہے میں اس کی پیروی اور تعمیل کرتا ہوں۔

اور پیروی کرتا ہوں۔

بلاشبک دشمنہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی وہ بتلادیا ہے جو پوری کائنات میں کسی نبی سے پہلے کو عطا فرمایا ہے اور ہر ایک فرشتے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ رسالت و نبوت کو ختم فرمایا اور آپ پر رسالت و نبوت کے کلمات اور آپ کی شانِ شانِ علوم کی انتہائی۔

سفرت طوار الوسی رحمت اللہ تعالیٰ علیہ اسی آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ۔  
والذی اختارہ ان الیعنی علی نفی الدر ایۃ من لیس جہۃ العری  
سواء کانت الدر ایۃ تفصیلیۃ او اجالیۃ وسواء کان ذالک فی الامور  
الدنیویۃ اوالاخرویۃ واعتقد انہ صلی اللہ علیہ وسلم علم یثقل من الذی  
حق او فی من یعلم باللہ تملک وصفاتہ وحقو نہ والعلم ما شیاء یعد العلم  
کاذا ما لہ یثوقہ احد غیث من العا لمین ولا اعتقد فروات کال تبدل  
العلم بحدوث دینیویۃ جزئیۃ کمد مر العلم بایض زید مثلاً فی بیتہ  
وما یجری علیہ فی رحمہ وغدۃ ولا یری حسناً قول العالم انہ علیہ الصلوٰۃ  
والسلام یعلم الغیب، واستحسن ان یقال تبدلہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم  
العلم اللہ تعالیٰ علی الغیب او علمہ سبحانہ ایاہ او نحو ذالک، وفی لایۃ رد  
علی من یسب بعض الاولیاء علم کل شیء من الکلیات والجزئیات  
وقد سمعت خطیب اعل مشہر المسجد الجامع المنسوب للشیخ عبدالقادر  
الکلیک فی قدس سرہ یوم الجمعۃ، قال یا اعل صوت یا بازا انت اعل  
من نفسی، وقال لی بعض انی لا اعتقد ان الشیخ قدس سرہ یعلم کل شیء  
منی حتی منابت شعری، ومثل ذالک مما لا ینبغی ان ینسب الی رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکیف ینسب الی من سواہ؟ فلیتق العبد مولاہ

ردوز العالی ص ۲۶۸۱-۲۶۸۲ اور دارالطبائع المنیرۃ،

یعنی میرے نزدیک پسندیدہ قول یہ ہے کہ یہاں ایسی روایت اور بیان نیے کی

نفی ہے جو ہر کسی وحی کے خود بخود ہو، خواہ تفصیل ہو یا اجمالی، خواہ وہ دنیا کے واقعات سے متعلق ہو یا اس کا تعلق آخرت کے حالات سے ہو اور اس کے بعد علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ، میرا اعتقاد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک دنیا سے انتقال نہیں فرمایا جب تک اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے شئون کا علم نہ دے دیا گیا ہو اور ان اسم شیاہ یعنی دنیا و آخرت میں آئندہ پیش آنے والے اسم واقعات، کامل بھی، جہی کامل کمال سمجھا جاتا ہے، جو پوری کائنات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی دوسرے کو عطا نہیں کیا گیا اور نیز یہ اعتقاد نہیں کہ جو وحی واقعات اور حادثات جیسے شفا زیا پانے گھر میں کیا کام کرتا ہے اور اس پر آج اور کل کیسے گزرتے گی، علم نہ ہونے کی وجہ سے کمالی نبوت میں غرق آتا ہے، کیونکہ اسی طرح غیبیہ امور کا علم نہ کوئی کمال ہے اور خاص کے نہ ہونے سے کمالی نبوت میں فرق آتا ہے، (وہ فرماتے ہیں کہ، میں کسی شخص کے اس قول کو اچھا نہیں سمجھتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے اور تعالٰی نے ادب کی وجہ سے چاہا کہ ایسا کتنا ہی مناسب نہیں کہ آپ غیب نہیں جانتے تھے، بلکہ یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی چیزوں پر مطلع کیا تھا یا اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیبی امور پر جگہ سے تھے یا اسی طرح کسی دوسرے الفاظ میں کہیں جن میں بد تو بے ادبی کی شان پاتی جلتے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دانی امتیازات کا مالک مقرر کران کے اس فرمانِ عالی کی مخالفت کی جائے کہ لا تدرؤنی کما اطرقت النصارى یعنی بن مریم، قولوا عبد اللہ ورسولہ، خبر دہ، مجھے حد سے ذبحہ حلا میں طرح جیسا تمہوں نے (حضرت، عیسیٰ کو) بشریت صفایا کر کے خدا کر، حد سے بڑھایا تھا، اعلیٰ لو، مجھے تم اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہنا پھر اس کے بعد علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ، اس آیت میں مان لوگوں کے نظریہ کی تردید ہے جو بعض اولیاء کی طرف تمام کلیات و جزئیات کے علم کو منسوب کرتے ہیں، میں نے جامع مسجد جسے شیخ عبدالقادر گیلانی قدس سرہ کی مسجد سے موسوم کیا

جاتا ہے۔ جو کہ دن اسی مسجد کے منبر پر بیٹھے ہوتے غیبی سے سنا، وہ بندہ اگلا سے پکارا کہ رہے تھے۔ اسے ہزار آپ (شیخ عبدالقادر جیلانی) میری جان پر مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہیں اور معضلے مجھ سے کہا کہ میرا اعتقاد یہ ہے کہ شیخ عبدالقادر گیلانی تھیں سرور میرے جسم کی ہر ہر چیز پر علم رکھتے ہیں حتیٰ کہ میرے ہال کی چڑیوں سے بھی ان کو واقفیت ہے۔ تو ملازم کو منیٰ فرماتے ہیں کہ اس طرح کا علم تو ایسا ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی منسوب نہیں کرنا چاہیئے چہ جائیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی دوسرے کو۔ تو ایسے کہنے والے ہندے کو مٹائیے کہ اس طرح کہنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔

ماسئلہ کہ تمام شےیں مگر کامل اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دیا ہے اور یہی عالم الغیب ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض جاہل عوام جب یہ سنتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں تو وہ ان کے ساتھ یہ بھی کہنے لگتے ہیں کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی غیب کی چیز کی خبر بھی نہیں ہوگی یہ تو نبوت اور رسالت کی نفی و انکار ہے حالانکہ غیبی خبر اور غیب میں طرق واضح ہے مگر کوئی آپ کے کان میں کوئی راز کی بات کر دے تو کیا اس سے آپ عالم الغیب بن گئے بلکہ یہ تو بھی ہوئی خبر ہے جو آپ کو بتلائی گئی۔ اسی طرح کسی بھی نبی مرسل کو اللہ تعالیٰ کلام کھوں غیب کی چیزوں کا بذریعہ وحی بتلا دینا ان کو عالم الغیب نہیں بنا دیتا۔

مذکورہ بالا بحث کلاماً صریح ہوا کہ جو چیزوں کا علم لوگوں کو معضلہ اسباب و ذرائع سے عاوضہ ماسئلہ ہو جاتا ہے غیب نہیں، اسی طرح کسی رسول و نبی کو بذریعہ وحی یا کسی ولی کو بذریعہ کشف و الہام جو غیب کی کچھ چیزوں کا علم دے دیا گیا وہ علم غیب کی حدود سے نکل جاتا ہے اسی طرح جو شخص اسباب و ذرائع، آکات و تجربات و مشاہدات اور دلائل سے کوئی علم حاصل کرتا ہے، اس شخص کو عالم الغیب نہیں کہتے جیسے ریاضی کے قواعد سے کوئی حساب و مقدار معلوم کرے یا طب و حکمت انبیات و خلق غلو، سائنسی ایجادات، ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ کے ذریعے کوئی چیز معلوم کرے

تو وہ طیب کا ہانتے والا نہیں اسی طرح کشف والہام یا وحی کے ذریعے کسی کو بعض چیزوں کا علم ہو جائے تو اس علم کو قرآن مجید میں انبیا طیب یعنی نبی کے غیور، کہتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **يَذْكُرْ مَنْ آتَيْنَاهُ الْغَيْبَ نُوحًا هُودًا اِيَّاكَ** یعنی یہ طیب کی خبروں میں سے ہے جن کو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ مالم الغیب تو وحی ہوتا ہے جس کا علم ہر واسطہ وسیلہ سبب، آگاہ اور دلیل وغیرہ سے بے نیاز ہو اور وہ علم صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ پوری کائنات میں ہر مادہ کے علم میں جو عمل ہو ہر ایک کو یک وقت بیک وقت ماننا ہے کہ نیک ہو گا یا بد ہو گا۔ نیک ہو گا یا بد صورت، نیک ہو گا یا بد بخت، اعلیٰ کی کتنی ہوگی مگر من مستقبل میں اس پر جو حالات اور عوارضات وارد ہونے والے ہوتے ہیں وہ تفصیل کے ساتھ ان سب کو جانتے ہیں اور دیکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو ان تمام شیاؤں کے احوال اور حقائق کا جاننے والا ہے جو کائنات میں کسی یا اب ہیں یا مستقبل میں ہوں گے مگر من اللہ تعالیٰ کو تمام کائنات کا ازل سے اب تک بلا واسطہ ہر چیز کا مکمل علم ہے، بلا کائنات میں جتنے ذرات ہیں ان تمام کی کل تعداد اور وزن سے اس کو واقفیت ہے، ساری دنیا کے سمندروں، دریاؤں وغیرہ میں جتنے قطرے ہیں ان کا شمار اس کے علم میں ہے، ہر بارش کے قطرے اور تمام دنیا کے درختوں کے پتوں کی تعداد اور ان میں ہر ایک لکیروں میں سے کوئی لکیر اس سے کسی وقت غنی نہیں رہ سکتی۔ ہر درخت کا ہر پتہ گرنے سے پہلے اللہ گرنے کے بعد اور ہر درخت پر لگا ہوا پتہ کتنی مرتبہ اکڑ پڑا ہو گا کب اور کہاں گھرے گا اسی طرح ہمیشہ ہر چیز کو اس کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے مہین حیات میں اور اس کے مرنے کے بعد اپنے علم تفصیل سے جانتا ہے۔

لہذا اللہ تعالیٰ کا علم اور دینا ایسا نہیں کہ ایک آن میں ایک یا چند کا سامنا کرے یا دیکھ لے اور دیکھ لے۔ یہ دوسری مشیاء پر نظر اور توجہ دے جس طرح انسانوں اور دوسری مخلوقات کا حال ہے۔ نیز ازل سے اب تک کی تمام چیزیں ساری کی ساری اس کے سامنے ایسی دائمی مستحضر ہیں کہ کسی وقت کسی ذرہ یا کسی مخلوق کا خیال وغیرہ اس سے چھپ نہیں سکتا۔

اس کا علم اور مشاہدہ ہر آن کائنات کے ایک ایک ذرے کو محیط ہے اور کوئی ذرہ اس سے کسی وقت بھی پوشیدہ نہیں ہو سکتا۔ وہ ہر شے کی صفات خواص کی تعینات ذریعہ، مقدر، تعدد اور شمار بلا واسطہ جانتا ہے۔ وہ ان چیزوں کے جاننے میں کسی واسطے اور آنے کا محتاج نہیں۔ اور اس کا یہ علم اپنا ذاتی ہے کسی نے اس کو سکھایا نہیں، نیز اللہ کا علم لامحدود اور بے نہایت ہے۔ تمام مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے جو علم دیا ہے وہ مقدر اور محدود ہے، اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ عالم تھے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے وہ علوم عطا فرمائے جو کسی کعبہ کی نبی، مقرب فرشتے بلکہ تمام مخلوقات میں سے کسی کو عطا نہیں کئے گئے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات صفات اس کے حقوق اور تعاون کا علم، باطنی، مستقبل کے لاکھوں واقعات بزرگ و قبر کے حالات، جنت، دوزخ اور آخرت کا علم غرض وہ تمام علوم جو آپ کی شانِ اہلِ شان تھے عطا کئے گئے لیکن پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام فرشتے، جی ہائیں اور تمام اولین آخرین کو تینا علم عطا کیا گیا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے علم محیط سے کوئی نسبت نہیں۔ صحیح بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک چڑیا کو دریا کے کنارے پانی پیتے ہوئے دیکھ کر مسرت ہوئی طیر السلام سے فرمایا: مَا عَلِمَ مِنْ عِلْمِكَ سِوَ عِلْمِ اللَّهِ اَلَمْ تَشْأَلْ مَا نَقَضَ غِلَاظُهَا نَفْسُكَ مِنْ هَذَا الْبَحْرِ اَلْكَابِ تَنْبِيْهُكَ اِنَّ اَبَدَكَ ۱۲ ص ۴۱۵ اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں میرے اور آپ کے علم کی مثال اس قطرے کی ہے جو اس چڑیا نے اس دریا سے کم کیا ہے۔

یہ مثل محض جہان کے لئے ہے ورنہ مخلوق کے محدود علم کو اللہ تعالیٰ کے علم محدود کے ساتھ کوئی نسبت ہو ہی نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی صفت علم پر اس کے دوسرے صفات کا یہ کو بھی قیاس کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا یہ اس کی ذاتی اور لامحدود ہیں مخلوق میں جو بھی کوئی خوبی و صفت نظر آتی ہے وہ محدود اور صرف اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کی صفات میں سے کسی صفت کا منظر ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کے اجراء میں | جس طرح اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات  
 میں کسی کو کسی درجہ میں شریک کرنا شرک  
 کسی کو خود مختار ماننا شرک ہے

تعالیٰ کی صفات کے اجراء اور نفاذ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو صاحب اختیار  
 مانا جانتے یہی اگرچہ یہ مانا جاتے کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا ہے اور وہی قادر مطلق  
 مشرعت مطلق اور تمام صفات کمالیہ میں بیگانہ ہے۔ لیکن اگر مخلوق جیسے مانو یا درج  
 یا کسی نشان یا جن کے بارے میں یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مستقل طور  
 پر کچھ انتظامی امور سپرد کر دیئے ہیں جیسے بارش برسانا یا مالوق الفطرت طریقے سے نفع و  
 ضرر پہنچانا یا دعائیں قبول کرنا وغیرہ۔ اور یہ ان چیزوں کے نفاذ میں اس طرح خود مختار ہیں  
 جس طرح دنیا کے بادشاہ اپنے ماتحت حکام اور خسران کو کچھ انتظامی اختیارات دے  
 دیتے ہیں اور اس کے بعد وہ حکام ان اختیارات کے اجراء اور استعمال میں خود مختار  
 سمجھتے ہیں اور پھر بادشاہ سے پوچھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ذرا سے خبر ہوتی ہے  
 اس لئے لوگ ماتحت حکام کو خوش کرانے کے لئے ان کو جابا دیتے ہیں اور ان کی  
 چالوسی کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے اختیارات اس کے بارے میں ناخبر رہیں اس طرح  
 کسی بھی مخلوق کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ اللہ کی صفت کے اجراء و نفاذ میں  
 خود مختار ہیں تو یہ بھی شرک ہے۔

لہٰذا ان کا یہ عقیدہ جو انہیں شریعت سے عاجز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے انتظامات مثلاً بارش  
 برسانا مانا وغیرہ مانوس کے چھوکنے ہیں یہ شرک بیکڑ نہیں کیونکہ مسلمان اللہ رب العزت کے سوا کسی  
 اللہ کے لئے کسی باب میں بھی ذرا براہ مستقل اختیار حاجت نہیں کرتے ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ  
 کے ارادہ اور حکم کے بغیر کوئی مخلوق کچھ نہیں کر سکتی حتیٰ کہ پتا بھی اگر کسی ملک میں تو اس کے حکم سے  
 اللہ اس کے حکم کے مطابق کرتا ہے۔ اللہ یہاں مانوس کو طریقہ کی حیثیت صرف بخلائے ہے جیسے کوئی شخص  
 اپنے مختلف غرضوں میں کام لیا کرتا ہے کہ جب میں کسی کے لئے پانی دینے کا حکم کروں اس حکم کی تعمیل  
 غلام غلام کو کرنا ہوگی اور جب کھانے کے بارے میں مانوس تو غلاموں غلام اس کام کو سرانجام دے  
 (جیسا شیعہ ائمہ منوہر)

اور حقوق میں شرک یہ ہے کہ خدا ہونے کی مشیت سے اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر جو خاص حقوق عائد ہوتے ہیں ان میں سے کوئی حق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے لئے مانا جائے۔ مثلاً کسی مخلوق کی محبت اور تعظیم کو اللہ تعالیٰ و تبارک کے برابر سمجھنا۔ یا اس کی اطاعت میں کسی اور کو شریک کرنا جیسے کسی کے لئے ایسا مشکل اختیار ثابت کرنا کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دے سکتا ہے اس کی تفصیل انشا۔ اللہ آئندہ صفحات میں آئے گی یہی طرح کسی کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شرک کرنا جیسے مجدد، رکوع، اندرون یا زور قرانی وغیرہ یا کسی مخلوق کو عالم اسباب کی چیزوں سے بالاتر اور اللہ تعالیٰ کا ہم پلہ سمجھ کر اس سے خشکات اور صائب میں مدد مانگنا یہ سب شرک کی مختلف صورتیں ہیں۔

**شرک جلی اور ایک شبہ کا ازالہ** | مذکورہ بالا بحث سے یہ الجھن بھی دور ہو جاتی ہے کہ ہم دنیا میں بہت سی چیزوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں مثلاً پانی سے پیاس بجھاتے ہیں اور روٹی سے جھوک دلیج ہوتے دیکھتے ہیں۔ آگ سے گرمی اور دواؤں سے صحت کا ماحصل ہونا نظر آتا ہے۔ علاج کے لئے ٹکڑا۔ اور دوا کثروں سے اور کام کاج میں نوکروں یا کارگروں سے مدد لیتے ہیں۔ اسی طرح غریب محتاج لوگ امراء اور حکام سے مدد طلب کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کچھ شرک کیوں نہیں؟

دبیرہ مشیہ صلوٰۃ شریف میں تمیل کو ا کے لئے مختلف امور پر مختلف مخلوق کو لکھا دیتے ہیں تاکہ انفراترین ذیہوا و نظام اتامہ و چلے تو جب یہ شخص اور ذیہوا کو اتنی مقدار پانی پہنچا دیا جائے تو پانی جلا نام اور کھانا تمیل کر آئے۔ اس من جب اللہ تعالیٰ کسی ملک کے راستے میں جتنی مقدار بارش کا حکم فرماتے ہیں تو بارش کا فرشتہ علم بھلا کر آئے۔ مگر اگر کسی ملک کو انھوں نے کھلی کھلی کھلی وقت غلط ہو جائے تو موت کا فرشتہ اس کا حکم کر آئے۔ اسی طرح کائنات کے ذرہ ذرہ جلا اور میں اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ ہو آئے۔ اس لئے مسلمان بارش پر مانے موت سے بچنے وغیرہ میں صوفیہ اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگتا ہے نہ کہ بارش پر مانے یا اور فرشتہ وغیرہ کو پند آئے۔



اس لئے کہ عالم اسباب کی ان اشیاء میں اللہ پاک نے غایتیں اور تاثیریں رکھ دی ہیں۔ پانی میں دیاس، بھلنے کی تاثیر، آگ میں گرمی اور روشنی کی غایت اور دعاؤں میں مرض دور کرنے کی قوت۔ ان خواص اور تاثیروں میں خود ان اشیاء کا کوئی اختیار نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ ان چیزوں کی حیثیت ہمارے لوگوں کی سی ہے اور ان سے کام لیا ایسا ہی ہے جیسے ہم اپنے جانوروں یا اوزار و مصنوعات سے کام لیتے ہیں۔ ان سے کام لینے میں شرک کی کوئی وجہ نہیں۔

پھر جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی قابلیت دے رکھی ہے جس کے ذریعے وہ دوسرے انسانوں کو کوئی فائدہ یا اسد پہنچا سکتے ہیں مثلاً حکیم یا ڈاکٹر، مہر، مالک یا کاریگر وغیرہ۔ ان کے بارے میں ہر سلیم مستقل آدمی جانتا ہے کہ ان میں کوئی غیبی طاقت نہیں ہوتی، اور ان کے قبضہ میں کچھ نہیں ہوتا۔ اور یہ کہ وہ بھی ہماری ہی طرح اللہ کے متعلق ہنسے ہیں۔ بس بات اتنی سی ہے کہ اللہ نے اس عالم اسباب میں انہیں اس قابل بنا دیا ہے کہ ہم ان سے کسی ضروری کام میں مدد لے سکتے ہیں۔ پس ان سے مدد حاصل کرنے یا کام لینے میں شرک کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ شرک تو تب ہوتا ہے جب کسی کو اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ظاہری اسباب کے سلسلہ سے بالاتر یعنی نجی طور پر اپنے ارادہ اور اختیار سے کار فرما اور متصرف سمجھا جائے۔ پھر اسی عقیدہ کی بنا پر اس سے اپنی حاجتوں میں مدد مانگی جائے اور اسے راضی کرنے کے لئے اس کی عبادت کی جائے اور ایسے شرک عظیم کو شرک جلی کہتے ہیں۔

**معجزات و کرامات صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں** | بلاشبہ نیک علیہ السلام کے ذریعے سے ایسے

کام عالم وجود میں آتے ہیں جو عام انسانوں کی قدرت سے باہر ہوتے ہیں جنہیں معجزات کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اولیاء اللہ سے بھی بعض اوقات ایسے بہت سے کام صادر ہوتے ہیں جو خلاف عادت ہوتے ہیں۔ ان کو کرامات کہتے ہیں جس سے سرسری نظر

سے دیکھنے والوں کو یہ مغالطہ لگ جاتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کاموں کی قدرت و اختیار انہیں پہنچا دے تو ان کے انتقوں سے کیسے یہ کام وجود میں آتے، جس سے وہ ان انبیاء علیہم السلام کو لو لیا۔ کرام کے لئے ایک درجے میں مختار ہونے کا عقیدہ بنالیتے ہیں اس لئے مناسب یہ ہے کہ معجزہ و کرامت کی حقیقت، بیان کی جائے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ معجزات و کرامات بھی صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت و اختیار سے وجود میں آتے ہیں۔

**معجزہ کی حقیقت** | معجزہ کثرت میں عاجز کر دینے والی چیز کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح میں معجزہ ایسے عمل کو کہتے ہیں جو کسی پیغمبر سے بغیر کسی سبب طبیعی کے عالم وجود میں آئے اور اگر ایسا کوئی کام ولی اللہ کے ذریعے وجود میں آئے تو اسے کرامت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو معجزے دے سکے لوگوں کو اپنے احکامات کی طرف بلائے پر مامور فرماتے اور ان معجزات سے مقصود ان کی رسالت و نبوت کی تصدیق کرنا ہوتا ہے کہ جو کلام عام آدمی نہ کر سکے وہ انبیاء علیہم السلام سے ظاہر ہوتا کہ عوام سمجھ لیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہے اس کو اللہ تعالیٰ کا رسول ماننا اور اس کے بتلاتے ہوئے حقیقے کے مطابقت اور اس کی لائی ہوئی تعلیمات پر عمل کرنے میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے حکم کی تعمیل ہے اور جو منکر حق سے ملتے ہیں ان پر محبت ہم ہوا اور وہ مستحقین کتاب بن جائیں۔

پچھلے انبیاء علیہم السلام کو عموماً وہ معجزے دیئے گئے جو عمل اور شاہد نظر کرنے  
 لائق عمل اور مشاہدہ قرار پاتے ہوئے ہیں، انبیاء علیہم السلام کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد  
 نعم ہو جاتے ہیں اور یہ عام مل جل رہا ایسا ہے جو قیامت تک ہر وقت میں ہر شخص پر محبت ہم ہے شفا  
 عطا۔ اور یہ بینا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت و نبوت کی دلیل تھے لیکن ان کے تشریف لے  
 جانے کے بعد وہ موجود نہیں لیکن قرآن مجید ہر وقت پکارا کہ اسلاف فرماتا ہے کہ جو میرا حکم نہیں  
 کر اور نہ میرا پیغام لے اس کی پہچان تفصیل کے لئے کتاب ذہریت سے اسلام تک یہاں تک  
 اسلام کو ملاحظہ کیجئے۔

فاسے تھے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دہکتی ہوئی آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی غیر مضر ہونا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور یہ بیضا۔ وظیرہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مادرِ زاد نابینا اور کوڑھوں کو شہرست کر دینا، مڑوں کو زندہ کرنا وغیرہ۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام انسانوں کے لئے ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں ایک مرت ہزاروں عملی اور مشاہدہ مجربات دیئے گئے جس کی وجہ سے عہد مبارکہ میں مسلمانوں کا ایمان و ایقان پختہ اور غیر متزلزل ہو کر دیوں کی ایک ایسی عظیم جماعت تیار ہوئی جن کے ایمان میں شک کرنا بلکہ ان پر تنقید کرنا چاند پر تھوکنے کے مترادف ہے تو دوسری طرف رہتی دنیا تک تمام انسانوں کے لئے ایک ایسا کلام علی مجزہ قرآن مجید، احکام فرمایا جو لاکھوں عملی اور مشاہدہ مجزوں سے بڑھ کر ہے جو بیک وقت عقل اور قلب دونوں پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس کی محتاجیت پر دو قل پیش کرنے کی مثال سورج کے روشن ہونے پر مدائن قائم کرنا ہے اور یہ ایک ایسا کلام ہے جس کی بغیر پیش کرنا انسانی قدرت سے باہر ہے اور قیامت تک کے انسانوں کے لئے پورے قرآن مجید کی بغیر پیش کرنے کی بجائے صرف قرآن مجید کی چھوٹی سی سورت کی مثال پیش کرنے کا بیلیج ہے اور تمام اس چھٹے رکشے ہو کر بھی اس کی مثال لانے سے قاصر و عاجز ہیں۔

**مجزہ کا حکم** | ہر خاص، عام کے لئے یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ انبیاء و رسل سے جو مجربات یقینی طور پر ثابت ہیں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کا ٹھنڈا اور غیر مضر ہونا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا اور یہ بیضا۔ وغیرہ کے مجزے جن کا ثبوت اور دلائل دونوں قطعی اور یقینی ہیں وہ حق ہیں اور ایسے نہ ثبوت کا یقینی حوزہ ہے کہ اس پر کا ذکر قرآن مجید میں یا جو پاس کامل میں متواتر مدین قطعی سے حاصل ہو چکا ہو اور اس کی علامت کا یقینی ہونا ہے کہ اس کے معنی میں بھی کوئی ابہام نہ ہو اور اس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال ہو پس ہر وہ گئی ابلا مجربات کرنا جسے کسی ایسے واقعہ انہو جس سے حق کا مجزہ ہو کا یقینی طور پر ثابت نہیں بلکہ اس میں مجزہ بغیر حاشیہ اگلے صفحہ پر۔



جو اسلم کا بارِ مادی و روحی مساوی اور اعلیٰ کو مسخ کر دیتا ہو۔

معجزہ سے انکار کی وجہ | بعض تو وہ ہیں جو وجود باری تعالیٰ کے منکر ہیں اور بعض لوگ اگر نہ خدا کو تو مانتے ہیں لیکن ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کرنا اس کے نظم کو ایک قانون پر چلا دیا۔ اس کے بعد کائنات کے نظم و تدبیر میں اس کا کوئی دخل نہ رہا۔ وہ الگ قسط بنی کر ایک بے بس تماشائی کی طرح کائنات کو خاموشی سے دیکھ رہا ہے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ اس لئے ایسے لوگ جب کسی خرقہ عادت واقعہ جو نہ مرہاسب سے ماوراء ہو کے متعلق سنتے ہیں تو اس کو ایک افسانہ بنا کر کے رد کر دیتے ہیں اور اگر کہیں وہ ایسے واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں تو اسے دائرہ اسباب سے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ غرض یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فعل کے قائل ہو کر بڑے نام ایسے بے اختیار اور بے قدرت خدا کو مانتے ہیں جو کمزور ترین انسان سے بھی زیادہ لاچار و بے اختیار ہو، جو درحقیقت خدا کے نہ ماننے کے مترادف ہے۔

اس کے برعکس مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کی تخلیق کی، وہی قادر مطلق ہے، تمام اختیارات کا مالک صرف وہی ذات ہے وہ کائنات کی تدبیر و انتظام خود کرتا ہے، پوری کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے اسی کی مشیت کے تحت ہوتا ہے حتیٰ اگر کسی درخت کا پتہ بھی اس کے انون کے بغیر جنبش تک نہیں کر سکتا اور اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے تمام اشیاء کو پیدا فرمایا اور ان میں خاصیتیں لکھ دیں تو جس طرح یہ اشیاء خود اپنے وجود اور بقا میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں، اسی طرح ان کے خدائے بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اپنے نفع و ضرر پہنچانے میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ اگرچہ ان خاصیتوں کے لئے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے تمام قانون اور معمول یہی رکھا ہے کہ وہ اپنی خاصیتوں پر قائم رہیں مثلاً آگ میں جلا دینے کی خاصیت ہے

نور و شعلہ کی تاب نہ بہت، خاصہ ہم میں خاصہ نورانی





کے تصور میں کسی ولی اللہ کو اختیار ہوتا ہے اور نہ کوئی نبی اور رسول اس کے پیش کرنے میں خود مختار ہوتا ہے۔

البتہ انبیاء طیبہ اسلام کی مملکت و احزاب ہم پر لازم ہے کیونکہ معجزات و کلمات کا ضد و رانیا۔ و اولیاء ہی سے ہوا کرتا ہے۔ یہ ان کی صداقت و حکمت ثابت کرنے کے لئے اور ان کی تائید کے لئے ہوتے ہیں۔ انہی کے واسطے حسان کا تصور ہوتا ہے اور ان کی وجہ سے ہم تک اللہ تعالیٰ کی رضا کے اعمال اور اللہ تعالیٰ کے احکامات پہنچتے ہیں۔

معجزہ اور جادو میں فرق یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ انبیاء طیبہ اسلام

معجزات اور جادو میں فرق آئے ہیں جو عام حادث کے خلاف ہوا کرتے ہیں۔ بظاہر سور جادو سے بھی ایسے ہی آثار و اعمال ظاہر ہوتے ہیں جس کی وجہ سے بعض کم فہم لوگ دونوں میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے جادو گروں کی پیروی میں تخیل کرتے ہیں۔ ملاحظہ سور جادو اور معجزات و کلمات میں آسمان و زمیں کا فرق ہے جو جادو و ہمسریہ، اپنا اثر مٹانے کے لئے ٹوٹنے و ٹوٹنے سے جو چیزیں ظہور پذیر ہوتی ہیں وہ سب اسباب طبیعیہ کے اندر ہوتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ان کے اسباب مخفی ہوتے ہیں جو عام لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتے اس لئے عام لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ کائنات کسی طبیی سبب کے ہو گیا۔ ملاحظہ ان اشیاء سے ظاہر ہونے والے مشاہدوں کے اسباب الہی فن پر مخفی نہیں ہوتے۔

دائرہ اسباب کی اقسام اس سے یہ بات بکرمیں آگئی کہ اسباب طبیعیہ کی

اسباب سے جو چیزیں ظہور میں آتی ہیں۔ چونکہ ان کے اسباب ہر کسی پر عیاں ہوتے نہ کسی لائق مال یا ناموس و غیرہ اس کے استعمال شدہ کچھت و جن کے ساتھ کچھ دوسری چیزیں مل جاتے ہیں۔ اس کو نہ نہ کہتے ہیں۔



ہیں اس لئے یہ چیز یا کسی کے لئے قابل حیرت نہیں ہوا کرتی۔ مثلاً گندم کا کاشت  
 سے گندم کا پورا محل آنا اور اپنے وقت پر پکنا۔ کسی تیز رفتار سہاری پر سوار ہو کر  
 کسی جگہ پہنچنا یا بازار میں اڑنا جو شخص بھی گندم کاشت کرتا ہے وہ گندم حاصل کر  
 سکتا ہے یا جو شخص جہاز میں سوار ہوتا ہے وہ طویل مسافت مختصر وقت میں طے  
 کر سکتا ہے۔ لیکن اسباب مخفیہ جو پیش پیش مشاہدے میں آتی ہیں اس کے اسباب  
 خاص لوگوں کے علاوہ دوسرے عام لوگوں پر مخفی ہوتے ہیں مثلاً نفسی ایجابات،  
 سحر جادو وغیرہ سر پر آپ تقریر اذخبری کیسے سنتے ہیں۔ وائریس پر بغیر کسی  
 تار وغیرہ کے ہزاروں میل دور کی باتوں کو کیوں سنتے ہیں۔ یا مثلاً مسمریزم، ہپناٹزم  
 سے کسی کے خیال میں کوئی چیز ڈالنا یا اس کے خیال سے کسی چیز کا ایک لینا تو اس  
 کے اسباب اہل فن پر مخفی نہیں ہوتے۔ اور اس سے دماغ کسی کی تداویس اور  
 طریقے بھی وہ خوب جانتے ہیں۔ اسی طرح اگر شیاطین یا جن کے ذریعے کسی کے  
 پاس دور کسی چیز کا خبر پہنچ جائے تو یہ اس شخص کے لئے تو قابل تعجب بات ہوا  
 کرتی ہے جس کو اس کے اسباب معلوم نہ ہوں۔ لیکن اس تادی کے لئے یہ کوئی تعجب  
 تعجب بات نہیں جو شیاطین و جن کی حیثیت اور ان کی تیز رفتاری اور ان سے کلام  
 لینے کے چالیں سیکھ چکا ہو۔ یا کم از کم وہ اس سے باخبر ہو اسی طرح اگر کوئی دوائی لگا  
 کر اپنے کو فائز بہوش کر کے آگ کے اندر چلا جائے یا اپنے اعضاء و جوارح کو آگ میں داخل  
 کر کے پھیر دیا جائے۔ یہ کلام تو ایک عام شخص کو متاثر کر سکتا ہے لیکن  
 خواص کو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں آگ سے جلنے کی خاصیت نہیں ختم ہو جاتی ہے  
 اور نہ اس آدمی کا نہ جلنا کوئی معجزہ یا کرامت ہے۔ بلکہ دو اقوال کے اثر سے وہ  
 اپنے بدن کو آگ کی تپش سے محفوظ کر لیتا ہے اور جو بھی وہ دوائی استعمال  
 کرے گا ایسی پال دیکھا سکتا ہے بخلاف معجزہ و کرامت کے کہ وہ بغیر کسی اسباب  
 طبی کے ہوتا ہے۔ جیسا کہ بغیر کسی سبب کے حضرت براء علیہ السلام کے لئے  
 کی آگ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ٹھنڈی اور بغیر معجزہ و کرامت کی اور آگ کو براہ راست نہ صرف

کونی بن ذوق سلاخا۔ تو وہ بٹنے کے باوجود گھٹان میں بدل گئی۔ مرض جادو،  
ہیپناٹزم، مسمریزم، لوٹنے ٹوٹنے وغیرہ سے وجود میں آئے حالی چیزیں دائرو اسباب  
سے الگ کوئی چیز نہیں۔

بلکہ انسانی مصنوعات کی طرح ان کے اسباب اہل فن کو معلوم ہوتے ہیں جیسے  
شیاطین و جن کو خوش کر کے ان سے کام لینا ہوتا ہے یا قوت نفسیہ یا حروف و کلمات  
لکھ کر ان کا ورد کر کے اس کا ظہور ہوتا ہے۔ جو دوسرے لوگ بھی فنی سیکھ کر دکھا  
سکتے ہیں۔ چونکہ یہ چیزیں ماحول و قوانین پر مبنی ہوتی ہیں اس لئے وہ ہر وقت مبنی  
شعبہ انہماک دکھاتے ہیں۔ مبالغہ نہیں وہ غیر کے کہ ان کا معجزہ کسی اصول و قریب  
اور اسباب کی بنیاد پر ظہور پذیر نہیں ہوتا۔ اور نہ یہ ان کا پیشہ ہوتا ہے بلکہ بڑا شات  
اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی خاص قدرت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

عوام الناس معجزہ و کرامت اور | لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معجزہ  
جادو وغیرہ میں فرق کیسے کرینگے | محبت اور جادو وغیرہ کے فرق کو غواص نو  
کہہ سکتے ہیں لیکن عوام جو ان ممکن اسباب

سے بے خبر ہیں وہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جادو گروں میں فرق کیسے کریں گے۔ یہ کوئی  
معجزہ و کرامت و دونوں کی تلا ہوتی صورت تو تقریباً ایک ہی ہوتی ہے۔ اس کا جواب  
یہ ہے کہ جس طرح حقیقت کے اعتبار سے معجزہ اور جادو میں آسمان و زمین کا فرق  
ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور جادو گروں میں ایسے واضح امتیازات  
رکھ دیئے ہیں جن کی وجہ سے لوگ ان کے دھوکہ دینے سے بچ جاتے ہیں۔ اول یہ کہ  
معجزہ و کرامت کا صدور ایسے حضرات سے ہوتا ہے جن کا تقویٰ، صداقت، امانت  
طہارت و پاکیزگی، الطلاق و اعمال ایسے بلند ہوتے ہیں جن کا سب لوگ مشاہدہ کرتے  
ہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام کی تو عالم زندگی اسی طرح آزمائش و امتحانوں کی کسوٹی پر پرکھی گئی تھی  
لہذا صرف دکھاتے ہی نہیں انہیں کرامت و معجزات ہوتی ہیں کسی خاص صفت یا ہنر کو خاص تہذیب میں نہ ملے  
کھنے وغیرہ نامی تاثیرات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

کہ ان کا کوئی شہرہ زندگی ناقص اور قابل اعتراض نہ تھا اور ان کی تمام زندگی میں اخلاق کی جندی مکن ہوں سے مصومیت اور صداقت و کردار کا کمال لوگوں کے اہل ایسا سلم تھا کہ اگر وہ کوئی مجبورہ نہ بھی دیکھتے تب بھی ان کی پیشبرد زندگی جو اللہ تعالیٰ کی جلالت کے تحت گزر رہی تھی اور ان کی تعلیمات عقل و لائق کی روشنی میں ماسی قدر صداقت پر مبنی تھیں کہ وہ راہ حق سے بھٹکی ہوئی قوموں کی ہدایت کے لئے ایک نسخہ کیا اور دنیا و دنیاوی ظلال کا سبب تھا۔ ایک ایسے کے برعکس ہارو کا فرسٹ ایسے لوگوں سے عملاً میں آتا ہے جو عام لوگوں سے زیادہ گندے، ناپاک، اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل اور اس کی عبادت سے دور رہتے ہیں اور ہر جاوگر گندگی اور ناپاکی میں جتنا زیادہ بلند ہوا اس کا جاو و اتنا ہی نریا۔ مگر ہوتا ہے تو ان فرامی حالت میں وہ دوسروں کے لئے کیسے زندگی ٹھوسے کا نمونہ پیش کر سکتا ہے جس کی اپنی زندگی دوسرے انسانوں بلکہ سچوٹا سے زیادہ پست اور گندی ہو۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ مجبورہ کا توڑ و نا کسی بھڑک قدرت سے خارج ہوتا ہے بخلاف مائتھی مصنوعات اور جاو و ظہور کے کہ اور لوگ بھی اسی طریقہ فن و ٹیکر کے سے حاصل کر سکتے ہیں اور اس کا توڑ پیش کر سکتے ہیں۔ کوئی ظالم ہم کو بنا ہے تو دوسرے فن ٹیکر کہ وہ بھی اسی طریقہ یا اس سے ملنے ہم تیار کر لیتا ہے ماسی طرح ایک آدمی نے ریزہ پورا پورا کیا تو ہزاروں لوگوں نے مسرت حاصل کر کے اس سے مل کر ریو تیار کر لیا یہی مل جاو۔ ہینا ٹرم مسریم و غیرہ کا بھی ہے کہ کوئی نہ فن ٹیکر کر یا حال انسانی

---

۱۔ ان میں اتنا اپنے خاص بندوں اپنا طریقہ نظام کی قدرت کے لئے سمجھتے ہیں وہ بعض ہی کو بڑے ایک سطر حقیقت ہے کہ وہ ہے زیادہ روشنی عقل و تسلی و ان کے باوجود وہم کی قدرت کو بڑھتا حق و صداقت کے قبول کرنے کے لئے دلائل سے زیادہ اپنے سرور سے جو مٹا ڈھکتا ہے جو عقل کے حیرانہ نتائج کو محسوس کر کے ان پر ہر ظاہر کر دے کہ وہاں نے ان کے مانتھنی کا یہ عمل چاہتا تھا کہ ان کوئی ایسی طاقت نہ تھی کہ جو کا تاہم انال طاقت سے باہر ہے اور ان کو یہ بھی ہوتا ہے کہ بندہ خدا کو ان تعالیٰ کی اسد ماس ہے ماسی لئے۔ ہر کہ بھی کہتا ہے اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق لکھا ہے۔

کی شق اور اس کے طریقے یکے کر دوسروں کی طرح یا ان سے اعلیٰ کام اور شعبہ بانئیں  
 دیکھ سکتا ہے۔ کیونکہ ان تمام اشیاء کا ظہور اسباب طبعیہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور ان  
 کے اسباب سے اہل فن کو واقفیت ہوتی ہے، اور ہر ایک ماہر فن اپنے صنف یا ہاکمال  
 کو پہچانتا ہے۔ دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں فرعون نے جب اپنے ملک  
 کے تمام اہل ساحروں کو جمع کر دیا تو انہوں نے اپنی لاشیاں و دریاں میدان میں پھینک  
 دیں وہ بڑے بڑے سانپ نظر آنے لگے لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرقہ تعالیٰ  
 کے حکم سے اپنی عصا پھینک دی تو وہ اژدہا بن کر ان کے مدے سانپوں کو نکل گیا اور  
 ان کے سحر کو توڑ دیا یہ واقعہ دیکھ کر جادو گردوں کو ماہرین فن ہونے کی وجہ سے فورا تعجب آ  
 گیا کہ ہاشم ربان کے فنی اور اسباب طبعیہ کے تحت ظہور پذیر ہونے والی چیز نہیں بلکہ  
 خاص اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ ہے خود ہے ساتھ سمجھ سے میں گم گئے اور بجاتے  
 اس طرح کہنے کے کہ ہم نے مان لیا کہ موسیٰ ہم سب سے زیادہ اعلیٰ اور ہاکمال جادو گرد رہنے  
 یوں پکھلا گئے کہ ہم اس رب کو مان گئے جس نے ہمیں ہر کاشیت سے موسیٰ و ہارون علیہما  
 و علیٰ نبینا الشکوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا ہے۔

مجموعہ اور جادو میں ہمارے علماء نے ایک فرقہ یہ بھی بتلوا ہے کہ نبوت کے  
 دوسرے کے ساتھ کسی کا جادو چلتا نہیں، لیکن اگر یہ فخری وجہ نہ بھی ہوتی پھر بھی مذکورہ  
 بالا دو وجوہ ایسی ہیں کہ ہر ایک انسان کے لئے نبی و جادوگر میں فرق کرنے کے لئے کافی و  
 شافی ہیں لیکن یہ بات ایک مسئلہ امر ہے کہ اب تک کسی جادو گرد نے پیغمبر ہونے کا دعویٰ

نہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہماک اور سحر وغیرہ جیسی چیزیں یا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت  
 سے بے نیاز ہو کر خود متصرف ہیں، یہ عقیدہ کو خناس کہہ جاتا ہے کیونکہ تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی مشیت کے  
 تحت ظاہر کر دی ہیں مگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو کوئی چیز بھی نہ ظاہر ہو سکتی ہے اور نہ نقصان بگڑ سکتا  
 تو مقصود یہ ہے کہ انسانی اور مجرد و حسیہ ہر شے سے علو میں آگے ہیں ان کا تصور بھی اسباب طبعیہ  
 کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن فرقہ فرقہ ہے کہ ان کے اسباب ایسے ہیں کہ ان کی نظروں سے پوشیدہ  
 اور اہل فن پر ظاہر ہوتے ہیں



دیکر بتاؤ، کون تم کو روزی دیتا ہے، زمین و آسمان سے، یا کون کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے، اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردے سے اور مردے کو زندہ سے، اور کون ہے جو اس تمام کا خانہ کائنات کی تدبیر و انتظام کرتا ہے، تو آپ جب ان سے پوچھیں گے، تو وہ (صاف، بول) انہیں گے کہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہے سو آپ (ان سے) کہتے پھر ڈرتے نہیں ہو!

بلکہ مشرکین عرب کے متعلق قرآن شائد ہے کہ جب وہ لوگ بھی سفر کرتے اور دریا میں طوفان کی صورت پیدا ہو جاتی تو وہ اپنے سب دیوتاؤں کو بھول جاتے اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے اور اسی سے اپنی امیدیں لگا دیتے ﴿وَإِذَا أَنتَبٰهُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ إِلَّا يَأْتِيَهُ الْخُسُوفُ أَيُّهَا السَّامِيُّ﴾ یعنی جب تم پر دریا میں کشت آتی ہے، جن کو تم پکارتے تھے (سب) بھول جاتے جو تھے اللہ کے۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلُمِ اذْعُوْا اللّٰهُ فَخَلَصْنٰهُ الْكَرِيْمُ﴾ اس آیت (۶۴) یعنی جب ان (مشرکین) کے سر پر سمندر کے موج بادل جیسے آئے تو پھر (خالص اللہ ہی کے لئے بندگی کو خالص کرتے ہیں)۔

بہر حال مشرکین عرب اگرچہ غیر اللہ کی پرستش کرتے تھے مگر یہ بالکل واضح اور یقینی ہے کہ وہ اپنے جھوٹے معبودوں کو خدا یا مثل خدا نہیں سمجھتے تھے، اور اپنے معبودوں کو خدا کی مخلوق و مخلوک مانتے تھے، حضرت عمران بن حبیث سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد سے پوچھا ہے حسین: تم کتنے معبودوں کی پرستش کرتے ہو میرے والد نے جواب دیا سات کی بے طاقی (الذکریٰ و الذیفا فی الشکاء) چھ زمین پر ہیں اور ایک آسمان میں۔ ﴿ثَلَاثَ نَاقِيَتُمْ لَعَلَّكُمْ تَرْغَبُوْنَ وَ رَحْبَتُكَ ثَلَاثُ اَلْوَدْنِ﴾ فی الشکاء: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ اپنی

لہ روایہ الترمذی۔

ذہبت اور خوف کے لئے تم نے کسی کو بڑی رکھا ہے تو انہوں نے جواب دیا  
اسمان والے کو۔

حدیث شریف کی کنہوں میں مشکیں کا وہ تکیہ نقل کیا گیا ہے جو ناز و جاہلیت  
میں حج و عمرہ کے دوران چڑھا ہوا تھا۔ لَبِثْتَ الْبَيْتَ الْبَيْتَ الْبَيْتَ الْبَيْتَ الْبَيْتَ  
غیر یثا لکھنا اَلَا شَرُّ لِبَاسٍ لِّكَافِرٍ لِّمَا كُنْتَ تُكَلِّمُكَ وَ مَا مَلَكَكَ اَللّٰهُ مِنْ تَبَرُّيْ اِبْرٰهِيْمَ  
میں ماخذ ہوا آپ کا کوئی شریک نہیں مگر وہ جو آپ کی ملکیت میں ہیں آپ ہی ان  
کے مالک ہیں اور وہ خود کسی چیز کے مالک نہیں۔

الفرغ من مشرکین یہ مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کائنات اور اس کی ذات  
میں کوئی دوسرا شریک نہیں محبت اور خوف کا تسلسل بھی اسی خدا سے واحد ال  
آسمانی سے رکھتے تھے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات اور اسباب سے  
بلا تراخل و اشیا میں دوسروں کو بھی شریک کرتے تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے  
کہ اللہ کے قریب ہونے کی وجہ سے جنوں کو بھی بعض نعمیات حاصل ہیں جب  
چاہیں بناؤ یا بگاڑ کر سکتے ہیں اور اسی بنیاد پر ان کو خوش کرنے کے لئے ان کی  
پوجا کرتے تھے۔ عبادت والے اعمال یعنی سجدہ و طواف کرتے اور اپنے بتوں  
کے نام ندریں اور غتیں مانتے تھے، ان سے اپنی حاجتیں اور درویشی مانگتے تھے  
انہی غلط و باطل عقائد اور اعمال نے انہیں گمراہ کر کے جہنم کے راستہ پر ڈال دیا تھا۔  
پھر ان میں بعض اتنے احمق تھے کہ اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھر  
کے بتوں اور صورتوں سے اپنی حاجتیں طلب کرتے اور ان کو عبادت، محبت  
اور تعظیم میں اللہ کے برابر قرار دیتے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد  
باری تعالیٰ ہے۔ اَلْقَبْذُ ذُوْنَ مَا تَسْتَعِشُّوْنَ رَاٰنَا ذٰلِكَ اٰیٰتِ ۱۵ اِیْمٰنِ کِیَا تَمْتَرِیْنَ  
کی پرستش کرنے ہو جن کو تم نے اپنے ہاتھوں سے تراشا اور بنایا ہے۔

بعض مشرک اتنے بے وقوف تو نہیں تھے کہ پتھر کی صورتوں کی عبادت کرتے  
لیکن وہ کچھ حقیقی یا فرضی بزرگ روجوں اور روحانی ہستیوں کو نفع و ضرر کا مالک اور

اپنا حاجت روا تسلیم کرتے تھے عبادت وہ لوگ درحقیقت ان بزرگ ہستیوں کی کرتے تھے لیکن جنوں کو ان کی جلوہ گاہ یا نشانیاں سمجھتے تھے۔ ایسے لوگوں کو انکھ کیا گیا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ جُنَادٌ آمِنٌ اَللّٰهُ مِنْتُمْ  
ہے شک وہ جن کو تم پوجتے ہو وہ تمہاری ہی طرح ہمارے بندے ہیں۔

دوسری جگہ فرمان ربانی ہے۔ اَوَلَيْسَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَسَّ مَوْتَ اِلٰى رَبِّهِمْ اَلْوَسِيْلَةَ اَيْتَمُوْا اَلْوَيْتٌ وَ يَزْنُوْنَ زَنٰحَةً ۚ وَيَخْلُقُوْنَ عَلٰٓفًا  
ایسا سرائیلی آیت ۵۰، وہ لوگ جن کو یہ (شُرک) لوگ پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب تک (قرب) کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ کون سا راستہ اللہ تعالیٰ تک رسائی کے لئے، زیادہ نزدیک ہے اور اس کی مہربانی کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

مخلوق خدا کی کثیر تعداد اسی طرح سے گمراہ ہو کر تباہ ہوئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خاص و مقرب بندوں اور مقبول بزرگوں کی سورتیاں بنا کر ان کی عبادت میں لگ گئے۔ انسانیت کی پوری تاریخ پر اسی مسلک مرض کے بد نشان موجود ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آج تک اکثر اقوام عالم اسی طرح گمراہ ہو کر زنجیر کا بندھی بن گئیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے محبوب و منتخب بندے جو شرک کی بیخ کنی اور توحید کی اشاعت کے لئے مبعوث ہوئے تھے، جنہوں نے دنیا کو توحید کا درس دیا۔ توحید کی تبلیغ کے لئے سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کیں، آبرو سے بچے گئے، آگ میں ڈالے گئے لیکن اُن تک نہ کی، اور ہر حال میں اپنا فرض ادا کیا۔ مخلوق خدا کو شرک سے باز رکھنے کے لئے پوری پوری کوشش کرتے رہے، انہی بندگان خدا کو بعد میں آنے والے جاہلوں نے خدا کا شریک ٹھہرایا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام صدیقین، شہداء اور صالحین کے بت بنا کر ان کی عبادت کرنے لگے۔

شرک فی العبادات پر تفصیلی بحث | عبادت کی حقیقت، اللہ تعالیٰ نے بعض عقلی کام اپنے لئے خاص کر کے



مقرر فرماتے ہیں۔ جیسے نماز، روزہ، نذر اور منّت وغیرہ۔ ایسے اعمال کو عبادات اور قربات کہتے ہیں۔ عبادت شریعت کی اصطلاح میں کسی ہستی کو فیضی طور پر نفع و نقصان کا مالک اور ماحبت مدعا سمجھ کر اسے راضی اور خوش کرنے اور اس کا تقرب حاصل کرنے کے لئے انتہائی محبت اور تعلیم کے ساتھ اس کے سامنے بے حد و شدید ترین ناشد وجہ عاجزی اور انکسار کے اظہار کو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کے سوا کوئی ایسی ہستی یا چیز نہیں جس کی عبادت شرعاً یا عقلاً درست ہو۔

شرک فی العبادات، شرک کی وہ قسم ہے جس میں انسان زیادہ بتلا رہے ہیں عام طور پر رکوع و سجدہ، نذر و منّت اور قربانی جیسی عبادات میں اللہ کے ساتھ اوروں کو بھی شرک محض راگیا۔

غیر اللہ کو سجدہ حرام ہے | مسجد صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ خالق کون؟ مکان کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ کرنا حرام ہے خواہ وہ عبادت کی نیت سے ہو یا محض تعلیم و تحریم کی نیت سے۔ دونوں صورتیں باجہلج است حرام اور ممنوع ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جو عبادت کی نیت سے غیر اللہ کو سجدہ کرے گا وہ تو کافر ہو جائے گا اور جس نے محض تعلیم کے لئے سجدہ کیا، اکثر علماء کے نزدیک اسے کافر تو نہیں کہا جائے گا لیکن مذکلب حرام کا مجرم فاسق کفر اور شرک کے قریب ہوا۔

قرآن مجید میں شاد ہے۔ لَا تَسْجُدْ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدْ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ۔ سجدہ نہ کری سورج کو اور نہ چاند کو، اور سجدہ کرو اللہ کو جس نے ان کو بنایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ مروی ہے۔ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم ساجری و انصار کی ایک جماعت کے ساتھ تھے کہ ایک اونٹ نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے حکم سے، بطور مجزہ، سجدہ کیا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو درخت اور جانور سجدہ کرتے ہیں، ہم تو

لیا وہ مقدار میں کتاب کو سجدہ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنے رونگٹا کی عبادت کرو اور اپنے صحابی کی فقط تعظیم کرو۔ اگر میں کسی کو اجازت دیتا کرونگی کسی کو سجدہ کرے تو صورت کو مکمل دیتا کرو وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے (مشکوٰۃ باب شریف)، اسی طرح تیس بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حیرہ (اطراف کو ذرا کے لوگوں کو دیکھا کروہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حیرہ والے اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو زیادہ لائق ہیں کتاب کو سجدہ کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میری قبر پر تیار اگر ہو تو کیا تم میری قبر کو سجدہ کرو گے، تیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں: آپ نے فرمایا۔

لَا تَقْعُدُوا الْقُبُورَ كُنْتُمْ أُمَّمٌ أَخَذَ أَنَّ يَسْجُدَ بِحَدِّهَا مَوْتٌ أَوْ نَسَا أَتَتْ  
يَسْجُدُ نَازِلًا وَجِهَتْ جَنَّةُ اللَّهِ لَهَا عُلَيْيَةُ مِنْ حَتَّى جَاءَ دَاوُدَ كُ سَجْدَةً مَكْرُورًا  
اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو صورتوں کو مکمل دیتا کروہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں  
کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر مردوں کا حق مقرر کیا ہے۔ اسی روایت کو امام احمد  
نے بھی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ ان احادیث شریف سے  
ثابت ہوتا ہے کہ سجدہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس کے سوا کسی اور  
کے آگے سر رکھنا ممنوع ہے۔ سجدہ عبادت تو اللہ کے سوا کسی اور کے لئے کسی  
بھی شریعت اور امت میں مطلق نہیں رہا، البتہ تعظیمی سجدہ قدیم شریعتوں میں ملتا  
تھا لیکن شریعت اسلامی میں غیر خدا کے لئے حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی  
بالاتفاق سجدہ تعظیمی ممنوع اور حرام ہے۔

سجدہ تعظیمی والتحریر کے بارے میں حلالہ کی آراء۔ | سجدہ تعظیمی اور سجدہ تحیہ  
پر اہل اہل سنت میں ایک  
منفصل بحث ہے جس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

امام ابو بکر جصاص حنفی اپنی کتاب احکام القرآن میں فرماتے ہیں کہ سجدہ تعظیمی

حضرت آدم علیہ السلام کے لئے بحکم الہی باری کیا گیا تھا اور سب سے پہلے اُن کے لئے مشروع ہوا، پھر اُن کی امت میں بھی مشروع رہا سچا اور غالباً یہ سجدۂ تعظیص کی مشروعیت برابر باقی رہی یہاں تک کہ یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں بھی ان کے بھائیوں نے ان کو سجدہ کیا۔ اور اس زمانہ میں سجدہ غایت تعظیم کیلئے کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ ہادی شریعت میں معائنۃ تعظیصا مشروع ہے۔ اسی طرح حکمت بوسی بھی بعض علما کے نزدیک بلکہ ارباب مشرّع اور بعض مکروہ فرماتے ہیں مگر سجدہ کو مشروع شریعت نے کبھی کسی حالت میں کسی ذمت کے لئے حاکم نہیں کیا اور نہ ہو سکتا ہے۔ اور سجدہ تعظیص کی مطلقاً ممانعت احادیث صحیحہ اور صحیحہ سے قطعی طور پر ثابت ہے۔

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں

”اگر یہ سجدہ تعظیص ان چیزوں کو کیا جاوے جن کو سجدہ کرنا خاص کفر کی علامت اور کفار کا شعار ہے جیسے بخت یا پھل کا درخت یا گنگا جنا یا پاند سورج وغیرہ تو یہ سجدہ تعظیص میں ایماح امت اور اتفاق علماء کفر و شک ہے۔ اس کا کلمہ و کلام کافر متد ہے اگرچہ اس کا مرتکب نیت عبادت کی نہ رکھتا ہو۔ کیونکہ شریعت کے احکام ظاہر عمل سے متعلق ہیں نہ نیات سے۔ البتہ ممکن ہے وہ عند اللہ سبجائز مومن ہو۔ مگر احکام دین کے لحاظ سے اس کا مرتکب کافر شمار ہوگا۔ اور اس کی دلیل یہ ہے۔ علامہ امین ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب الاعلام بقواطع الاسلام میں شرح المواقف سے نقل فرماتے ہیں جو کوئی اگر یہی کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیص کو تسلیم کرے اور اس پر ایمان لائے اور باہر آج کو سجدہ کرے تو وہ بالاجماع مومن نہیں ہے اس لئے کہ شمس کو سجدہ کرنے سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ مومن نہیں اور وہ ایسی حرکت جو بظاہر کفر ہے اختیار نہ کرتا، اور ہمارے اُن حکم اعتبار ظاہر کے ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کے مومن نہ ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہاں اگر ہم کو یہ امر متفق ہو جائے کہ وہ سجدہ عبادت کے خیال سے نہیں کرتا اور اس کا اعتقاد یہ نہیں کہ آفتاب

اس کا رہ ہے اور اس کا دل ایمان سے بھر پور ہے تو دیانتہ اس کو کافر نہیں کہا جائے گا، لیکن تضاد اس کو کافر کہیں گے۔ اور تمام معاملات اس کے ساتھ وہی کئے جائیں گے جو کفار کے ساتھ کئے جاتے ہیں۔ نیز کتاب الزواج مصنف ابن حجر میں ہے کہ جو شخص کوئی ایسا کام کرے کہ جو سوائے کافر کے کسی دوسرے سے صادر نہیں ہو سکتا تو وہ شخص کافر کہلے گا یعنی تضاد ذکر دیانتہ اگرچہ وہ اعلان یا پناہ اسلام کو ظاہر کرے ہو۔ جیسے یہودیوں کے کفر میں یہود کے ساتھ ان کے طریقے پر زنا و طہ و چمن کر جانا۔

ماہل کلام یہ کہ خدا کے غیر کو سجدہ کرنا عبادت کی نیت و ارادہ سے یا نہی نیت کی نیت سے کہ یہ مسلم ہو کہ عبادت کے طور پر سجدہ کر رہا ہے اگرچہ وہ نیت عبادت کا منکر ہو تب بھی اس کا مرتکب بالاحکام کافر ہے۔

**سجدہ تعظیم کی دوسری صورت** | اور سراسر سجدہ التحیر وہ ہے جس میں قصہ غیر اللہ کی عبادت کا نہ ہو اور سجدہ بھی ان اشیاء کی طرف نہ ہو جن کو کفار سجدہ کیا کرتے ہیں۔ اور جن کی طرف سجدہ کرنا شمار کافروں کا سمجھا جاتا ہے۔ اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ بھی کفر ہے اور بعض نے اس کا انکار کیا لیکن اس پر اتفاق ہے کہ یہ حرام قطعی اور گناہ کبیرہ ہے اور اس کا مرتکب قریب با کفر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ رد المحتار میں امام زلفی سے منقول ہے ماں سجدہ کی وجہ سے کافر نہ ہو گا کیونکہ اس کی نیت عبادت کی نہیں بلکہ تعظیم و تحیر متصور ہے۔ اور امام شمس الانور سیستانی میں فرماتے ہیں کہ اس سجدہ کی وجہ سے کفر ہو جاتا ہے کیونکہ غیر اللہ کو سجدہ یا نیت تعظیم کرنا کفر ہے اور فساد فی الدین ہے۔ اور فقیر ابو جعفر فرماتے ہیں کہ جو سلطان اور بادشاہ کو سجدہ عبادت کی نیت اور عبادت سمجھ کر کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے اسی طرح وہ شخص جس نے سجدہ کیا خواہ اس وقت کوئی نیت نہ کی ہو یا یہ قول ہو کہ غلطی میں منقول ہے،

عالمگیر فی کتاب الکرار بہت میں لکھا ہے کہ جو بادشاہ کو سجدہ بہ نیت تعظیم کرے اور زمین کو بادشاہ کے سامنے چمٹے کافر نہیں ہوتا مگر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے اور یہی قول منہی ہے۔

جو لوگ کہ سجدہ بغیر اللہ کو مطلقاً کفر کہتے ہیں تو اس میں ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ جیسے سجدہ آفتاب اور رجت وغیرہ کو کرنا کفر ہے اسی طرح اپنے آباء و مشائخ کو مخلوقات میں سے اور اولیاء اللہ کے مزارات کو سجدہ کرنا کفر ہے اسی طرح خواہ کسی نیت و ارادہ سے ہو یا اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ آباء و مشائخ کے لئے سجدہ کرنا پہلی امتوں کے لئے جائز تھا جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے سجدہ کیا تو چونکہ یہ امر مسلم ہے کہ کفر اور اس کے انحال کی اجازت کبھی کسی مذہب سادہ میں نہیں ہوتی، لہذا آباء و مشائخ عظام کو سجدہ بطور تعظیم کے کرنا مکمل و مشابہ سجدہ آفتاب و رجت کے نہیں۔ کیونکہ آفتاب و رجت و غیرہ جن کو سجدہ کرنا کفار کا شعار ہے ان کی تعظیم کا امر بے ثبوت، ام اسلامیہ اور مل حقہ اور ایمان سادہ میں کیسے ہی نہیں۔

الغرض چونکہ سجدہ تعظیمی آباء و مشائخ عظام کے لئے ہم سے پہلے شریعتوں میں مشروع تھا اگرچہ ہماری امت کے لئے حرام قطعی ہو گیا مگر حلال سابق کی بنا پر اس کا فعل کفر ہونا مستحب ہو گیا۔ اور یہ اصول مسلم ہے کہ اگر کوئی شبہ کسی کے کافر ہونے میں واقع ہو جائے تو اس پر حکم کفر ہونا جاری نہیں کیا جائے گا لہذا جو آباء و مشائخ کو سجدہ تعظیمی کرے اس پر حکم کفر نہیں لگایا جائے گا، اگرچہ وہ شخص کافر ہونے کے قریب ہو جائے اسے اگر باب ۱۲ ص ۱۲۲

دین اسلام کی شرک سے حفاظت | جمال الشریاک نے اس امت پر جو کفر فرماتیں اور کثرت غیرت فرما کر اس امت کی شان کو دو بالا کیا ہے اسی طرح اس امت کے ساتھ نہایت رحمت کا معاملہ فرمایا ہے اور اس امت پر ایسے کچھ کم آنزل کئے

ہیں جس سے کرامت کی گمراہی سے مکمل حفاظت ہو۔ اور جب کسی چیز کو منسوخ کرنا منظور ہوا تو اس شے کے لوازمات اور وہ تمام چیزیں حرام کر دی گئیں جو اس شے تک پہنچنے کا ذریعہ ہو سکتی تھیں مثلاً زنا کو حرام کیا تو اس کے ساتھ ہی اس حرام فعل کی طرف دعوت دینے والی اشیاء کو بھی ناجائز قرار دیا۔ بھت پرستی حرام کی گئی تو ساتھ ہی بانہار کی تصویر بنانا اور رکنا، یہاں تک کہ دیکھنا بھی ناجائز قرار دیا گیا۔ اور چونکہ آنا بے رست لوگ سورج کو صبح شام پوجتے تھے لہذا سورج کے نکلنے کے وقت فجر کی نماز اور صبح کے ڈھبے وقت عصر کی نماز کو منسوخ قرار دیا۔ بعض اس وجہ سے گماندہ کہیں لوگ یہ خیال نہ کرنے لگیں کہ نمازیں سورج کی تعظیم کے لئے ہیں اور شرک کی برائی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

بلکہ ہماری روشنی شریعت میں اس کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ الفاظ میں بھی اہل شرک سے ادنیٰ سی مشابہت پیدا نہ ہوتا کہ کبھی محصورانہ کے بعد یہ شرک کا سبب نہ بن جائے۔ اور سہلی امتوں کی طرح یہ امت بھی ظلم نہ ہو جائے چنانچہ فرمایا کہ ظلم اپنے آقا کو زیادہ، بے فکر کر نہ پکارے، اور آقا کو کسی روک دیا گیا کہ اپنے ظلم کو یا بعدی بے فکر کر آواز نہ دے۔

ان احکام ہی کی برکت سے یہ امت مجبوراً وجودِ دیگر اپنی عمر کی پورہ ہی سہی ختم کر چکی ہے مگر دین میں زیادتی و نقصان اور شرک و کفر میں بفضلِ تعالیٰ ایسی مبتلا نہیں ہوئی جیسے پہلی امتیں ماحادثہ کے وعدے کے مطابق جبرِ مخالفت میں درجہ کی۔ اِنَّا نَحْنُ قَوَّلُا اِلَیْہِمْ وَاِنَّا لَکَ لَخَفِیظُونَ۔

مکمل حفاظت کی یہ نعمت اس امانت والی امت ہی کے لئے مخصوص ہے پہلی امتوں میں یہ نعمت احکام کے اعتبار سے کمال کی مدد تک نہیں تھی۔ علومِ تجزیہ کی طرف دعوت دینے والی اشیاء حرام و حلال تھیں۔ چنانچہ ان کے لئے ناشیل اور تصاویر کا استعمال مباح تھا۔ انہوں نے اس میں زیادتی کی اور ہر نامور انسان کی تصویر کی تعظیم اور عبادت کرنے لگے۔ یہاں تک کہ کفر و شرک میں مبتلا ہو گئے۔ اس کے علاوہ

بھی ہزار ہا مثالیں اس کی موجود ہیں۔

الغرض اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ تحقیق اور حقیقہ مجددہ تعظیمی کے بارے میں یہ ہے کہ تعظیمی مجددہ فی نفسہ کفر و شرک نہیں ہے۔ اسی وجہ سے پہلی امتوں میں باترتسا، البتہ کفر و شرک کا ذریعہ ضرور ہے اور صورت میں بھی کفر کا فعل ہے اور اسی وجہ سے یہ مجددہ تعظیمی پہلی امتوں میں اور پہلے زمانے میں شرک کا ذریعہ بن گیا تھا۔ اور وہ لوگ اس کی وجہ سے کفر میں مبتلا ہو گئے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ دنیا میں عذاب الہی میں گرفتار ہوئے اور کثرت میں ہمیشہ کے عذاب کے مستحق ہوئے۔ پس خداوند قدوس کی بے پایاں رحمت اور لطف و کرم کا تقاضا ہوا کہ اس بہترین امت پر انعام کیا جائے اور جاہلیت کو ہمیشہ باقی رکھنے اور نگہ رازی سے نہایت کے لئے یہ مناسب ہے کہ کفر و شرک کے ذریعوں کو بھی ناجائز اور ممنوع قرار دیا جائے۔ مگر یہ کسی ذریعہ کا کفر و شرک کے ساتھ دور کا تعلق ہو۔ اسی وجہ سے تعظیمی مجددہ کا ہواز ممنوع ہو گیا اور امت مجددہ علی اللہ علیہ سلم کے لئے مجددہ تعظیم کو ہمیشہ کے لئے ممنوع قرار دیا گیا۔

الغرض میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے۔ مَا يَنْتَفِي بِبَشَرٍ أَنْ تَكْفُرَ بِبَشَرٍ وَلَوْ صَلَّاهُ بِبَشَرٍ أَنْ يَتَّبِعَهُ بِبَشَرٍ لَا مَرُوثَ الْمَرَاةِ أَنْ تَكْفُرَ لِقَوْلِهِمْ حَقُّهُ عَلَيْهِمَا۔

اور جو حدیث دس صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہو وہ موافق قول راجح و متواتر تھا تر ہے۔ لہذا یہ حدیث بھی اعلیٰ درجہ کی متواتر حدیث ہو گئی۔ اگر کوئی اسے متواتر تسلیم نہ کرے تو مشہور ہونے کا منکر نہیں ہو سکتا۔ اور مشہور حدیث سے قدرت کر کے کالج جاکر ہے جیسا کہ کتب اصول میں وضاحت کی گئی ہے۔

طاہرہ انزلی ابھار امت یہی ہے کہ مجددہ تعظیمی حرام ہے اور کسی امام یا مجتہد یا فقیہ کا زمانہ سلف اور خلف میں اس بارے میں اختلاف مذکور نہیں بلکہ ابھار تاک

لحاظ حدیث شریفین کے الفاظ اور ترجمہ پہلے ملاحظہ فرمائیے۔

اس کی مرمت ہر ہے۔

**مسجد بیت اللہ** | اس اسی اصول کے مطابق بیت اللہ شریف کو بھی سجدہ کرنا  
 کفر ہے۔ درختار میں ہے **لَوْ سَجَدُوا لِلْكَعْبَةِ لَكُنْتُمْ أَكْفَرًا**  
 یعنی اگر کعبہ ہی کو سجدہ کیا تو کافر ہو جائے گا۔

علامہ ابن عابدین المعروف بابا شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: یعنی اگر  
 سجدہ اللہ کو جو اور کعبہ کی طرف منہ ہو، اس کا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور نہ ان  
**الْمُشْرِكُونَ لِلْكَعْبَةِ كُفْرًا**۔ یعنی اگر کعبہ ہی کو سجدہ کیا تو یہ کفر ہے۔  
 (شامی جلد اول کتاب الصلوٰۃ)

اب جب کہ بیت اللہ شریف کے لئے سجدہ ہمارے لیے اور محبوب و ماحبت  
 محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک قبر کے لئے سجدے کی ممانعت نہیں تو کسی اور کی قبر  
 کے لئے تو سجدہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ سجدہ یا رکوع تو بہت بڑی بات ہے  
 ایک انسان کو دوسرے انسان کے سامنے جھکنے کی عبادت بھی نہیں دی گئی حال  
 شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **فِي الزَّاهِدِ فِي الْأَنْفُسِ فِي السَّلَامَةِ إِلَى قَرِيبٍ مِّنَ الْقَبْرِ**  
 یعنی سلام کرتے وقت رکوع کے قریب جھک جانا سجدے کی طرح ہے۔

اور فاروقی حاکمیری میں ہے: **أَلَا نَحْنُ أَلْبَسُ لَطَانٍ أَوْ لَغِينٍ مِّمَّنْ تَوَدُّ**  
**إِلَيْنَا نَحْنُ نَفْعَلُ لَكُمْ كَذًا فِي سِتْرٍ هَرٍ لَتُظْلَمُوا فَيَكُونُ كَالَّذِي نَحْنُ نَعْمَلُ**  
**السَّحِيحُ وَدَيْمٌ قَدْ خَالَفَ كَذًا لِيَشْرُو تَارِيخُ م ۵۶۳۴**، یعنی بادشاہ وغیرہ  
 کے لئے بھی جھکا مکروہ ہے کیونکہ یہ مجرموں کے فعل سے مشابہت رکھتا ہے  
 جیسا کہ ہم اسے اظہامی میں ہے کہ سلام کے وقت جھکا مکروہ ہے اور اس پر منع  
 وارد ہوتی ہے۔

**زیارت قبور** | بلاشبہ زیارت قبور جائز ہے بلکہ مستحب ہے کیونکہ ان کی زیارت  
 حاصل کرتا ہے احافرت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ دل نرم ہو  
 جاتے ہیں۔ لیکن قبر والے ہی سے کوئی چیز طلب کرنا یا قبر کی طرف دُعا کر کے نذر



چرنا، قبر کو ہاتھ وغیرہ لگا کر اپنے بدن پر ملنا، قبر کو بوسہ دینا اور اس کا طواف کرنا غیر  
 افعال شریعت اسلامی میں ناجائز اور منوع ہیں۔ علماء حضرات کا فرض ہے کہ جب  
 توفیق عوام کو زیارت کرنے کا صحیح طریقہ بتلائیں، ذیہ کہ جو کوئی بھی کہیں زیارت کے  
 لئے جاتے اس پر کفر و شرک کے فتوے لگائیں۔ البتہ ناہموار جگہ پر علم لوگوں کو  
 بے مدار مہوڑ دینا بھی ظلم ہے کہ جو ان کے جی میں آئے کرنے لگیں اور بعض قبروں  
 کو اللہ کے سوا شکل کشا اور عبادت دواسمجہ کر سجدے کرنے لگیں اور شرک میں  
 مبتلا ہو جائیں، جیسا کہ مشرکین عرب کو تھے۔ وہ لوگ بعض ہستیوں کے خالق  
 یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اگرچہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں لیکن ان کا اللہ تعالیٰ سے ایسا  
 تعلق ہے اور اس کے کلاما ذہ قدرت میں ایسا مل و دخل ہے کہ عوام کی تکلیفیں  
 دور کر سکتے ہیں، دولت، عزت، صحت اور اولاد جیسی چیزیں دے سکتے ہیں پس  
 ان کو خوش کرنے کے لئے ان کی عبادت اور پرستش کیا کرتے اور ان سے منی مانگیں  
 پوری کرنے کی درخواستیں کرتے، قرآن پاک نے ان کے اسی عقیدہ کو شرک قرار دیا  
 اللہ ذکر سے کہ جسے سادہ لوح عوام ایسے خرافات میں مبتلا ہو جاتیں پھر تو مشرک  
 عرب اور ان کے عقیدے میں کوئی فرق باقی نہ رہے گا اور تیجہ دنیا و آخرت کی تباہی اور  
 نقصان کے سوا اور کیا ہو گا! انہم لہو ذلک من ذلک،

**غیر اللہ کے لئے نذر** | اندر ملکات اور قربانی عبادت میں سے ہیں۔ اور اسی  
 لئے خاص اللہ ہی کا حق ہیں، اللہ کے سوا کسی کے نام پر

نذر یا منت کا ماننا حرام اور ناجائز ہے۔ وہی غیر اللہ کے نام پر ذبح یا قربانی  
 کرنا جائز ہے۔ اس قسم کے سارے افعال مشرکانہ اور باطل ہیں۔ چنانچہ علامہ صفحہ  
 صفحہ ۳۷۱ میں ہے۔ اَلَّذِیْ لَفِیْہِیْ اللّٰہُ حَرَامٌ وَّ لَا یَجِزُ اَنْ یُّدْعَ بِاَلْکُفْرِ وَّ لَا  
 ہَذَا یُؤَادُّ اَوْ اَلْعِبَادَۃَ لَفِیْہِیْ اللّٰہُ کُفْرٌ غَیْرِ اللّٰہِ کے لئے تدرع حرام ہے۔ کیونکہ یہ کفر  
 کی ایک قسم ہے۔ وہ اس طرح کہ نہ ایک عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت  
 نہ ہے۔

بحر الرائق اور رد المحتار میں ہے وَ الشَّذَرُ لِلْمَخْلُوقِ لَا يَجُوزُ أَنْ يَنْفَعِيَهُ  
وَالْبَيَاضُ لَا يَكُونُ لِلْمَخْلُوقِ دُمًا بِمَنْزِلَةِ الْمَسْمُومِ، یعنی مخلوق کے نام پر خنزیر کا  
بانتز نہیں، کیونکہ خنزیر جلات ہے اور جلات مخلوق کے لئے نہیں ہو سکتی۔

غیر اللہ کے نام ذبح قرآن مجید میں پانچ مقامات پر طیر خنزیر کے نام ذبح کو حرام  
فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے: إِنَّمَا حَرَّمَ ذِكْرُ  
الْبَيْتَةِ وَالْأَنْدَامِ وَلَمْ يَحْطِ الْخَنَازِيرُ وَمَا أَهْلُ بَيْتِ الْبَيْتِ  
اللہ تعالیٰ نے تم پر صرف حرام کیا ہے مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جس پر  
غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صحیفہ میں درج تھا لَنْ يَكُنَ اللَّهُ مِنْ ذِي الْخَنَازِيرِ  
اور - لا اللہ کی نعمت ہو اس پر جو غیر اللہ کی نیت سے جانور ذبح کرے۔

شرعیات کے اس بارے میں اتنی احتیاط برتی ہے کہ جانور کو ضیافت اور  
سماں نوازی کے علاوہ صرف کسی حاکم اعلیٰ کے سامنے اس کی تسلیم کے طور پر ذبح  
کرنے کو حرام قرار دیا ہے اور اس کے کمانے کو ناہائز بتایا ہے۔ دیکھتے ہیں (الرمز ۱۳۳)  
رد المحتار المجمع الاضطرافا فی ہرنی، زاجری اور بحر الرائق وغیرہ میں یہ مسئلہ صاف اور  
تفصیل سے موجود ہے۔

سماں کے لئے جانور ذبح کرنے میں کوئی اشکال دیا نہیں، نہیں کیونکہ بحریاں صرف  
سماں کی عزت اور تحکیم مراد ہوتی ہے، محض خون بہانا مقصود نہیں ہوتا، اسی طرح  
قصاب کا جانور ذبح کرنا گوشت حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے فقط خون بہانا  
مقصود نہیں ہوتا، جب کہ حاکم اعلیٰ وغیرہ کے لئے خون بہانا اصل مقصد ہوتا ہے  
اور گوشت کا درجہ دوسرا ہوتا ہے، اسی لئے اس کی تسلیم کی خاطر اس کے سامنے  
جانور کو ذبح کیا جاتا ہے۔

اب یہ قاعدہ واضح ہو گیا کہ جہاں خون بہانا اصل ہو اور گوشت کا حاصل کرنا  
دوسرے درجہ میں ہو تو وہاں غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا حرام ہے، اور اگر گوشت کا

وصول اسل ہو جس کے لئے خون بہا، امننا ہو تو یہ جائز اور درست ہے۔  
 ناجائز یا مشتبہ رسم اس قاعدہ سے بھی معلوم ہوا کہ چاہے اس جو رسم در طرح  
 کافی مدت سے چلے آ رہا ہے میں کو کسی سے معذرت اور  
 معافی مانگنے یا کسی سے امداد و نصرت طلب کرنے کی خاطر اس کے گھر کوئی جانور بچرا  
 وغیرہ لے جاتے ہیں اور اسے اپنے ہاتھوں اس کی چوکٹ یا گھر میں ذبح کرتے ہیں  
 تو ایسی مذہب کو اگر حرام بھی کہا جائے کم از کم مشتبہ تو ضرور ہے۔ لیکن اب سوال یہ ہے  
 کہ بچرہ اپنے ساتھ بیسیوں شرعاً اور دوسرے لوگوں کو جو جگہ کے طور پر معلوم اور مجرب  
 کے گھر لے جاتے ہیں تو ان سب کی معافی اور ان کے لئے تکلف کرنے کا بار مظلوم  
 مجربوں کے سر کیوں تنویر دیا جائے۔

اس شکل کا آسان حل یہ ہے کہ مظلوم اور مجرب کو کوئی جانور بچرا وغیرہ حدیث  
 پیش کیا جائے اور مجرب اور جگہ والے اس کے ذبح کرنے کے تکلف کی بجائے مظلوم  
 فریق کے سوا بد پر چھوڑ دیں، غرض کہ اس کو اپنے پاس رکھے یا غنی مسلمانوں کی تحریم  
 اور ان کو کھانے کے لئے ذبح کر ڈالے تو ایسی صورت میں مذہب پر بلاشبہ حلال ہو جائیگا  
**الصلیٰ ثواب** اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے نام پر اور اللہ ہی کی رضا اور خوشنودی کے لئے  
 عبادت کرے یا نوازل پڑھے، صدقہ و خیرات یا قربانی کرے اس  
 کا ثواب اپنے خیرات، اساتذہ یا مشائخ کو بخش دے، یہ جائز ہے، ان کو یہ ثواب  
 پہنچ جاتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی اللہ کے نام پر نذرانے مثلاً یوں کے کارگر میرا فلاں کام ہو گیا تو  
**نذر** میں اللہ تعالیٰ کے نام پر نذر کرے تو اتنی چیزوں کا اجر لیکر دیے مسکین ہو تو  
 اسی طرح اگر کوئی کہے کارگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں اللہ تعالیٰ کے نام پر اتنی رقم یا فلاں چیزوں کا  
 شیخ یا بزرگ یا فائزہ یا دوسرے وغیرہ کے فقراء پر تقسیم کھلاں گا اس کا ثواب بھی شیخ یا بزرگ کو بخش دے  
 کا تو یہ بھی جائز ہے۔ البتہ اگر کام پورا ہو جانے کے بعد وہ اس شیخ یا فقراء کے بجائے دوسرے  
 فقراء پر تقسیم کرے تو اس کی نذر پوری ہو گئی اور اس کا ثواب اس شیخ یا بزرگ کے لئے ختم

نذر بھی جائز ہے۔ بلکہ اگر جس شے کی نذر مان لی گئی ہے وہ اس مخصوص آدمی (نذیر) کو نہ بھی دیں، دوسرے فقراء کو دے دیں، تو بھی جائز ہے، فقہاء کے اقوال میں تفصیل واضح طور پر موجود ہے۔

---

## باب دوم

# دست‌بوسی

## باب دوم

**دست بوسی یعنی ہاتھ چومنا** | کسی اللہ والے عالم یا زاہد کے ہاتھ پاؤں چومنے  
 بعض کے نزدیک جائز بلکہ مستحسن ہے جب کہ بعض کے نزدیک مگر چہ فی نفسہ جائز  
 ہے لیکن بعض برائیوں کو روکنے کی خاطر منع فرماتے ہیں، وہ دوسریوں سے استدلال  
 کرتے ہیں، ایک تو وہ جیسے ابن شہر داہی ماہر وغیرہ نے نقل کیا ہے دوسری جامع  
 ترمذی کی روایت ہے۔

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 الرَّجُلُ يَتَأَيَّدُ بِأَخَاهُ أَوْ صَدِيقٍ أَيْتَحَنُّ لَهُ أَمَّا لَا، ثَلَاثٌ تَسِيلُنَّ مَاءَ دِمَائِهِ  
 قَالَ لَا، ثَلَاثٌ فَيَا خُذْ بِسِدِّمٍ وَيُصَافِحُهُ، قَالَ لَا، هَذَا أَحَدٌ مِنْ حَسَبِ  
 (الترمذی ۲۴) ابواب الادب، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص  
 نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی شخص اپنے چائے  
 یا دوست سے ملے اور رتھیل، بچکے، آپ نے فرمایا نہیں دو بارہ سوال کہہ کے، کہا  
 کہ اسے گلے لگائے اور بوسہ دے، فرمایا نہیں۔ انہوں نے تیسری بار کہا اس کا  
 ہاتھ پکڑے اور مصافحہ کرے، فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاں:

**امادیرث وائثار سے جواز دست بوسی** | لیکن بعض صحیح احادیث اور آثار  
 اس کا جواز بلکہ بعض اوقات مستحب ہونا بھی ثابت ہے۔ چند احادیث و آثار کو  
 پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ ترمذی میں حضرت زبیر بن عوف رضی اللہ عنہ کے عریضہ منورہ میں آنے کی روایت  
 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔ حدیث کے آخر میں وہ فرماتی ہیں کہ انا



طیرو مسلم کو بوس دیا اور مومل کے رہنے والے سے بتایا کہ نبی کریم کے ساتھ ہر  
 دیا (حیات الصالحین رضی اللہ عنہ ص ۲۸۳) ۱۵۸۳

۱۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اُسید بن حنیف رضی اللہ عنہ ہر سے  
 خوش مزاج شخص تھے آپ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے  
 لوگوں سے بات کر رہے تھے اور انہیں ہنس رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 ان کے پہلو کو ایک کھڑی سے چھیڑا اس پر اُسید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ نے  
 مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہلے لوہا انہوں نے عرض کیا  
 کہ آپ تو کڑے پہنے ہوئے ہیں اور میرے جسم پر کڑے نہیں تھا۔ اسی کہتے ہیں قَوْمٌ مِّنْ  
 قَبِيلِهِ فَأَخَذَتْهُ وَجَعَلَ كَتِفَيْكَ كَتِفَهُ لَكَ وَاللَّهِ لَعْنَةُ قَوْمٍ مِّثْلُكَ  
 اُشَادِی اور اُسید رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ گئے اور آپ کے پہلو کو  
 بوس دینا شروع کر دیا۔ اور کہا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں  
 نے تو جہلے سے اسی کام کا بار ادا کیا تھا۔ سند کہ ۳۴ ص ۱۲۸۸ اس حدیث کو ابو داؤد  
 نے بھی حضرت اُسید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (دیکھئے ابو داؤد ج ۲ کتاب

الادب باب فی قبلۃ الجسد)

۱۷) ترمذی و نسائی و غیر وہی صفوان بن صالح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو یہودی آئے۔ اور انہوں نے آیات  
 قرآنیہ کے بارے میں سوال کیا۔ اسی حدیث میں یہ بھی ہے فَقَبِّلُوا اَيْدِيَكُمْ  
 وَرُجُلَيْكُمْ وَقَالُوا اَلَيْسَ هٰذَا الَّذِي اَنذَرْتُمْ كَرَامًا ص ۱۲۸۸ اس حدیث کو ابو داؤد  
 نے بھی روایت کیا ہے۔ اور چاقول کو بوس دیا اور کہا کہ تم گواہی دیتے ہو کہ بے شک آپ  
 اللہ کے رسول ہیں۔ ہند حدیث حسن صحیح اس حدیث کو امام ترمذی نقل کر کے فرماتے  
 ہیں کہ اس حدیث کو بوس دینے کے باب میں یزید بن اسود ابن عمر اور کعب بن مالک  
 نے قال انکم جاسدین صحیح اس حدیث کو بوس دینے کے باب میں یزید بن اسود ابن عمر اور کعب بن مالک  
 صحیح ہیں حنیف رضی اللہ عنہ مافی فیہ من الکمال ص ۲۰۰ ج ۱







کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پیر چومتے تھے (باب تقبیل الرءل)۔

۱۳۱۔ ابراہیم بن سلر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام تشریف لائے، ان کا استقبال حضرت ابو سعید بن جریج رضی اللہ عنہ نے کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے معاف تو کیا اور ان کا ہاتھ چوما اس حدیث کے کافر میں ہے کہ حضرت تیرم رضی اللہ عنہ کا کرتے تھے کہ ہاتھ کا چومنا سنت ہے۔

۱۳۲۔ ابوزناب نے یحییٰ بن الحارث الزہدؒ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں واکر بن اسقع رضی اللہ عنہ سے ملا۔ ان حکما کہ آپ نے اس ہاتھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی ہے، انہوں نے فرمایا: اہل میں نے عرض کیا تو آپ اپنا ہاتھ مجھے ویسے ہی لگاؤ میں اسے بوسہ دوں تو انہوں نے میری درخواست کو منظور کر لیا اور میں نے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا (رواہ الطبرانی)۔

۱۳۳۔ ابوطبرانی نے معجم الاوسط میں بخیر سند سے سلر بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدِئِي خَلْدًا مَعْتَلِكًا مَا ظَنَنْتُ يَكُونُ ذَلِكَ** یعنی میں نے اسی ہاتھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو ہم اسنے دالوں نے ان کا یہ ہاتھ مجھ ماہر انہوں (یعنی سلر بن اکوع) نے اس (چومنے) کو بڑا زانا۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط)

۱۵۱۔ حضرت عمار بن ابی عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ایک روز سوار ہونے لگے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آنکھ پٹا ان کے گھوڑے کی ناک پر تمام لی حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چپا کے بیٹے! آپ ہٹ جائیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ ہٹ جائیں تو میں ہٹاؤں گا (یعنی ہٹاؤں گا) (رواہ الطبرانی فی الاوسط)۔

ابو سعید مرواہ الطبرانی فی الاوسط اور جامع الثقات، المعجم الاوسط، ج ۲، ص ۴۳۔

نے فرمایا ہیں اپنے علماء اور بڑے لوگوں کے ساتھ اسی طرح کرنے کا حکم دیا گیا ہے  
یہ سنی کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور مجھے اپنا ائمہ تو دکھائیے حضرت ابن  
عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا ائمہ نکالا تو حضرت زیدؓ نے اس کو حرم لیا اور کہا کہ میں  
اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیتؑ کے ساتھ اسی طرح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(۱۶۱) یہ سنی وغیرہ کے مکرورہ روایات کا طویل فاقہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت  
کیا ہے اس میں ہے کہ عبداللہ بن عذافر رضی اللہ عنہ مسلمانوں سمیت لوٹ کر حضرت  
محمد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور جب پوری سرگزشت سنائی تو حضرت عمر  
رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور ان کے سر کو بوسہ دیا۔

(۱۶۲) حضرت سفیان ثوری (رحمہ اللہ) قساق سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک  
جلسہ میں بیان کیا کہ عالم اور سلطان مادل کی دست بوسی سنت ہے، اسی جلسہ میں  
عبداللہ بن مبارک موجود تھے وہ کھڑے ہوئے اور ان کے سر کو بوسہ دیا۔

مذکورہ بالا روایات سے یہ بات اجماعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ متقی عالم یا  
شیخ کے ائمہ کو بوسہ دینا فی نفسہ جائز بلکہ بعض اوقات مستحسن ہے اور حضرت  
انہی کی روایت جس سے مخالفت معلوم ہوتی ہے، اول تو وہ مذکورہ بالا روایات کو  
منسوخ نہیں کر سکتی کیونکہ اس حدیث کو ناسخ ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل یا قرینے  
کی ضرورت ہے، یہاں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ اور خلفائے راشدین  
رضی اللہ عنہم ائمہ ہیں اور تابعین تک سے جواز کا بخیر ثابت ہے، دوسرے یہ کہ  
خود اسی حدیث میں مخالفت کا ایک قرینہ موجود ہے وہ یہ کہ سوال ایک عام دوست  
یا مسلمان کے بارے میں پوچھا گیا ہے کسی متقی عالم یا سلطان مادل کے بارے میں  
نہیں پس یہ مخالفت خاص صورت میں ہے اور یہ بات نہ مہید از مامول اور

۱۔ الرحابین ص ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰،

مضقیاس آراتی نہیں۔

چھٹنے کے اسباب و محرکات | کیونکہ بوسہ دینے کے مختلف اسباب ہوتے ہیں۔

۱۱۔ نفسانی شہوت سے چہرہ وغیرہ چومنا جو کہ اپنی پیروی یا ملکہ گنیز کے علاوہ کسی اور کے سارے فضائل امت کے نزدیک ممنوع اور ناجائز ہے۔

۱۲۔ بزرگداشت و شفقت کی وجہ سے خلع و ملکہ پہنچانے، بچوں کو چومتے ہیں یا کوئی اپنے چھوٹے بھائی وغیرہ کو پیشانی پر بوسہ دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے بدن کو بوسہ دینا اور اسی طرح زید بن حارثہ اور جعفر بن ابی طالب کی پیشانی کو بوسہ دینا ثابت ہے۔ یہ بھی بلا اختلاف جائز ہے۔

۱۳۔ تعظیم و احترام کے لئے علماء و مشائخ کے ہاتھ پر پیشانی کو چومنا، جبب ان کے کوئی شرف کمالات کا حامل نہ ہو تو مذکورہ بالا روایات سے ثابت ہی ہے۔

۱۴۔ حصول دنیا کے لئے شفا کسی ملکہ برآدی یا صاحب اقتدار کے ہاتھوں کو چومنا یا مضرب شفا ایک دوسرے کے ہاتھ اور پیشانی کو بوسہ دینا۔ یہ ناجائز اور ممنوع ہے۔

۱۵۔ حکم شریعت کی وجہ سے خلع و ملکہ اسود کو بوسہ دینا جو بالاتفاق جائز اور مستحسن ہے۔

یہ اسباب مجھ لینے کے بعد یہ بات آسانی مباحیح بد بھائی ہے کہ منع والی حدیث کو صرف پہلی اور چوتھی قسم پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ خود منع والی حدیث کے راوی

حضرت انس کے ہاں سے کہیں نام بھاری نے الادب المفرد میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے انس سے پوچھا کیا تم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھ سے چوما ہے؟ انہوں نے کہا ایں، تو آپ نے انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو

بوسہ دیا (الادب المفرد باب تقبیل الید ص ۲) اب تو کوئی شک نہیں رہتا کہ کمانت لفظ مذکورہ دو صورتوں کے ساتھ خاص ہے۔ ورنہ انس رضی اللہ عنہ حضرت ثابت

رضی اللہ عنہ کو کسی دست بوسی کی اہلیت نہ دیتے۔ پس منع اور جواز دونوں اقسام کی اہلیت میں مماثلت اور تطبیق ہو سکتی ہے اور کوئی تشابہ یا تضاد باقی نہیں رہتا۔

**فقہاء کا مسلک** | اسی کا وہیل کی بنا پر فقہاء اور علماء کرام نے مشائخ و علماء کی دست بوسی کو جائز اور مستحسن قرار دیا ہے چنانچہ علامہ ابو جبر بن السعد الکلبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۵۵، ہدایۃ الصنائع صفحہ ۱۲ جلد ۱ کتاب الاستئذان اس مسئلے کے بارے میں (مختصر) ایوں لکھتے ہیں۔

چومنے اور گلے لگانے میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ کسی مرد کے لئے دوسرے مرد کے منہ ہاتھ یا کسی اور عضو کو چومنا یا اس سے مسافتہ کرنا مکروہ ہے۔ جب کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کوئی مسافتہ نہیں اور دلیل میں حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ جب وہ حبشہ سے واپس ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں گلے لگایا اور پیشانی کو بوسہ دیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل کہ ازکر حلال و مبارک ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ روایت کیا گیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سفر سے واپس آتے تو ایک دوسرے کو بوسہ دیتے اور گلے لگاتے تھے۔ اس کے برعکس ابو حنیفہؒ اور محمدؒ نے اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپس میں ایک دوسرے کو چوما کریں، فرمایا نہیں۔ پوچھا گیا کہ ایک دوسرے سے مسافتہ کیا کریں کہا نہیں۔ پھر سوال کیا گیا کہ آپس میں مسافتہ کیا کریں تو فرمایا ہاں۔

شیخ ابوالمنصور داماد نے لے فرمایا کہ مسافتہ اس صورت میں مکروہ ہے جبکہ ایسے طرز پر جو ہر شہوت کے ساتھ عریانی کی حالت میں کیا جاتا ہے۔ لیکن جب اس سے احتضار، اکرام اور احسان مقصود ہو تو مکروہ نہیں اور یہی حکم بوسہ دینے کا ہے جو بوسہ، شہوت کے بوسہ کی مانند ہو تو ممنوع ہے ورنہ مباح روایتیں ہے اور ابو یوسفؒ نے جن حدیث سے جو ازکرا قول اختیار کیا وہ اسی صورت پر مبنی ہے کہ اس میں شہوت کا غلبہ یا مشابہت نہ ہو۔

(۲) ہجر الرافق میں ہجر اللہ اور لکھا ہے کہ عالم اور سلطان عادل کی دست بوسی میں مسافتہ نہیں جیسے کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ عالم

اور سلطان مملوک کے ہاتھ کو بوسہ دینا سنت ہے (بحوالہ نقی ج ۱ ص ۱۶۳)۔  
 اس کا تادمی عالمگیری میں ہے کہ ایک مرد کو دوسرے مرد کے منہ پر بوسہ دینا یا  
 اس کے ہاتھ یا بدن کے کسی حصہ کو چومنا ابوحنیفہؒ اور محمدؐ کے قول کے مطابق محرّم  
 ہے۔ اور ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ بوسہ دینے اور معانقہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں  
 اور جب قمیص اور منہ کے اوپر سے معانقہ ہو اور بطور احسان و اکرام کے بوسہ  
 ہو، جو شہوت نہ ہو تو سب کے نزدیک جائز ہے۔

۴۱) اور در مختار میں ہے وَفِي الْحَقَائِقِ لَوْ الْقَبْلَةُ عَلَى وَجْهِ الْمُبْتَغَى جَائِزٌ  
 بِأَلْوَجْهِ ثُمَّ رَوَاهُ النَّذَمِيُّ فِي إِشْرَافِهِ ص ۱۵۴۲۲۲ یعنی حقائق میں ہے مگر بوسہ دینا بطور  
 احسان و اکرام کے بہر تو بلا حرج جائز ہے۔

۴۲) علامہ شامی فرماتے ہیں۔ قُلْنَا مِنْ الْخَائِنَةِ وَالْحَقَائِقِ أَنَّ التَّقْبِيلَ عَلَى  
 سَبِيلِ الْبَيْتِ بِلَا شَهْوَةٍ جَائِزٌ بِأَلْوَجْهِ جَاءَ۔ یعنی خائیا اور حقائق کی روایت سے  
 پہلے گورچکا ہے کہ بوسہ دینا بطور احسان بغیر شہوت کے بلا حرج جائز ہے۔

۴۳) حضرت شیخ الاسلام علی بن عسکری (رحمہ اللہ) فتح البانی میں اس پر بحث کرتے  
 ہوئے لکھتے ہیں۔ دست بوسی میں قبلہ کے کرام مختلف ہو گئے ہیں۔ امام اہلک نے اس  
 کے جواز سے انکار کیا ہے اور ان روایات سے بھی جو اس میں آئی ہیں سب کو دوسرے  
 فقہاء حضرات نے اس کی اجازت دی ہے۔ اور انہوں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما  
 کی روایت سے استعمال کیا ہے جس وقت وہ لوگ جہاد سے واپس آئے۔ انہوں نے  
 کہا یا رسول اللہ! ہم غلام ہونے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا ایہا نبیین،  
 حکوم علیہم حکومت کرنے والے ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے مسلمانوں کی ہمت

لے دو! اے اللہ! ان کو ایسا قبول فرما کہ ان کو علم و شہادت ملے اور ان کو نصیب نصیب  
 قبول فرما کہ ان کو علم و شہادت ملے اور ان کو نصیب نصیب قبول فرما کہ ان کو علم و شہادت ملے  
 و نصیب نصیب قبول فرما کہ ان کو علم و شہادت ملے اور ان کو نصیب نصیب قبول فرما کہ ان کو علم و شہادت ملے  
 اور ان کو نصیب نصیب قبول فرما کہ ان کو علم و شہادت ملے اور ان کو نصیب نصیب قبول فرما کہ ان کو علم و شہادت ملے

ہوں احمد اللہ بن محمد رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو بوسہ دیا۔

دست بوسی کے جوڑ پر چند احادیث نقل کر کے آگے فرماتے ہیں کہ الابہرٹی فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ نے جو بوسہ کو مکروہ قرار دیا ہے یہ اس وقت ہے جب کہ حنجر اور بڑائی کی وجہ سے ہو۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لئے ہو یا اس شخص کے علم یا شرافت کی وجہ سے ہو تو وہ جائز ہے۔ آخر میں امام محمد بن ابی نعیم نے ہر اللہ کے قول پر غور کر کے کہتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ کسی کی دست بوسی اس کے مذہب، صلاح یا علم یا شرافت یا سیانت یا عین خود کو گناہوں سے بچاؤ، متقی ہونا یا ایسی طرح اور کسی دینی بات کی وجہ سے ہو تو مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے اور اگر دست بوسی اس کی مالداری اور اہل دنیا کے اہل اس کی شان و شوکت اور تہذیب و مقام کی وجہ سے ہو تو یہ شرعی طور پر مکروہ ہے اور ابوسعید مثنویؒ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں۔

اور در مختار میں ہے بھی لکھا ہے کہ اگر دست بوسی تنظیم اور شرف اسلم اور کلا کی وجہ سے ہو تو جائز۔ اور اگر دنیا کے حصول کے لئے ہو تو مکروہ ہے۔ دیکھئے طبرانی علیٰ ایشیٰ رواۃ اقتدر صفحہ ۲۳۵ جلد ۵)

(۲) خلاصہ معنی (رحمۃ اللہ تعالیٰ) نے قبیل کے مسئلہ پر بہت مختصر اور جامع بیان کر کے آخر میں فرمایا ہے: لیکن یہ سب کچھ جواز اس وقت ہے جب کہ دست بوسی وغیرہ بطور احسان ہو کر اس کے ہو۔ اور جب یہ بلاست بوسی وغیرہ شہوت کی وجہ سے ہو تو میان بیوی کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں۔

ان عبارات سے صاف ظاہر ہے بوسہ دینے اور مانگنے میں ابویضہ اور رحمہ (رحمۃ اللہ) کا بوجہ شہوت منقول ہے وہ اسی صورت میں ہے جب کہ یہ افعال ایسے طریقے پر ہوں جس میں شہوت کا خطرہ اور اشتباہ پایا جاتے اور جہاں یہ صورت نہ ہو اور نہ ہی حصول دنیا یا محض رزم مقصود ہو تو سب کے نزدیک جائز ہے۔







باب سوم

قیام تحریمی و تعظیمی

# قیام

**قیام کی قسمیں** | کسی آدمی کے لئے کھڑا ہونے کی چند قسمیں ہیں۔  
 ۱) اول: کھڑی سفر سے آنے والے کے استقبال کے لئے کھڑا ہو  
 آنے والے کو کسی چیز کی بشارت یا خوشخبری دینے کے لئے کھڑا ہو۔  
 ۲) کھڑی مصیبت زدہ کے ساتھ ہمدردی اور تعزیت کی طرز سے۔  
 ۳) جگہ کے تنگ ہونے کی وجہ سے، بھونٹا کھڑا ہونا۔  
 ۴) محبت کی وجہ سے | ایسے شخص کے لئے جس کے ساتھ محبت ہائز ہو مثلاً  
 مسلمان بھائی۔

اور کھڑی کی مدد، اعانت یا خدمت کی نیت سے کھڑا ہونا مثلاً گھر میں کو ساری  
 سے آنا پر سنا لایا تمام نا و غیرہ  
 قیام کی یہ سب صورتیں بالاجہل یا جائز ہیں اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔  
 ۲) قیام کی دوسری قسم: کسی کے آگے ایسے طریقے سے کھڑا ہونا جیسے عیسیٰ  
 کا دستور تھا کہ کوئی جگہ آدمی بیٹھا ہو تو اس کے سامنے یا ارد گرد باقی لوگ کھڑے رہتے  
 قیام کی یہ صورت بالاتفاق ناجائز اور ممنوع ہے۔

۳) تیسری قسم: کوئی شخص دل میں یہ چاہت اور خواہش رکھے کہ لوگ اس کے  
 لئے کھڑے ہو جائیں اگر اس کے ارے میں شدید وحید آتی ہے اور بالاتفاق محبت  
 یہ خواہش اور آرزو ناجائز اور ممنوع ہے۔

۴) چوتھی قسم: کسی آدمی کے لئے صرف تنہا و محرم کے طور پر کھڑا ہونا اس  
 صورت میں علماء کا اختلاف ہے لیکن یہ کوئی لغو و شرک جیسا شرع یا اختلاف نہیں بلکہ



اِس کوئی چیز نشت یا مستحب ہوئی ہے جب کہ دوسرے کے نزدیک وہ واجب یا اس کے برعکس مکروہ و ذبیہ ہوتی ہے۔ یہیں پہنچنے کے گھٹائے کرام کے تہذیب و عہد سے تجاوز نہ کریں اور ان کے اختلافات کو اپنے عہد کے اندر رہنے دیں۔

انہی میں قیام کی جو تہی قسم کے بارے میں علماء کا اختلاف صرف ہاتھ اور مکروہ کی حد تک ہے اور جو لوگ اسے مکروہ فرماتے ہیں وہ مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔

۱۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لَوْ بَلَغَنَ شَخْصٌ سَبَّ رَأْسِيَوْهُ قَبْلَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ إِذَا رَأَى كَلْفًا يَقُولُ مَا أَيْلَعُكَ مِنْ كَلْبٍ؟ خَلَا أَعْيُنُكَ حَسَنٌ خَيْرٌ مِنْ قَرْنِيٍّ؟ (ترمذی باب ۵۰۰)۔ یعنی صحابہ کرام کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی بھی محبوب نہ تھا اس کے باوجود جب صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کو دیکھتے تو آپ کے لئے کمرے میں ہوتے تھے کمرے کو وہ جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند نہیں۔

۱۲۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بچے تو حضرت عبداللہ بن زبیر اور ابن صفوان رضی اللہ عنہم ان کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ قَالَ ابْنُ سَابِئٍ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ سَبَّ رَأْسَ رَجُلٍ يَسْتَقْبِلُ رَأْسَ رَجُلٍ قَاتِلًا فَلْيَبْتُغَا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ رَوَى الْبَابُ عَنْ ابْنِ مَسْرُوقٍ وَخَلَّ عَوِيْثُ حَسَنٌ (الترمذی باب ۵۰۰)۔ پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیٹہ ہاؤ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ لوگ اس کے سامنے (تسلیم کر کے کھڑے ہوں) پس وہ اپنا گھر جہنم میں بنالے۔

حضرت امام ترمذی اور دیگر حضرات فقہائے ان احادیث سے قیام کی کمانت پر استدلال کیا ہے۔

اب جو حضرات جواز کے قائل ہیں وہ پہلی حدیث کے جواب میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کا کھڑا ہونا، بے تکلفی، شدید محبت و تعلق اور تواضع

کی بنا پر ناپسند تھا اس کے جواب میں قیام سے منع کرنے والے حضرات فرماتے ہیں کہ بے تکلفی کا مطلب یہ نہیں کہ کرم بھی نہ کیا جاتے وہاب صحابہ رضی اللہ عنہم کو جہاں کرم کرنے سے کون سی چیز مانع تھی؟ اور قیام کو بائز سمجھنے والے جواب یوں دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہ باہیت طبعی کہ باہیت حقہ نہ کہ شرعی کہ باہیت جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پسند نہ تھا کہ سب سے آگے میں مالا مال آگے چلنا کسی کے نزدیک نامائز نہیں ہے، تو یہاں بھی کہ باہت طبعی مراد ہے نہ کہ شرعاً منکر وہ ہے۔ دوسری حدیث کے جواب میں قیام کے موافقین فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تو قیام کی خواہش کو ممنوع ہے، یعنی اگر کوئی یہ خواہش کرے کہ لوگ اس کے لئے کھڑے ہوں اور اس خواہش کی وجہ حجب و تکبر ہے، پس یہ خواہش تو بلا تعلق نامائز اور حرام ہے، جیسا کہ تیسری قسم کے بیان میں گورچیکا

لیکن اس پر یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ حضرت معاویہؓ ایک فقیر صحابی ہیں انہوں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک سے کائنات ہی ملاولی ہے اسی لئے تو انہوں نے منع فرمایا، اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ آئی کے تو اضع اور تقوے کی وجہ سے تھا، انہیں خوف تھا کہ کہیں وہ اس حدیث کی وحید میں نہ آجائیں کیونکہ وحید اسی کے لئے ہے جس کے لئے قیام کیا جاتا ہے، کھڑے ہونے والوں کے لئے تو نہیں ہے، لیکن اس پر یہ شبہ کیا گیا کہ لوگوں کا کھڑا ہونا سبب بن جاتا ہے خواہش قیام کا، تو جس طرح خواہش قیام ممنوع ہے اسی طرح اس کا سبب بھی ممنوع ہے لیکن یہ شبہ درست نہیں کیونکہ یہاں قیام کی خواہش ممنوع ہے چاہے لوگ ان خود کھڑے ہوں یا نہ ہوں اب اگر لوگ کسی آدمی کے لئے کھڑے نہ ہوں یہی اس کی خواہش ہو کہ لوگ کھڑے ہوں تو یہ شخص اس وحید کے تحت آئے گا۔

بہر حال وحید صرف خواہش قیام پر وارد ہوتی ہے جس کی غرض لوگوں میں پائے تھے کو دیکھنا ہے جو کہ تغیر اور تکبر ہے۔

۱۳۱۔ اَتَوَجَّهُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمُ مُتَحَيِّیْنَ اَتَقِیَّ حَصَا فُتُوْنَالِ فَقَالَ





نے فرمایا کہ تم سے پہلے کی قومیں اس طرح تباہ ہو گئیں کہ وہ اپنے بادشاہوں کی تسلیم کرتے تھے اس طرح کہ وہ لوگوں سے رہتے اور بادشاہ بیٹھے رہتے، اسی مسلم کی ایک صحیح حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالت بیماری میں بوجہ عذر بیٹھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز میں مشغول تھے تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا اِنَّ كَيْدَ كُنُوزِ الْغَايَةِ لَمَلُؤُنْ فِعْلُ مَا رَسُوْا وَالْاَنْفُسُ لَيَقُوْهُنَّ عَلٰى مَلَكٍ كَهَذَا وَهَقَّ قَوْلُهُ ؕ (الصحیح مسلم کتاب صلوٰۃ ۱۶، ص ۳۸۴) کہ تم غفلت و سہمہ میں اور دم کے لوگوں کا فعل کرو گے، کھڑے ہوتے ہیں (اور اگر وہ اپنے بادشاہوں کے اور وہ بادشاہ بیٹھے ہوتے ہوتے ہیں)۔

ان سب روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تسبیح وہ قیام ہے جو بھیوں کا دستور ہے کہ کوئی شریف تو میٹھا رہے اور عام لوگ اس کے ارد گرد تسلیم کرنے لگتے ہوں۔

قیام کے مخالفین کہتے ہیں کہ سجادہ کا کھڑا ہونا بھیوں کی طرح تو نہیں تھا بلکہ وہ محض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و تحکیم کے لئے کھڑے ہوتے تھے (اور پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود ان کے اخلاص کے، امتیاز کو گویا منسوس فرما دیا۔

اس کے جواب میں قیام کو بانز کھنے والے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجادہ کو بھیوں کی طرح کھڑے ہونے کی خبر دے رہے تھے اور صرف اسی طریقہ کے منسوس فرما رہے تھے (یعنی ان کی نقل سے منع کر رہے تھے) پس ادب و عزت سے کھڑا ہونا بانز ہے کیونکہ احساس کی وجہ صرف خلوص و محبت ہے)۔

باقی رہ گئی حدیث فہرہ، اس کے بارے میں قیام کو بانز کہنے والے جواب دیتے ہیں کہ یہ حدیث بہت کمزور ہے، اگر اس کو صحیح بھی مان لیا جائے پھر بھی یہ بھیوں کے قیام پر محمول ہے کیونکہ قیام کی وہ صورتیں جو قسم پیرا کے ذیل میں بیان

ہو چکی ہیں، بالاتفاق جائز ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں قیام ممانعت صرف اسی قیام کی ہے جو جمعیوں کی رسم ہے جس کی طرف متعدد احادیث میں اشارہ کیا گیا ہے اور یہ قیام بالاتفاق ناجائز اور منسوخ ہے۔  
اب جو علماء حضرات قیام کے ہونے کے قائل ہیں وہ مندرجہ ذیل احادیث کو بطور استدلال پیش کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۵۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گفتگو اور نشست و برخاست میں اتنا زیادہ مشابہت رکھتا ہو جتنا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کرتی تھی، اِنَّهَا كُنَتْ عَلَيْهِ نَامًا اَيْلَیْهَا تَأْخُذُ بِرِجْلِ رَسُولِ اللَّهِ وَتَجْلِسُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَكَانَ يَدُودُ خَلِّهَا تَأْمَتُ اِلَيْهِ تَأْخُذُ بِرِجْلِ رَسُولِ اللَّهِ وَتَجْلِسُ بَيْنَ يَدَيْهِ (ابوداؤد کتاب الادب ج ۱۲) یعنی جس وقت فاطمہ رضی اللہ عنہا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے کھڑے ہو جاتے اس کا ہاتھ پکڑتے اور بوسہ دیتے اور پٹے بٹنے کی جگہ پر اسے بٹھا دیتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے تو وہ آپ کی طرف کھڑی ہو جاتی، آپ کا ہاتھ مبارک پکڑتی اس کو بوسہ دیتی اور آپ کے کو اپنی جگہ پر بٹھا دیتی۔

قیام کے مخاطبین فرماتے ہیں کہ یہ قیام دونوں جانب سے قیام محبت اور قیام استقبال ہے جو بالاتفاق جائز ہے، لیکن قیام کو جائز سمجھنے والے اس جواب کو رد کر کے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام تو قیام محبت ہو سکتا ہے لیکن فاطمہ رضی اللہ عنہا کا قیام تو تعظیم و تحريم ہی کے لئے ہو سکتا ہے لیکن اس بات پر شبہ ہو سکتا ہے کہ اگر فاطمہ رضی اللہ عنہا کا قیام بھی قیام محبت و استقبال مان لیا جائے تو یہ بید از قیاس بات نہیں، مگر جو اس میں تعظیم و تحريم کا قوی احتمال موجود ہے، قیام کے قائل حضرات زیر ہی عاثر، مکر بن ابی جہل، عذی بن حاتم، اسلم بن شریک اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم ہمیں وغیرہ کی روایات و روایات سے بھی استدلال کرتے ہیں

جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

- (۱۳) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جب مدینہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر معانقہ کیا اور پیشانی پر بوسہ دیا اور وہ التزمی ۲ ج ۲ ابواب الادب،
- (۱۴) اور جب مکہ مکرمہ رضی اللہ عنہ یمن سے واپس ہو کر مدینہ منورہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے کھڑے ہوئے، گلے لگا یا درود الطبرانی،
- (۱۵) مدی ہی ماتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے یا حرکت فرماتے۔
- (۱۶) اور حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھڑے ہوتے اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا۔

- (۱۷) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اٹھے اور ان کے دست مبارک کو چومنا۔
- (۱۸) اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ جب قبول ہوئی، اسی قسم میں آیا ہے کہ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اٹھ کر دوڑے اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصافحہ کیا اور انہیں مبارک باد دی۔
- اسی طرح کے اور بھی بہت سے واقعات اور روایتیں احادیث کی کتابوں میں ملتے ہیں، لیکن قیام کے مخالفین فرماتے ہیں کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے لئے وحی طیبہ وسلم کا قیام سفر سے آنے کی خوشی کی وجہ سے تھا اور مدی و مکہ مکرمہ رضی اللہ عنہم

۱۔ مجمع الزوائد ص ۲۸۵ ج ۹ ۲۔ مشکوٰۃ ص ۲۳۷ ج ۲۔

۳۔ فتح الباری ص ۲۵ ج ۱۱۔ ذیل سنہ قویٰ۔

۴۔ فتح الباری ج ۱۱ ص ۲۵۔

۵۔ مشکوٰۃ ص ۲۳۷ ج ۲۔

اپنے اپنے ملاؤ کے رئیس تھے اور آپ نے تالیف قلب کے لئے قیام فرمایا اور  
 ان کی مدافعت کی تاک وہ مسلمان ہو جائیں یا پھر اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آقا  
 سے ان کو اس کا موقع پایا اس لئے کھڑے ہوئے۔ اسی طرح کے اور احتمالات بھی  
 ہو سکتے ہیں۔ الغرض اسی طرح کی تمام احادیث اور روایات کو قیام استقبال، قیام محبت  
 غرضی اور بشارت کے لئے کھڑا ہونا یا التزیت کے لئے قیام قرعہ کے مستند ہوں  
 کرتے ہیں۔ اور یہ احتمالات اتنے بعید بھی نہیں ہیں، اگرچہ بعض روایات میں اکرام کا  
 پہلو زیادہ واضح ہے۔

۱۲) جیسا کہ حضرت جلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب  
 باہر تشریف لائے تو ہم آپ کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے حتیٰ علیٰ غلّ بقیۃ الحب تک  
 کہ آپ گھر تشریف نہ لے جاتے۔

قیام کے خالصین اس کے کئی جوابات دیتے ہیں: یہ قیام بدر ضرورت تھا۔ ہر  
 شخص اپنے اپنے کام کے لئے مانا چاہتا تھا۔ یا چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا  
 دروازہ مسجد میں تھا اور مسجد فرائض کے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم کھڑے ہو جلیا  
 کرتے تھے کہ آپ آسانی گھر تشریف لے جائیں۔ یا ہو سکتا ہے کہ آپ کو کسی چیز کی  
 ضرورت پیش آئے تو صحابہ خدمت کے لئے تیار ہوں۔ یعنی یہ قیام قیام خدمت تھا  
 ۱۳) قیام کو جائز قرار دینے والے حضرات سعد بن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث

لے کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ عنہ تو سڑتے آتے تھے تو ان کے لئے یہ قیام فرمایا استقبال کی وجہ سے ہر  
 سکنائے حبشہ اور بعضی رضی اللہ عنہم کو عیادت میں ان کا ذکر ماخوذ فیہ ہے۔ حضرت عدی سے مشرور و غاف  
 جو روایت ہیں ان کا سنو یہ ہے کہ جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ماضی ہوا تو آپ صلی اللہ  
 علیہ وسلم حرکت کر کے میرے لئے جگہ رکھی۔ حضرت فرماتے: محمد رواہ ابوہریرہ و دیگر روایت یہاں سے  
 و سلم کہ نبی جلال میں ایسی معانی ہر وقت دہرائے ہوتے تھے کہ میں کہیں الی جلال میں ایسی  
 میں جہ وہ بعید و درجہ اعلیٰ شرفات۔ مجمع الزوائد ص ۸۶۳۔ دونی مشکل انما ارجو منہم جنہم و علی عیون  
 قتال میں کیا میں جلال میں ایسی ہر وقت خود و مشکل انما ارجو منہم ص ۸۶۳۔

ہیں کہ بخاری و مسلم وغیرہ نے نقل کیا ہے سے استدلال کرتے ہیں، اسی حدیث سے امام بخاری، مسلم اور ابو داؤد نے بھی استدلال کیا ہے کہ حضرت ابو سعید خدی رضی اللہ عنہ حضرت سے ملنے کے لیے تھے، یہ تو قرینہ اس وعدہ پر اترے کہ جو فیصلہ بھی حضرت رضی اللہ عنہ کریں گے، وہ انہیں قابل قبول ہوگا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی طرف یہ پیغام بھیجا، وہ آپ کے قریب ہی تھے، پس گھر سے پر سوار ہو کر آئے۔ **ثُمَّ أَتَا دَاوُدَ بْنَ الْكَلْبِيِّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَعَارُ قَوْمَنَا نِيَّةً بِكَلْبٍ كَلْبِي كَتَبَ اللَّهُ لِي مِنْ قَوْلِكَ** حضرت سعد رضی اللہ عنہ مسجد کے قریب پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار فرمایا کہ اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔

اس کے جواب میں قیام کے مخالفین فرماتے ہیں کہ یہ حکم قیام تنہی کے لئے تھا بلکہ سعد ہی مسافر تھے اور ان کی مرضی میں ہی تھی، لیکن کلمہ سے آواز دینے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو کھڑے ہونے کا حکم دیا، یہ قیام مدہ اور مساوت کے لئے تھا، اگر یہ قیام تنہی ہوتا تو یوں فرماتے **ثُمَّ اتُوا نِيَّةً بِكَلْبٍ** یعنی اپنے سردار کی خاطر کھڑے ہو جاؤ، بلکہ بعض روایات میں زیادہ وضاحت بھی آئی ہے **كَوْنُوا نِيَّةً بِكَلْبٍ فَإِنَّ لَكُمْ** اپنے سردار کی طرف انصاف اور ان کو سرداری سے آگاہ کرو۔

مخالفین قیام کے اس استدلال کا جواب منافقین حضرات یوں دیتے ہیں کہ مقصود یہ ہے کہ ان کے پاس باکران کی تنہی و تحریم کے لئے سواری سے آگاہ کرو اور اس بات پر قرینہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ اپنے سردار کی طرف انصاف کھڑے ہوں، تو لفظ نیت سے ان کی تحریم و تنہی کی طرف اشارہ ہے۔

**فقہا کرام کے اقوال** مذکورہ بالا روایات میں قیام کی کفایت اور جواز یعنی دونوں نے ان پر بہت طویل بحثیں کی ہیں حضرت نووی نے قیام کے جواز پر پوری کتاب

ملی ہے اور طبرانی وغیرہ نے اس کے ہوا میں روایات و واقعات نقل کر کے ان روایات کو کھڑا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جن سے قیام کی ممانعت مسلم ہوئی ہے اور ان کی عمدہ تاویل میں بھی فرماتی ہیں۔

۱۱۱ ابن الحلیج وغیرہ نے اختلافی قیام کے ناپسندیدہ ہونے کو ثابت کرنے کے لئے پوری تفصیل سے مدلل بحث کی ہے اور انہوں نے حضرت امام نوویؒ کے پورے رسالہ کو اپنی کتاب مدخل میں نقل کر کے اس سے عمدہ جوابات دیئے ہیں۔ جن کو فتح الباری نے بہت جامع اور مختصر انداز سے نقل کیا ہے۔

جمہور علماء نے اہل فضل حضرات کے آنے پر ان کے اکرام کے لئے کھڑے ہو جانے کو جائز بلکہ مستحب فرمایا ہے۔

۱۱۲ اپنا پنجہ بیع البہار میں ہے فَاتَّخَذَ بِهَا الْجَاهِلُونَ كُتُوبًا أُخْلِىَ الْمُنْخَلِ بِالنِّبَاهِ وَأَقْبَلُوا رِجَالَهُمْ بِمَسْجُودٍ مَلَأَ كَرَامًا لَمْ يَسْأَلْ اس سے استدلال کیا ہے کہ اہل فضل کے اکرام کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے جب وہ آئیں۔

۱۱۳ اور در مختار میں ہے آنے والے کی تکبیر کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے تحت ہے اھ اور حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَرَجَعْنَا الْمَذْمُومَ مَا لَمْ يَنْجُ مِنْ الْجَمْعِ عَنْ قَتْلِهِ وَالْبُخَارِيُّ وَابْنُ كَيْسَانَ السَّيِّئُ عَنْهُ أَنْ يَكُنْ مَكْلَبًا وَحَدَّثَنَا ابْنُ دُرَيْجٍ الْبَاهَرِيُّ ص ۲۹۷ یعنی مندرجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت قتیبہؒ اور بخاریؒ سے واضح لہجہ میں روایات و واقعات میں جو تعلیق کی گئی ہے جو پہلے ذکر ہو چکی اس کی پسند فرمایا ہے اور ترجیح دی ہے ایسی کسی مسلمان بھائی کے اکرام کے لئے قیام جائز ہے اور ممنوع وہ قیام ہے کہ کسی شخص کے ارد گرد یا سامنے لوگ کھڑے ہوں اور وہ بیٹھا ہو۔

۱۱۴ لطفاً دینی شرح در مختار میں اس پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ علماء تعلیم کے لئے کھڑا ہونے میں مختلف ہر گزتے ہیں لیکن نے منع کیا ہے جو جو ابو داؤد کی حدیث کے ہوا انہوں نے ابو داؤد سے روایت کی ہے پھر اس کو پورا نقل کرنے کے



الْبَاقِيْنَ فِي السَّجْدِ لِمَنْ دَخَلَ عَلَيْهِمْ قَوْلُنَا اَوْفَاؤُ قَارِي الْقُرْآنِ لِمَنْ يَجُوزُ  
قَوْلُنَا اَوْ يَكُنْ كَذَلِكَ مَنْ يَسْتَعِيذُ الشَّيْطَانُ فِي مُشْكِلِ الْاَنْبَاءِ اَوْ يَنْبَغِي  
لَيْسَ بِمَكْرُوهُ لَيْسَ بِمَكْرُوهُ اِنْ شَاءَ الْمَكْرُوهُ حُبُّ الْوَيْلَامِ لِمَنْ يَتَّقِمُ لَهْ نَابِيْنَامِ لِمَنْ يَتَّقِمُ  
لَهْ لَا يَكْرَهُ. یعنی ظہر میں ہے کہ مسجد میں بیٹھے ہوئے شخص کا ایسے آدمی کے لئے  
کھڑا ہونا جو اس پر داخل ہو اور تلاوت قرآن کرنے والے کا ایسے آدمی کے لئے  
جو اس کے پاس آئے، تنگنا کھڑا ہونا مکروہ نہیں، جب کہ وہ تنظیم کا مستحق ہو اور  
حضرت امام رضاؑ کی کتاب خشک آثار میں ہے کہ ظہر کے لئے کھڑا ہونا ہدایتِ غلو  
مکروہ نہیں بلکہ مکروہ قیام کی محبت و طواہش ہے ایسے شخص کے لئے جس کے لئے  
لوگ کھڑے ہو جایا کرتے ہیں اور اگر کوئی کھڑا ہو گیا ایسے آدمی کے لئے جس کے لئے  
لوگ کھڑے نہیں ہوا کرتے تو مکروہ نہیں۔

آگے جا کر فرماتے ہیں کہ وَ نَادَوْا ذُو الشَّوْعَلَةِ حَلِيْبُو فِي مَنْ ثِيْبُ الْوَيْلَامِ  
بَيْنَ يَدَيْكُمْ اَيْتَعَلَهُ الشُّكُّ وَلَا تَحَاجُّوْ اور جو حمید و صریف شریف میں اس  
پر قیام پر اتنی ہے کہ وہ ایسے شخص کے بارے میں ہے جو اپنے سامنے لوگوں کے  
کھڑا ہونے کو پسند کرتا ہو، جیسا کہ ترک اہل ملی لوگ کرتے ہیں۔

۱۸۱) ہمارے علماء کے درمیان اس مسئلہ میں بھی کچھ اختلاف ہے کہ مسجد میں بیٹھے  
ہوئے یا تلاوت کرنے والے شخص کے لئے کسی آنے والے کی تنظیم کے لئے کھڑا  
ہونا جائز ہے یا ناجائز۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ قاضی خان اور وغیرہ مسجد میں بیٹھے  
کھڑا ہونے کی اجازت دیتے ہیں۔ لیکن کثر السباہ وغیرہ میں تنظیم و تحريم کے لئے مسجد  
میں کھڑا ہونے کو منع فرمایا ہے اور اس صریف سے استدلال فرمایا ہے۔ اَلَمْ تَرَ  
فِي نَبِيَّتِ زَيْدٍ اَيْ مَنِ يَرْبِي رِبِّي تَنْظِيْمُ ذِكْرِ كَرِيْمٍ اس پر کلام کرتے  
ہوئے علامہ ابو مسعود رحمہ اللہ نقل فرماتے ہیں قَالَ وَلَيْسَ اَلَا تَحْتِى اَلْتَلَفُ تَلَفُ مَذْمُوْر

نور العارفین ۵۸۱۳۹ و شمس اۃ الناس ۲۰۲۹





اور اس میں کوئی فرق نہیں اور اگر اس قول سے مراد ان کا اسی قیام تنظیم و تحکیم جو دینی شرف ہی کی وجہ سے کیا جاتا ہے کو درہصوں میں تقسیم کرنا ہو پھر تو تنظیم کے لئے لکھ دینا مکروہ اور اکرام کی خاطر جائز ہے۔ اسی طرح گویا امتنازع فیہ قیام ہی کی تفصیل یا فرق اکرام کا مقصود تھا اور امام ابن حجر رحمہ اللہ نے آخر میں بذات تفصیل حسن ظن کرنا غالباً یہی فرق مراد لیا ہے کیونکہ نظامہ اسلام اسی مطلب کی تائید کرتے ہیں۔

اور امام ابو داؤد نے سنن ابی داؤد میں جو از اور منہ پر چھ مختلف ابواب ہیں انہما سے وضع کئے ہیں اور اسی طرح بعض دوسرے حدیث کے اقوال سے اسی طرف اشارہ ملتا ہے کہ وہ قیام تنظیم کو محکمہ فرماتے ہیں اگرچہ محکمہ کا دستور نہ بھی ہو لیکن مسلمان بھائی کے اکرام کے لئے قیام کو جائز فرماتے ہیں بہر حال اگر اصل تفصیل یا فرق کو تنظیم قیام ہی میں مان لیا جائے تو شاید پھر اس کے جواز میں کسی کو بھی کلام نہ رہے گا کیونکہ مجلس سے فراغت کے بعد صحابہ کا قیام اور امتداد فرما سنی اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لے جاتے اسی روایت کو منہ پر اور حضرت خاتمہ رضی اللہ عنہما کے قیام کو کبریت اور انصار کے قیام کو حضرت معاذ کی مدد پر محمول کیا جائے اگرچہ ان روایات میں قیام تنظیم کی کافی گنجائش ہے، تب بھی ان کو اکرام سے خالی ماننے کی کوئی خاص وجہ نہیں۔ ان سارے واقعات میں اکرام و احترام کا تصور بھی موجود ہے پھر محبت اور اکرام کے محکمہ میں بھی کوئی خاص فرق نہیں جیسے محبت اپنے محل وقوع میں جائز بلکہ بعض واقعات ضروری ہوتی ہے۔ اسی طرح کسی مسلمان بھائی کا اکرام اور دشمن کا اکرام اچھا ہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو بھی ضروری ہے اور ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے۔

اسی طرح سنن داؤد میں شیعہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی مراد قیام اکرام سے قیام تحری و سلام ہو جو محبت کے بڑھانے کے لئے ہو اگرچہ جیسا کہ اس پر مسافر روایات کہتے ہیں اور قیام احکام سے علویان کا قیام ہو جس میں وہ مسافر اور بڑے گھرانے کی حدت کے مطابق بیٹھا ہو اور لوگ اس کے لئے جہ سے رخصت ہو۔  
لے حدیث قال اللہ ابی القیام امام ارث النبی تمل علی ابوداؤد ثم ترجم بعد قسۃ ابواب ابی ابی بن یوسف اور علی بن یوسف تک کتاب ابواب ابو داؤد۔

البتہ کسی غیر کی توقیر و تنظیم اگر پر فی نفسہ جائز ہے لیکن پھر بھی اکرام اور تنظیم کے  
عمر میں فرق صاف طور پر قائم ہے۔ ہمیں بس لوگوں کا اکرام کرنے کا وہ حکم ہے جسکو  
تنظیم کی ممانعت ہے جیسے کافر سمان وغیرہ کا اکرام یا تہذیب و اس کی تنظیم منع ہے۔  
اور علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ کسی آنے والے کے لئے توجہ کرنے کے حکم میں فرق  
کر کے ہوتے فرماتے ہیں۔ **فَالْأَمْرُ بِالتَّعْظِيمِ لَا يُجْعَلُ..... وَارْتِثَاصًا**  
**لِأَمْرٍ تَجِبُ** اور انہی میں سے یعنی اگر توجہ کرنے میں نیت اور قصد تنظیم کی ہے تو یہ مذہب  
حلال نہیں اور اگر قصد اکرام کی ہے تو حلال ہے۔

**قیام اکرام اور قیام تنظیم میں فرق** | اب سوال یہ ہے کہ قیام تنظیم اور قیام اکرام  
اس فرق کیسے کیا جائے اس فرق کو طحاوی کے  
اقوال سے کچھ اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر آپ کے یہاں کوئی شخص آئے اور آپ  
اس کے لئے کھڑے ہو جائیں، آگے بڑھ کر مصافحہ و سلام کریں اور اپنی جگہ پر بٹھائیں  
یا پھر کسی کو رخصت کرتے وقت اس کے لئے کھڑا ہونا وغیرہ یہ سب کچھ اکرام و احترام  
میں داخل ہے اس کے برعکس اگر کوئی غیر آپ کی طرف آئے اور کسی دوسری طرف جا  
رہا ہو یا ایسے ہی مانتے سے گزر رہا ہو، اس کو کچھ کر تنظیم کے لئے کھڑے ہو جانا یا توجہ  
اکرام سے باہر اور داخل تنظیم ہے اسی طرح اور بھی قرآن مجید میں اس کے ذریعے  
قیام اکرام اور قیام تنظیم میں تمیز کی جاسکتی ہے۔ اسی فرق کے بارے میں علامہ ابن تیمیہ کے  
قول سے بھی اشارہ مل سکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں **وَالْأَمْرُ بِالتَّعْظِيمِ لَا يُجْعَلُ تَوَاتُفًا**  
**بِقِيَامِ تَعْلِيلٍ أَوْ بِغَيْرِ تَعْلِيلٍ أَوْ بِقِيَامِ التَّعْظِيمِ أَوْ بِغَيْرِ تَعْلِيلٍ وَلَا بِالْأَمْرِ**  
**بِالْقِيَامِ أَوْ بِغَيْرِ تَعْلِيلٍ وَهُوَ التَّكْرَارُ أَوْ غَيْرُهُ** یعنی قیام کے تین مراتب ہیں پہلا  
یہ کہ کسی کے سر پر زمین اور گرد پا سنے جب کہ وہ بیٹھا ہو یا کھڑا ہو یہ تو برابر اور حکم لوگوں کا  
فصل ہے (جو اتفاقاً نامائز ہے) اور دوسرا یہ کہ کسی کے لئے کھڑے ہو جانا یا سب و  
آنے بوس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور تیسرا یہ کہ اس کو دیکھتے ہی کھڑا ہو جائے اس  
علامہ کا اختلاف ہے۔

ایک دوسری بات یہ کہ علامہ ابن تیمیہ نے یہ قول ہے **بِغَيْرِ تَعْلِيلٍ** اور

اَفَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ اَنْ يَكُونُوا رَجُلًا مَّفْتَدًى يَذْحِجَهَا وَيَبْعُوهَا بِالنَّجَافِۙ اَوْ خِرَافًا تَاجِرًا  
 اِلَىٰ هَذِهِ الرُّجُلِۙ اَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ مَعَهُۥ اَللّٰهُ اَنْ يَخْلُقَ مَا يَشَاءُۚ اَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ اَللّٰهُ اَنْ يَخْلُقَ مَا يَشَاءُۚ  
 اَفَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ اَنْ يَكُونُوا رَجُلًا مَّفْتَدًى يَذْحِجَهَا وَيَبْعُوهَا بِالنَّجَافِۙ اَوْ خِرَافًا تَاجِرًا  
 اَفَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ اَنْ يَكُونُوا رَجُلًا مَّفْتَدًى يَذْحِجَهَا وَيَبْعُوهَا بِالنَّجَافِۙ اَوْ خِرَافًا تَاجِرًا  
 قہیں ہیں۔ اول یہ کہ مقتدی اور پیشوا آدمی کسی ضرورت سے کسی دوسری طرف جارا  
 ہوا اور قیام کرنے والے شخص کی طرف نہیں آتا تو اس شخص کا قیام اس مقتدی کے لئے  
 منع ہے۔ دوسری قسم یہ کہ مقتدی امام آدمی اس کفر سے بھرنے والے شخص کے پاس  
 آتا ہو تو اس آدمی کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے اور کنگا گیا ہے کہ مستحب ہے۔ دیکھنا  
 میں کتا ہوں کہ میرے نزدیک یہ قیام بھی ناپسندیدہ ہے جب کہ اس میں مہلت لیا جائے  
 تیسری قسم قیام کی یہ ہے کہ مقتدی میٹھا ہوا ہو اور لوگ اس کے سامنے یا ارد گرد  
 کھڑے ہوں۔ یہی امام کا دستور ہے۔

ان مقامات میں خود کرنے سے اکرام کے قیام اور تنظیم کے قیام میں فرق واضح  
 ہو سکتا ہے۔ علاوہ ان میں یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ کسی ملک مان بجائی گئی ہے  
 اس کے اکرام کے لئے کھڑا ہونا کسی کے نزدیک بھی ناجائز نہیں خود کہ مستحب ہے  
 کہ علامہ ابن قیم متنازع فیہ قیام میں، قیام سے منع کرنے والے حضرات کے  
 ساتھ ہیں لیکن پھر بھی وہ پریشان کردہ دوسری قسم کے قیام کو مکروہ اور ناجائز نہیں  
 فرماتے جس سے اندازہ ہو جائے کہ وہ قیام جس میں اختلاف ہے، صرف وہی  
 قیام تنظیم و محکم ہے جو علامہ اکرام اور مشائخ عظام کی خلعت و تعلیم کی وجہ سے کیا  
 جاتا۔ واللہ اعلم۔ بہر حال یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اس قسم کے اختلاف کو  
 چاہے کتنا ہی شدید طوع پر متنازع فیہ کیوں نہ ہو، کفر و شرک کے برابر اختلاف بنا  
 لینا یا کفر و شرک میں اختلاف ماننا اور محرم کو اس خلط و خلج سے پاک اور کرنا بہت  
 بڑا علم ہے۔

چاہت کوئی قیام کو جائز سمجھتے ہو یا اس کا مخالفت ہو، دونوں کے لئے ایک  
 دوسرے پر بے بالائزات دگھاگوئی پر مبنی خدمت نہیں، اس میں تیار و تضرع و تضرع  
 ہے۔

کو جائز رکھ کر اس سے بے نتیجہ اخذ کرنا کہ رکوع اور سجدہ تعظیم بھی جائز ہیں، یہ بھی  
 ظلمِ عظیم ہے۔ کیونکہ رکوع اور سجدہ تحیۃ کی حرمت صراحتاً ثابت ہے جیسا کہ  
 پہلے گزر چکا ہے۔ اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہیے جب رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: اَیْتَعَنِي بَعْثُ الْفُتَنِ اَوْ اَنْتُمْ اَوْ اَنْتُمْ؟ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 فرمایا لا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی نجات مبارک ہی کے لئے سجدہ  
 کر کے کہہ دے میں عرض کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ دوسری  
 بات یہ ہے کہ اس کی حرمت پر اجماع ہے، تیسری بات یہ کہ قیام کی بعض قسمیں تو  
 اجماع است جائز اور ثابت ہیں۔ لیکن سجدہ اور رکوع کی کوئی قسم جہنم رکوع اور سجدہ  
 دینِ اسلام میں جائز نہیں، اور صراحتاً ثابت ہے۔

---

یہ کیا ہیں کوئی کبھی دوسرے کے لئے بچے، تو فرمایا کہ نہیں۔

باب چہارم

توسل بالاعمال  
والذوات الصالحہ

## دعا اور توسل

انسان کو جب کوئی ضرورت پیش آتی ہے یا کسی مرض اور مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ غرض جب اس کو کوئی ایسا مسئلہ پیش آتا ہے جس کا حل اسباب کے تحت اپنے ممکن وسائل اور ذرائع کی مدد میں اس کو نہیں ملتا، تو ایسی حالت میں وہ ایک ایسی ہستی سے اس مسئلہ کے حل اور اس حاجت برآگاری کے لئے سوال کرتا ہے جس کے بارے میں اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اس کی پکار کو سن رہا ہے اور اس کی ہر شکل اور حاجت کو ماننا اور دیکھتا ہے۔ نیز وہ مشکلات و مصائب کو دور کرنے، مہمات اور ضروریات کے پورا کرنے پر بھی قادر ہے اور انکی اختیار اس کو حاصل ہے۔

موسیٰ ہاسٹم ہمیں یہ بتاتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی وہ ہستی ہے جو پوری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ وہ اسباب و ذرائع سے بالاتر اختیار و اقتدار کا مالک ہے۔ اور

لے اس سے مراد یہ ہے کہ اسباب کے ماتحت کسی سے مدد ملتی وہ خاص استغاثہ یعنی مدد طلب کرنا اور دعائیں صرف اللہ سے مانگی جاتی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مختلف قسم کے اسباب پیدا فرمائے ہیں جن میں تاثر رکھ کر جیسا کہ گری کا حصول پانی سے یا اس کا ختم یا گرمی یا بے مریضی کی شفا یا ال کے لئے دیویات کا شعلہ اور اسیوں کے ال باا حصول اہم کے لئے صحبت سنا کا اگر ہونا اسی طرح ہر انسانی دوسرے انہوں سے مدد حاصل کرتا ہے مسئلہ کو صاحب ہذا کی ضرورت، صاحب ملت کو ممالک کی صورت، گائیک کو مسلمان کی ضرورت ہے، امیر کو گائیک کی ضرورت، غرض انسان کا ضرور ملکہ و حکم و فیو جو بھی ہوں ایک دوسرے کی خدمت کرتے ہیں، ہر انسانی ہادی اسباب سے فائدہ اٹھانے اور دوسروں کے کام لینے کا متعلق ہوتا ہے ان سے مدد حاصل کرتا ہے جس کی وجہ سے دنیا کا نظام چل رہا ہے اور یہ مدد مانگنے کسی بھی دین و فریضہ میں کہاں نہادر منع نہیں بلکہ ناجائز و ممنوع وہ استغاثہ ہے جس میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کو صاحب اختیار بن کر ذاتی یا شریکاً کو فروغ

اس کا یہ اختیار و اقتدار اور قدرت اسی بے نہایت ہے کہ اس کے ارادے کے بغیر کوئی چنانہ بل سکتا ہے اور نہ کر سکتا ہے۔ وہ ہر جگہ ہر وقت تمام مخلوق کے حالات اور ضروریات کو پوری طرح جانتا اور دیکھتا ہے۔ وہی مسمتوں کا بنانے والا شکلوں کا مل کرنے والا۔ مہابت کو پورا کرنے والا اور مصیبتوں کو دفع کرنے والا ہے۔ یہاں تک تو کفار و مشرکین بھی مانتے ہیں کہ قادر مطلق اور ممتار کل سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی دوسرا نہیں۔ البتہ مسلمانوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی فرشتہ انبی اور ولی یا کسی دوسری مخلوق کو کسی دائرہ میں کوئی اختیار و قدرت ایسی پر نہیں کی ہے جس کی وجہ سے وہ اس دائرہ میں کسی کام خود مختاری سے پرہیز کرے اور اللہ تعالیٰ نے کسی کو یہ اختیار دے رکھا ہے کہ وہ کسی کی دعا کو قبول کرے یا نہ کرے اس لئے ایک مسلمان صرف اللہ سے ہی دعا مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی پر عمل کرتا ہے کہ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي اَسْتَجِبْ لَكُمْ ذَاتِي الْفَنِي يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَبِّحُْوْهُ اَزْجُودًا اَخِيْرُ يَوْمَ تَبُوءُ ۝۱۰ اور تمہارے پروردگار نے فرمایا اچھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا بلاشبہ جو لوگ میری عبادت سے سبکدوش رہیں وہ ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

**دُعا عبادت ہے** اگرچہ بعض مشرکین نے اس کی تفسیر میں یوں کیا ہے کہ تم میری عبادت کرو۔ میں تمہیں ثواب دوں گا۔ اور بعض نے وہ مفہوم لیا ہے جو اوپر ترجمہ میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت میں دونوں تفسیریں ہم معنی ہیں ان میں اصل کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ عبادت اور دعا اگرچہ منفی مفہوم کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے کے برعکس ہیں۔ اس سے اسباب سے اور نہ کوئی چیز داخل ہوتی ہے۔

لہذا مشرکین عرب اگر یہ کہتے تھے کہ تمام حق احوال اختیارات ملک مومن اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوست و اختیار کا کچھ حصہ فلاں شخص کے سپرد کیا ہے اور وہ شخص اس دائرہ میں خود مختار ہے اس لئے وہ جنوں و دیوانوں کو بچاتے تھے اور ان کی مہلت کرتے تھے جیسا کہ پہلے صفحات میں ہم نے ذکر کیا ہے۔



ہدایا میں مگر مصداق کے متباد دونوں میں کوئی تفاوت نہیں اس لئے یہاں پہلے فقرے میں جس چیز کو دُعا کے لفظ سے تعبیر کیا گیا، اسی کو دوسرے فقرے میں عبادت کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت نام ہے کسی کے سامنے استعلاء اور جبر کی عاجزی اور تعالٰیٰ اختیار کرنے کا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ وہ بند اپنے پروردگار کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کر کے اور اس سے دعا مانگتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور اس کی تعالیٰ کا احترام اور اپنی بندگی و عاجزی کا اقرار کرتا ہے، تو یہ ظاہر بندگی بجاگئے خود عبادت بلکہ مدح عبادت ہے اور اس پر ذکر دعا عبادت ہی ہے، رحمتہ للعالمین قائم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح اشارات موجود ہیں۔

چنانچہ حضرت عثمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذکورہ بالا آیت کو میری تفسیر میں یہ حدیث بیان فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **إِنَّ الدُّعَاءَ عَمَلُ الْعِبَادَةِ فَقَدْ قُرِئَ وَرَجِلُوا دَعْوَانِي اسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاجِرِينَ** یعنی دعا عبادت ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے استدلال میں یہ کیت تلاوت فرمائی: **وَقَالَ رَجِلُوا دَعْوَانِي اسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاجِرِينَ**۔

اور سنن الترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **الدُّعَاءُ عَمَلُ الْعِبَادَةِ** یعنی دعا عبادت کا فقرہ جسے حضرت ابو بکر صدیق حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **لَيْسَ شَيْءٌ أَوْلَىٰ مَعِيَ مِنَ الدُّعَاءِ** اللہ تعالیٰ کے نزدیک دُعا سے زیادہ کوئی چیز مجھ میں نہیں اسنن الترمذی ابواب الدعوات ۱۲۸

حضرت ابوسیدہ خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ **مِنْ مَسْئَلِيهِ يَدْعُو بِدَعْوَةٍ لَيْسَ فِيهَا شَعْرَةٌ وَلَا قَلْبٌ وَلَا عَيْنٌ إِلَّا أَعْطَاهُ اللَّهُ بِهَا** لہ الترمذی ابواب الدعوات ۱۲۸ اسی حدیث شریفہ کو مسند احمد جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۱ پر وغیرہ میں نقل کیا ہے، امام ترمذی اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ **بِإِسْنَادٍ مَعِي**۔



سے بلاخر کسی چیز کا سوال کرتا ہے وہ صریح شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔

جب دعا کی حقیقت اور اس کی حیثیت سے واقفیت ہوئی تو مناسب ہے کہ کسی عمل یا کسی مقبول بندہ پر دعائیں توسل کرنے کی حقیقت اور حیثیت کو بھی واضح کر دیا جائے تاکہ جائز و ناجائز توسل میں فرق و امتیاز کھل کر سامنے آجائے۔

**دُعائیں توسل کی اقسام** | دعائیں توسل کی کئی قسمیں ہیں بعض ان میں بالاتفاق وسیلہ اور ذریعہ سے یا حمد و ثناء و درود شریف پڑھ کر دعا مانگنا وغیرہ اور بعض اقسام بالاتفاق ناجائز مثلاً کسی مخلوق سے براہ راست کوئی ایسی چیز مانگنا جو اسباب سے بالاتر ہو مثلاً کسی انسان یا فرشتہ سے یا جن کو صاحب اختیار جان کر ان سے بلا واسطہ وغیرہ مانگنا۔

**استشفاع** | توسل کی ایک قسم استشفاع ہے جس میں کسی مخلوق سے براہ راست استشفاع | تو اپنی طلبات نہیں مانگی جاتیں البتہ ان کی خدمت میں گزارش کی جاتی ہے کہ وہ حق تعالیٰ شانہ کے دربار میں ہماری حاجت اور مراد پوری ہونے کی دعا فرمائیے اس کا حکم یہ ہے کہ جو حضرات دنیا میں تشریف فرما ہیں ان سے دعا کی درخواست کرنا بالاجماع ناجائز بلکہ مستحب ہے البتہ وہ نیک و صالح جو اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں ان کی قبور پر جا کر ان سے دعا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ اس میں ہمارے علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض اُسے جائز کہتے ہیں اور بعض اس کو ناجائز اور بدعت کہتے ہیں۔ جو حدیث توسل کی اس قسم کو بدعت اور ناجائز کہتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح توسل کے امتیاز کرنے سے شرک میں پڑ جانے کا خطرہ ہے اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ نیک اور صالح غرض سے اگر ان کی حیات میں دعا مانگی جائے تو یہ آپ کے نزدیک بھی جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہے تو پھر اس کے مرنے کے بعد اگر وہ آپ فردی کے شخص کے قائل بھی ہیں اس سے دعا کی درخواست کرنا بدعت اور ناجائز کیوں قرار دیتے ہیں۔ ملاحظہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ خلاصہ یہ ہے کہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی صالح شخص سے سوال کرنے میں اور وفات کے بعد ایمان ثابت ہونے کی سورت میں ان سے سوال کرنے میں فرق ہے کہ زندگی میں تو کوئی ان کی پرستش نہیں کر سکتا تا کہ یزید انبیاء و صالحین اپنی زندگی کے اندر اپنے حضور میں کسی مشرک یا حرکت کرنے کی اہانت نہیں دیتے تھے بلکہ روکتے تھے اور اس پر سزا دیتے تھے اس پر حضرت عائشہؓ نے متعدد اہل بیت کے یہودی میں سے چند یہودی کی حضرت یحییٰ علیہ السلام کا قول اس پر شاہد ہے۔

مَا قُلْتُ لِكُلِّهِ إِلَّا مَا أَمَرْتُ بِهِ	یعنی تو نے ہر لمحے حکم دیا تھا میں وہی میں نے
هَبْ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُمْ	انہیں کہنا یا تھا کہ اللہ جو میرا اور تمہارا سب کا
خَلْقُهُ شَهِيدًا قَاتِلْتُمْ فِيهِ بَهْ	پوروں کا سب سے کسی کی عبادت کرو اور جب تک یہی
قَاتِلًا تَوْفِيقِي كُنْتُ أَنْتَ الْوَقِيبُ	ان میں موجود رہا ان کا اخلاق حال ناچر جب تو نے
خَلْقُهُ وَانْتِ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا	بھڑکیا ہے، شاید تو تو یہی ہی کا غیبان تھا اور تو

تمام چیزوں کی خبر رکھتا ہے۔ (ماشاء اللہ ص ۸۸)

اسی طرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے یوں کہا۔ مَا شَاءَ اللَّهُ وَفُضْتُ تَوَاقُّبِي فَرَمَا: اَجْعَلْنِي لِلَّهِ بَدَلًا. مَا شَاءَ اللَّهُ وَحَدَّكَ: کہ یہ تو نے اللہ کا شریک بنا دیا پس یوں کو اللہ و سرہ جو پاس ہے اور اس کو نصیحت کر کے فرمایا کہ مَا شَاءَ اللَّهُ وَشَاءَ الْوَقِيبُ نصیحت کیا کرو بلکہ یوں کہ دیا کرو۔ مَا شَاءَ اللَّهُ فَتَرْتَأْتُهُ بَرْمَةً کی مرضی اور اس کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی۔

اسی طرح ایک شادی کے موقع پر انصار کی بچیاں اپنے ان آپس و اجلاؤ کی شہادت بیان کرتی تھیں جو بدر کے دن شہید ہو گئے تھے تو ان میں سے ایک بچی نے جب یہ کہا۔ تَوَفَّيْنَا رَسُولَ اللَّهِ يَتْلُو مَلَكِي عَذَابٍ ہم میں اللہ کے رسول موجود ہیں جو آئندہ کل کی بات جانتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ هَذِهِ وَفُوقِي بَاكَ ذَنْفٍ كُنْتُ لَكُمْ لَيْثِينَ ایسا مست کہ اور جو تو پہلے کتنی مٹی وہی کہہ اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم اہمیں (نماز میں) اسے بہتر آپ کے پیچھے گزرتے ہوئے (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے

ہوتے تھے، تو فرمایا لَا تَعْلَمُونَ كَمَا تَعْلَمُونَ اَوْ عَابِعُوْهُم بِبَعْضِ مَا بَيْنَ يَدَيْ  
عِزَّتِ وَتَعْلِيمِ ذِكْرٍ جِيسے جی لوگ ایک دوسرے کی کیا کرتے ہیں۔

اسی طرح جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہرا کرنے  
کا ارادہ کیا تو آپ نے منع فرمایا اور کہا۔ اِنَّهُ لَا يَصْلَحُ السَّجْدُ اِلَّا لِلّٰهِ وَ لَا كُنْتَ اَمْرًا  
اَعَدَّ اَنْ يَّسْجُدَ لَكَ وَلَا مَرَاتُ الْمَرْءُ اَنْ يَّسْجُدَ لِمَنْ وَجْهًا مِنْ خَلْقِهِ حَقًّا  
عَلَيْهَا اِيمِنْ بِمَنْ خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰی ہٰی کے لئے ہے اگر میں کسی شخص کو کسی شخص کے لئے  
سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ شوہر کو سجدہ کرے کیونکہ شوہر کا بیوی پر بہت  
بڑا حق ہے۔

اور جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں مذاق کا وہ گروہ پیش ہوا جو ان  
کی خدائی کا قائل تھا تو آپ نے ان کے جلاویشے کا حکم دیا۔

نہ لودہ سچے کر زندہ کا وہ گروہ تھا جو مسلمانوں کے ہر کار تھے اپنے کو شیعی مل باور  
لاتے تھے مگر ان کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بعد از یہ سببیں کا یہودی مظلّم تھا جس  
منافق نے اسی دوسرے دوسروں کے تخت بیودیت چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا جس کے وقت سینٹ پال  
اور مسلمانوں نے بیودیت چھوڑ کر عیسائیت قبول کی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یہی کوئی کرنا تھا وہی  
سب نے بھی وہی کہہ کرنا پانا جو سینٹ پال نے کیا تھا چنانچہ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خیر مول  
حیثیت و محبت کا نلکہ کہتے ہوئے ان کی شان میں مراء مراء کی ٹھوکر باتیں کرنا شروع کیں ان کی ان  
محبوب محبوب سمجھنے سے سوہا کہہ کر ان کی ایک بالوق بشتر جتنی ان کا نہ لکھ کشش کی بہن کم ضم  
لوسلوں کو یہ باور کیا اگر انہ نے موت و رسالت کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقرب کیا تھا یہی  
جبریل کو اشتباہ ہو گیا اور غلطی سے وہی محبوب و مساند کے پاس سے گئے۔ یہاں تک اسی منافق نے کہہ دیا  
وہی کو کہی سنی پڑھا یا ہو سلا دل پر مس نے عیائیں کو چھلکا تھا اور ای کا یہ عقیدہ ہو گیا کہ حضرت  
علی اس دنیا میں خدا کا روپ صادر کرتے ہی اور گویا وہی خدا ہیں۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی  
طوے بات پہنچی تو ان کے منہ کے کہہ لوگ ان کے ہر سعا سی طرح کی باتیں پہنچے ہی تو آپ نے  
ان ذہن فیصل کو قتل کر دینے اور لوگوں کی ہمت کے لئے آگ میں ڈالوا دیئے تاکہ حکم فرمایا کہ مایہ اللہ صلوٰۃ



سوال اور ان کی وفات کے بعد یا غیر ماضی میں ان سے درخواست کرنے میں فرق ظاہر ہو جاتا ہے اور صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں بجز تمام سلف صالحین میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا جو انبیاء کی قبور کے پاس نماز پڑھنے کو اختیار و پسند کرتا ہو یا عزرات کے پاس دعا کی ہو اور نہ کبھی غائبانہ ان سے سوال اور استئذان و فریاد خواہی کرتے تھے نہ قبروں کے پاس علیٰ ذہالبیاس احکامات اور مجاہد ہو کر بیٹھنے کا ان سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اس کے جواب میں قائلین حضرات فرماتے ہیں کہ بہت سے سلف صالحین فقہاء بلکہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی یہ بات منقول ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر ماضی ہو کر مسلولہ و سلم پڑھنے کے بعد ان سے بارگاہ الہی میں مسغرت اور خدش کرانے کی درخواست کرتے تھے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر پر ماضی کے وقت مسلولہ و سلم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں مسغرت اور شفاعت وغیرہ کی درخواست کرنے والی دعائیں اور ان دعائوں کی تسلیم سناسک ج وغیرہ کی کتابوں میں موجود ہے اس لئے ایسا شخص جو قبر شریف پر ماضی پڑے اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دعا اور شفاعت کی درخواست کرے تو یہ مجہول علمائے نزدیک ہائے جہنم ہیں۔ البتہ مافقہ ابی تیمیہ اور ان کے ہم خیال علماء اس کو نفی سنت اور بدعت کہتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا مجہول علمائے اس بات کو بھی ہائے جہنم کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مولا کسی دوسرے کی قبر پر ماضی ہو کر یہ درخواست کرنا کہ وہ قبر و مولا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری حاجت پوری ہوئے کی دعا کرے اس کے جواب میں یوں کہا جاتا ہے کہ جو صحابہ کرام اور متقدمین علمائے اس بات کے قائل نہیں کہ خود سے اپنے زیارت کرنے والے کے سلام کلام کو سنتے ہیں ان کے نزدیک تو مردوں کو خطاب کرنا بھی درست نہیں اس لئے ان میں سے تو کسی کے پاس سے میں نہیں کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس طرح توسل کا قائل ہو سکے اور نہ ان حضرات کا یہ معمول ہو سکتا ہے کہ وہ کسی میت سے دعا کی درخواست کرتے ہوئے سامع موتی کے بارے میں جی حضرات کا نظریہ تھا کہ قبر کے نزدیک مردے ہماری باتوں کو سنتے ہیں اور جانتے ہیں تو ان میں سے بھی کسی صحابی یا

مقتدہ میں حلالہ میں سے کسی سے یہ ثابت نہیں کہ اس نے کسی صالح یا شیعہ کی قبر پر جا کر ان سے دعا کی درخواست کی ہو۔ اس لئے ماننا ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد اور حلالہ اُلوسی اور دیگر متعدد حلالہ کرام رحمہ اللہ تعالیٰ اگرچہ اس بات کے قائل ہیں کہ مرنے والی ہلاکتیں ہوتی ہیں لیکن ہر کسی کی طرح دعا کی درخواست کرنے پر صوم جو اذکار مختلف دیتے ہیں اہل ان کے نزدیک توسل کرنا بدعت اور گناہ ہے البتہ بعض متاخرین حلالہ غیر انبیاء علیہم السلام کی قبور پر جا کر ان سے دعا کی درخواست کرنے کو بھی جائز بتاتے ہیں لیکن ہر بھی انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی نیک صالح یا شیعہ کی قبر پر جا کر ان سے دعا کی درخواست کرنا زیادہ کشتہ چیز معلوم ہوتی ہے اس لئے غیر انبیاء علیہم السلام میں انہیں کے توسل پر عمل کرنا حلالہ اور اسلم ہے حالانکہ اسلم

توسل کی اقسام میں سے ایک توسل ایسی بھی ہے جس میں نزاع کو منسود ہے لیکن یہ ایسی نزاع نہیں جس کی بنیاد پر کسی ایک فریق کو انوارہ فانیس میں سے ہو یا عسکری میں سے، مشترک بہ معنی یا گلوہ کہا جاتے اور یہاں صرف توسل کی اس قسم پر قدرت سے تفصیل سے بحث کر لی مقصود ہے تاکہ اس بے خطر توسل میں اختلاف کو دیکھ کر توسل کی دوسری اقسام کی کشتہ بھی واضح ہو جائے اس قسم کے توسل کے ساتھ توسل بالاعمال کی کچھ تشریح اس لئے پیش کی جاتی ہے تاکہ کسی شخصیت پر توسل کرنے کی حقیقت معلوم کرنے میں آسانی ہو۔

**توسل بالاعمال** | اپنی نیک اعمال پہلے سے ظاہری ہوں یا باطنی کی وسالت ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سے مانگا جاتے سوال کیا جاتے توسل کی اس قسم پر قرآنی مجید کے متعدد آیات کریمہ اور مادیت شریفہ شاہ میں جس میں سے صرف ایک آیت کریمہ اور ایک ہی حدیث پر گفتگو کرتا ہوں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد کریمی ہے۔

رَبَّنَا اِنَّا سَبَّحْنَا ثَمَّاءُ بِمَا نَدَىٰ  
لِيُؤْتِنَا اَنْ اَصُوًّا بِرَبِّكَ ثَمَّاءُ  
رَبَّنَا مَا غَفِرْنَا اَنْ اُولُوْنَا وَ كَفِّرْنَا  
سَيِّئَاتِنَا وَ تَوَكَّلْنَا اِلَيْكَ بِرَبِّكَ

یعنی اے ہمارے رب ہم نے اللہ کی طرف جانے والے حلالہ علیہم السلام کے اس صحن کوٹا کے علاوہ تمہارے رب کی ذات و صفات پر ایمان لایا تو ہم ایمان لے آئے اور ہماری برائیاں دور



کر دیجے اور ہم کو نیک لوگوں کے زمرہ میں شامل  
فرما کر موت دیجئے۔

اور ایک مجمع حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ میں آدمی کہیں ہمارے تھے، بارش  
نے انہیں گھیر لیا، وہ بارش سے بچنے کے لئے ایک غار میں داخل ہو گئے، پہلا ٹھیک  
پتھر غار کے منہ پر آگرا اور باہر نکلنے کا راستہ بند ہو گیا، اب انہوں نے کہا کہ جو اعمال ہم  
نے خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کئے ہیں، ان کے واسطے سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا  
چاہیئے، شاید اللہ پاک اس پتھر کو دور کر دے۔ تو ان میں سے ایک نے کہا اے اللہ  
میرے ماں باپ بزرگ تھے اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے، میں بجز یہاں جرتا  
تھا، جب شام کے وقت میں واپس آتا اور دودھ دوہتا تو سب سے پہلے اپنے ماں باپ  
کو پلا، ایک دن میں بجز یہاں کو جرات کرنے کے لئے بہت دور لے گیا اور رات دیر سے  
لونا میرے والدین سو چکے تھے، میں نے حسب معمول دودھ دوہا اور ان کے سر پرانے  
کمر باندھا، میں نے ان کو جگنا مناسب نہ سمجھا اور یہ بھی اچھا معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اپنے  
بچوں کو گھن سے پہلے دودھ پلا دوں، بچے جھوک کے مارے پڑتے رہے، میرا دل ان  
کا یہی حال رہا، یہاں تک کہ صبح ہو گئی، تب والدین جاگے اور انہوں نے پہلے دودھ چلایا  
پس اسے اللہ اگر میں نے یہ کام خالص تیری رضا کے لئے کیا، تو اس پتھر کو اتنا بھاڑ دے  
کہ میں اسمان نظر آجائے، تو اللہ تعالیٰ نے پتھر کو اتنا بھاڑ دیا کہ آسمان نظر آنے لگا، دوسرے  
نے عرض کیا اے اللہ میرے چچا کا ایک بیٹی تھی، تم کو اس کے ساتھ ایسی شدید محبت تھی  
جس قدر کہ آدمی کو عورت سے ہو سکتی ہے، میں نے اس سے اس کے نفس کا مطالبہ کیا  
اس نے انکار کیا، یہاں تک کہ ایک سال اسے قحط سے سخت تکلیف پہنچی، اور وہ  
میرے پاس رہجھوڑا آئی، میں نے اُسے ایک سو بیس دینار اس شرط پر دیئے کہ وہ  
میری خواہش نفس کو پورا کرے، جب میں نے اس پر تاجور پالیا، تو وہ کہنے لگی، اے اللہ  
کے بندے! اللہ سے ڈرا اور تم کو ناحق، تو تیرا پس میں اس سے فخرنا آٹھار اور اس سے  
اپنا سونا اور دینار بھی واپس دلایا، اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام خالص تیری

رضامندی کے لئے کیا ہو تو ہماری مصیبت کو دور کر دے پس اللہ تعالیٰ نے  
خار کے منہ کو تھوڑا اور گھول دیا۔

تیسرا شخص کئے لگا کر میں نے کچھ مزدور کام پر لگائے۔ جب انہوں نے  
کام ختم کر دیا تو میں نے سب کو مزدوری دے دی سوائے ایک آدمی کے جس نے  
دخا، ہو کر پانچا حق چھڑ دیا اور چلا گیا۔ میں اس کے حق میں زراعت کرنے لگا یہی  
نیک کہ بہت سال دوسری جمع ہو گئے۔ کافی مدت کے بعد وہ میرے پاس آیا وہ  
نے لگا اللہ سے ڈر مجھے میری مزدوری دے دے۔ میں نے اسے کہا کہ یہ سب خوش  
گھنٹے، بلی، بکریاں اور چرواہے لے جاتو۔ وہ کئے لگا اسے اللہ کے بندے میرے  
ساتھ مذاق نہ کرو۔ میں نے جواب دیا کہ میں تیرے ساتھ مذاق نہیں کرتا۔ پس وہ ان  
سب کو لے کر چلا گیا۔ اسے اللہ! اگر میں نے یہ کام خلاصہ تیرے لئے کیا ہو تو ہماری  
عیب کو دور کر دے۔ اللہ تعالیٰ وہ نیک نے اہل بہتر کو دور کر دیا اور وہ باہر  
نکل کر پٹے گئے (متفق علیہ، مشکوٰۃ باب البر والصلۃ)

تینوں حضرات نے اپنے اپنے نیک عمل کے ذریعے دعا کی اسی کو توکل  
بالاحمال کہتے ہیں اس قسم کا وسیلہ اختیار کرنے میں کوئی شک نہیں۔ یہ اجماع جائز  
اور مستحسن ہے۔

کسی شخصیت پر توکل | اللہ تبارک و تعالیٰ صائب علیہ السلام اور صالحین  
یعنی نیک بندوں کے ذریعے، وسیلے اور واسطے سے  
دعا کرنا ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر متقدمین اہل علم نے کئی علماء اور فقہائے کرام میں  
سے کسی نے ماس بحث نہیں کی اور نہ ہی ماس کو صراطِ منع فرمایا ہے۔ البتہ اس میں  
حضرت مانتا بن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے اختلاف کیا ہے۔ وہ اپنے رسالہ جامعہ  
جلیل میں لکھتے ہیں کہ:-

وَلَمْ يَنْهَ (التَّوَكُّلُ) قَدْ يَرَاؤُهُ ثَلَاثًا مَعْدُورٌ يَرَاؤُهُ أَمْرَانِ شَفَعُ  
عَلَيْهِمَا بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ أَحَدُهُمَا أَهْلُ الْإِيمَانِ وَالْأُخْرَى لَمْ يَرَوْهُمَا وَهُوَ التَّوَكُّلُ

بِالْإِيمَانِ بِهِ دَعَىٰ الرَّسُولَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَيَطْلَعُ بِهِ، وَالْثَّانِي دَعَا دُكَا  
وَشَقَلَهُ ثُمَّ وَخِذْ أَلَيْسَ نَارًا نَارًا؟ اَللّٰهُ تَعَالٰی جلد ۱۸۸ یعنی توسل کے تین معنی لئے جاتے  
ہیں۔ دوسرے تو تمام مسلمانوں کے اہل بالاتفاق ہائے ہیں۔ ان میں سے ایک تو اصل  
ایمان و اسلام ہے وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور ان کی اطاعت کے ذریعہ  
سے توسل کیا جائے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے۔ دوسرا یہ  
کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور شفاعت کا وسیلہ بن کر لانا یعنی توسل کرنا، اور یہ بھی نفع  
پہنچاتا ہے۔

اس کے بعد حضرت حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی بھی ان دونوں معانی  
میں سے کسی ایک کا انکار کر دے وہ کافر اور مرتد ہے مگر تو بہ ذکر سے تو مرتد ہونے  
کی وجہ سے قتل کیا جائے گا۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ دوسری قسم کے توسل سے انکار پر  
قسم کے انکار سے ہلکا کر ہے۔

چند مسلمات چھوڑ کر آگے لکھتے ہیں

قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ  
اسْتَحْثَا التَّوَسُّلَ بِطَلْعِهِ هَذَا اَعْرَضَ  
لَا يَتَعَرَّ الْإِيمَانُ إِلَّا بِهِ وَالْثَّانِي التَّوَسُّلُ  
بِدُعَائِهِ وَشَفَاعَتِهِ وَهَذَا اَكْتَارُ  
حَيَاتِهِ وَيَكُونُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَتَوَسَّلُونَ  
بِشَفَاعَتِهِ وَالْثَّالِثُ التَّوَسُّلُ بِشَفَاعَةِ  
الرَّسُولِ عَلَى اللَّهِ بِدُعَائِهِ وَشَفَاعَتِهِ  
هَذَا اَعْرَضَ لَمْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ  
فِي الْأَسْتِثْنَاءِ وَخَوَجَ لَا فِي حَيَاتِهِ وَلَا  
بَعْدَ مَمَاتِهِ لَا يَحْدُ قَبْرِ ۝ وَلَا غَيْرُ  
قَبْرِ ۝ وَلَا يَعْرِفُ هَذَا اَبَشَرُ

یعنی توسل سے تین معنی مرا لئے جاتے ہیں اصل  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا وسیلہ یہ تو نہیں ہے  
بجز اس کے ایمان بھل نہیں مگر دوسرے آپ  
صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ذریعہ اصل  
ہر ایک صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تھا اور شفاعت  
کے دن سب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا  
ذریعہ خود تین کے تیسری قسم توسل کی وجہ سے  
میں اللہ تعالیٰ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت  
مبارک کی قسم دی جائے تو ایمان کے نکات مبارک کو  
بنکر سوال کیا جائے یہ وہ توسل ہے جس کو صحابہ  
وصی و ائمہ نے کسی نہیں اختیار کیا یہ استدلال

مِنْ اِلٰهٍ دَعِيَٰتُوْا الشُّهُوْرَ تَوْبَتُهُمْ  
 وَ اِلٰهًا يُّشْكِلُ شَيْءٌ عَنِ ذٰلِكَ فَوَيْ  
 اِلٰهًا دَعِيَٰتُ خَيْبَتُهُمْ فَرَفَعَتْهُ وَ  
 تَوَكَّلُوْا اَوْ عَنِ مَنْ لَيْسَ قَوْلُهُ بِحُجَّةٍ  
 (تفسیر طبرستان)

مرفوع اور موقوفہ حدیث جس کی باقی میں یا ایسے لوگوں کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں جن کا قول حجت اور دلیل نہیں۔

اور اسی رسالہ میں لکھتے ہیں۔

وَ اَمَّا السُّؤَالُ بِهٖ مِنْ غَيْرِ اِسْلَامٍ  
 بِهٖ هٰذَا الْاِيْمَانُ مِمَّا مَتَّعْتُمْ غَيْرَ وَ اَجِدُ  
 حَقَّ الْعَلَمَةِ وَ الشُّبُهَاتِ الْقَوِيْحُوْنَ  
 اَلَيْسَ مَعَالِی اللّٰہِ عَلَیْہِمْ سَلَمٌ وَ خَلَقَہِمْ  
 اَکْثَرُ رَشِدًا مِنْ تِلْکَ حَقِّ ذٰلِکَ۔

اسی طرح حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جا بجا اس قسم کی عبارات لکھی ہیں اور ان میں انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ سب سے عطا کرنے والے تو اس سے منع فرمایا ہے اور دعویٰ بھی کیا ہے کہ تو اس کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے عہد مبارک میں نہیں تھی۔

پہلے دلو کی حمایت میں انہوں نے وہ حدیثیں نقل کی ہیں جو غیر اللہ پر قوم کھانے کی ممانعت میں آتی ہیں۔ یا وہ اقوال جو اللہ کو کسی دھیرا اللہ مخلوق کی قسم دینے کے بارے میں ہیں۔

وہ اپنے دعویٰ کی تائید میں فقہائے اصناف کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ۔  
 وَ یَعْلَمُوْنَ اَنْ یُّتَوَلَّی فِیْ دُعَاہِہٖ بِحَقِّ  
 فَعَلِیْہِ وَ بِحَقِّ اٰیٰتِہٖ اَنْ دُرِّسِلَتْ  
 (یعنی دعائیں یہ کہنا کہ عاقلان آدمی کے حق کے ذریعے یا جبر سے نہیں ہوتی۔)

لَا تَدْرِي لَوْ شِئْتَ لَفَلَمَّ خُلُقُكَ . عظیم مقام کا حق جو تجھ پر ہے اس کے ذیل

۱۳۵ ص ۳۶۷ (الہامیہ)

یہ کتنا مکروہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر مخلوق کا کوئی حق (واجب) نہیں بلکہ جس کو اللہ تعالیٰ خود اپنی رحمت سے بغیر کسی وجہ کے ناس کر دے یا اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں کے لئے کسی چیز کا وعدہ کرے تو یہ دوسری بات ہے،

کہ درپیش اسی طرح کے الفاظ میں یہی مسئلہ خلاصہ السنۃ النورانیہ جلد ۲ ص ۳۲۶ بحر الرائق جلد ۲ ص ۲۰۰ اور الدر المنثور جلد ۲ ص ۲۵۲ وغیرہ میں بھی موجود ہے۔

اور حقیقت یہاں چار الگ الگ مسائل ہیں۔

**چارہ مسئلے** | (۱) اول تو یہ کہ اللہ کے سوا کسی اور کے نام کی قسم کھانا مشغلوں کے کناکوں (انسان کی قسم یا کجہ کی قسم میں یہ کام نہیں کرنا گا۔ یہ بالاتفاق نامہائے اور وجہ توحید کے خلاف ہے۔

(۲) دوسرے مسئلے یہ کہ کسی مخلوق (یعنی اللہ کے سوا کسی اور) کی قسم اللہ تعالیٰ کو دی جاتے اس کو بعض علماء نے جائز لکھا ہے اور ثبوت میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک صحیح حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

رُبَّ أَشْعَثَ خَدٍّ قَسَمَ بِالْأَنْبِيَاءِ . بہت سے پرگنہ والے درپیش انبیاء صلوٰۃ  
لَوْ أَكْفَرَهُ عَلَى اللَّهِ لَوْلَا بَشَرًا . ہے دیکھتے بہتے ایسے ہی کہ لگتا ہے کہ قسم کھا رہی

(رواہ مسلم بخلاف) تو اللہ تعالیٰ ان کو قسم میں سچا کر دے۔

یہی یہ حدیث ان کے لئے دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ یہاں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ انہیں ان کی ذات کو ذیل بنا کر اللہ تعالیٰ کو قسم دی جاتے تو اللہ تعالیٰ اس قسم دینے والے سے سوال کو پورا کر دے گا۔ بلکہ یہاں تو خود انہی کی شخصیت کا حال بیان کیا جا رہا ہے کہ خود اللہ پر قسم کھائیوں کہ اللہ کی قسم اللہ ضرور ایسا ایسا کرے گا تو ان پر ان کو توڑ دیا جائے گا۔

۱۳۵ ص ۳۶۷ (الہامیہ) مسئلہ یہ کہ کسی کے حق کو ذیل بنا کر اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا مثلاً یہ کہ کناک

اے اللہ فطان کا جو حق تجھ پر ہے اس کے ویسے سے میرا فطان کام کر دے۔ اس کو بھی ہمارے علمائے نامہائز لکھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کوئی کچیر منہر ہی ملازم یا واجب نہیں۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے کرم و فضل سے کسی کو خاص کر دے یا کسی کیلئے کسی شے یا ثواب کا وعدہ فرمائے تو یہ یسائی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے خدا اپنی طرف سے مقرر کر رکھا ہے، ذریعہ کہ اللہ تعالیٰ پر کسی مخلوق کا حق اسلئے ثابت ہے لیکن بعض علماء اس کو جائز کہتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ بعض دعاؤں میں اسی طرح کے الفاظ موجود ہیں لائنہ و انتہا۔ اس کی مثالیں آئیں گی باب جو لوگ ایسے الفاظ سے دعا کرنے کو جائز فرماتے ہیں وہ ان الفاظ کو حقیقی معنی میں نہیں سمجھتے بلکہ اس سے برکت، ثواب جس کا اللہ نے از خود وعدہ کیا ہے حرمت وغیرہ مراد دیتے ہیں۔ لیکن چونکہ ظاہری الفاظ سے حقیقی معانی بھی ذہن اور فہم میں آجاتے ہیں اس لئے یہاں پر بھی منع کو بہتر سمجھا جاتا ہے اور اسی کو ترجیح دی جاتی ہے۔

(۴) چوتھا مسئلہ ہے کہ کسی نیک شخص کے طفیل یا برکت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جانے مثلاً اے اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل یا برکت سے میرا فطان کام کر دے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر متقدمین دہلے زمانے کے فقہاء نے کوئی خاص بحث نہیں کی ہے۔ اور جو حضرات اس کو منع فرماتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ توسل، آثار قبور میں ایسی وہ بڑے امام علماء رحمہم کی سمت مسلنے پر وہی کی ہے، کے ہاں نہیں تھا اور اپنے قول کی تائید میں مذکور بالا معنی فقہاء اور دیگر علماء کرام کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ حضرات جو اس قسم کے توسل کے قائل ہیں وہ مخالفین کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ متقدمین میں سے کسی نے بھی اس کو منع نہیں فرمایا اور اس بات کی تائید بھی بعض فقہاء۔ سے ظاہر ہوتی ہے جس کی بنا پر وہ کہتے ہیں کہ کسی توسل متقدمین فقہاء کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے جیسا کہ حنا بلہ کی کتابوں میں ہے۔

وَيَجُوزُ ذَلِكَ شَكْلًا مِّمَّا يَجُوزُ قِيلَ      یعنی نیک شخص کے ذریعہ توسل جائز ہے ۹

يَسْتَبِثُ تِلْكَ حَقِّي فِي مُسْكِدِ الْفَوْزِ  
کتابہ النور دوزخی اللہ یوسل بالنعوت  
کتابک میں فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ  
علیہ وسلم کے ذریعے تو سل کیا کریں اور کتاب  
خاندانہ المستحب وغیرہ میں اس پر تاکید کی گئی  
ہے۔ اس پر یقین کیا گیا ہے۔

اکثر خطبہ فقہانے اس قول سے یہی اشتقاقی توسل ہی مراد لیا ہے، بالبرائے  
کل کے اکثر علمائے خاندانہ کا وہی نظریہ ہے جو حافظ ابن تیمیہ کا ہے۔ اور وہ امام احمد  
رضی اللہ عنہ کے اس قول کی تائید کرتے ہیں جیسا کہ جامع فقہی نے کتاب القناع پر تطبیق  
کر کے لکھا ہے۔

يُؤَيِّدُ الْإِمَامُ أَحْمَدُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ  
یعنی امام احمد رضی اللہ عنہ کی مراد یہاں رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع والامت کرنے کے  
ذریعے توسل کا ہے، ذکر ان کی جگہ مرتبہ  
کے ذریعہ ہے۔

لیکن جامع فقہی نے امام احمد کے قول کی جو تائید کی ہے وہ حقیقت سے دور  
معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ حضرت امام نے تو صاف طور پر لکھا ہے کہ دعائیں آپ صلی اللہ  
علیہ وسلم کے ذریعہ توسل کی کریں  
اسکی طرح امام شافعی کے بارے میں تاریخ خطیب میں ہے جس کو متورکمان  
میں بھی نقل کیا گیا ہے کہ:

رَدَى الْقَاضِي أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْعَصْبِيُّ  
دوہنی ابو عبد اللہ اور خطیب بغدادی علی بن حجر  
سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے تھے کہ میں  
نے امام شافعی سے سنا ہے کہ کہتے تھے  
کہ میں امام ابو حنیفہ کے ذریعے سے تبرک  
میں لکھتا ہوں۔  
ما شیءا لکھتہ صوفیہ

اسی طرح دیگر متقدمین تقاضے کرام کے اور اقوال بھی موجود ہیں جن سے ثابت کیا جاتا ہے کہ توسل کی یہ قسم ان کے یہاں مروج تھی اور انہوں نے اسے منع نہیں فرمایا لیکن حقیقت یہ ہے کہ متقدمین علماء نے اس قسم کے توسل پر کوئی واضح بحث نہیں کی ہے، جس سے اس مسئلہ کی صحیح اور صاف نشاندہی ہو سکے۔ تاہم اخیر (بعد کے دور میں آلے والے علماء کے اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ مسئلہ سلف صالحین میں موجود تھا۔ وہ ثبوت میں بعض مادیات اور ایسے نثران مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزِ مبارک پر سلام کرنا یا وہاں باکرہ دہائی دینا یا شکرنا وغیرہ پیش کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ سے بھی کچھ اشارہ اس بارے میں نقل کئے گئے ہیں لیکن اشارہ کا اعتبار اہل مسئلہ میں اس لئے نہیں کیا جاسکتا کہ اکثر وہ غلطہ حال و محبت، انظارِ شوق یا بے باقی کے علم کی وجہ سے ہو سکتے ہیں۔

اور جو حضرات یہ فرماتے ہیں کہ توسل کی یہ قسم متقدمین و سلف کے پاس نہیں تھی وہ عدم جواز پر متقدمین کے ایسے اقوال پیش کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی قسم بخوردہ یا سہو گزشتہ لہ مقصد ایمان و شوق یا سہو امام حسن علی بن علیہ السلام سے کبیرہ گزشتہ امام محمد بن یوسف امامی المشرقی الشافعی مکتبہ الاولیاء السامیہ۔ المدینۃ المنورہ

لہ اس قسم کی روایات کا تعلق مسئلہ استخفاف سے ہے۔

مصر میں حال ان غائبانہ خطابوں کا ہے جو بعض صادق ذہنوں سے شکل میں شفا یا رحمت یا حمد و ثناء وغیرہ۔ یہ سب کچھ انکار محبت یا حسرت وغیرہ میں ہوا کرتے ہیں۔ جیسے شوق ماں اپنے بچہ کی دعائے کے بعد اس کا نام پکارتی ہے شوق اپنے اشار میں پہلوں، جھٹکوں، ہواؤں وغیرہ کو مخاطب ہوتے ہیں عشاق اپنے محبوبوں کو غائبانہ پکارتے ہیں حالات عریضیاں بھی خطاب ہو چکا۔ توحید غائبانہ مقصود نہیں ہوتی، اور نہ ان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ (یعنی جسے پکارا جاتا ہے) ہرگز پکار کر سن رہا ہے۔ بلکہ تو ایسی خطاب و پکار ہو گئی ہے جو عشق و محبت یا حسرت وغیرہ کی وجہ سے زبانوں پر جاری ہوتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ایسی غائبانہ پکار پر نہ تو واقعی احکام جاری ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ایسے خطابوں سے غائبانہ استخفاف اور توسل پر راستہ ہل کر ناجائز معلوم ہوتا ہے۔



کے بارے میں ہیں یا مخلوق کے حق کے ذریعہ سے دُعا مانگنے کی ممانعت پر وارد ہوتے ہیں۔ بالانکہ متقدمین علماء نے ممانعت کی وجہ بھی صاف بیان فرمائی ہے تاکہ کسی کو یہ وہم نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی مخلوق کا حق ثابت ہے۔ ابن کاقل واضح ہے: لَا حَقَّ لِمَخْلُوقٍ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى، اللہ تعالیٰ پر کسی مخلوق کا کوئی حق نہیں۔ اب نوسل کی اس قسم کو ناجائز کہنے والے حضرات درحقیقت مختلف مسائل کو غلط فہم کر رہے ہیں۔ اور فی الحقیقت متقدمین کے بعض افکار و اقوال اسی توسل کے جائز ہونے کی تائید کرتے ہیں (جیسا کہ اوپر گزر چکا، حضرات امام احمد و امام شافعی وغیرہ کے بارے میں)۔

اسی طرح متاخرین علماء کی اکثریت نے اس کے جواز کی تصریح کی ہے۔ بعض نے اس پر متسل رسالے لکھے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض علماء نے اختلاف جو کہ شرک و بدعت کے مسائل میں نہایت حساس واقع ہوتے ہیں انہوں نے بھی اس کے جواز پر تصریح کی ہے جیسا کہ ملاحظہ قاری اپنی آخری تصنیف شرح الشفا میں لکھتے ہیں۔

خَلِّ وَبِخْرُومٍ اَنْ يَقُولَ فِي صَلَاتِهِ بِحَقِّ  
قَلْبٍ يَنْتَا كَانْ اَوْ يَنْتَا اَوْ يَنْتَا اَوْ يَنْتَا  
اَوْ الْمَشْرِقِ الْحَرَامِ اَوْ يَنْتَا اَوْ يَنْتَا  
عَلِ اللَّهِ وَلَكِنْ قَدْ يَنْتَا اَنْتَا اَوْ يَنْتَا  
وَجَوَابُكُمْ اَنْ يَنْتَا لَكِنْ اللَّهُ جَعَلَ لَهُ  
حَقًّا فَعَلَا اَوْ يَنْتَا بِالْحَقِّ الْحَقْرَ مَنَّا  
وَالْعَمَلُ مَيْلُكُمْ بِنُ بَابِ الْوَسِيلَةِ  
وَقَدْ تَلَّى اللَّهُ تَعَالَى مَا يَنْتَا اَوْ يَنْتَا  
وَقَدْ عَلَّمَ مِنْ آثَابِ الدَّعَا الشَّوْشَلُ  
بِالْوَسِيلَةِ اَوْ الْوَسِيلَةِ عَلَى مَا فِي الْحَقِّ  
الْحَقِّ يَنْتَا جَاءَ مَا يَنْتَا لَكِنْ

کی گات کہ کہی عاں چاے ہی بواول اللہ  
یا حق بیت اللہ یا حق مشرق الحرام یا حق عالم  
ہے کیز عو مخلوق کا کوئی حق اللہ پر نہیں ہے لیکن  
کہا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر مخلوق کا کوئی حق ہے  
نہیں حواں اس کے جواز اللہ تعالیٰ نے اس کے  
لئے حق اور فضل مقرر کر دیا ہے یا اس سے  
مراد اس کی حرمت اور عظمت کے ذریعہ سے  
(سوال کرنا ہے) پس یہ وسیلہ کے باب دوا  
میں ہر دے دوا دوا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ  
اللہ تعالیٰ کے لئے وسیلہ دعو دوا اور بانیہ دوا  
دوا یا کے ذریعہ سے التوسل کرنا دوا کے آداب

اَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ  
وَبِحَقِّ مَنْشَأِي رَأَيْتَ نَالِي لَمْ  
أَخْرُجْ أَشْشَرَّ أَقْلًا مِنْكَ أَوْ لَا  
بِرَأْيِكَ وَلَا مَسْئَلَةٍ ..... الحديث

درشرح الشیخ ۲۸ ص ۱۱۰ و فی المصباح ص ۱۱۹  
الحمد للہ ۳۸ ص ۱۱۹

میں سے ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے  
اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں نالے  
کے ذریعے جو سائیس رہا تھے دلوں کا خیر  
بتجربہ سوال کرتا ہوں میں سے کس ذریعے  
جو تیری رضا کے لئے میرے لئے ہو  
تجربہ ہے میں میں میں نکلا ہرگز نہیں تکافیر  
کہ وجہ سے اور نہ تھوڑا ہے۔

اور علامہ کشمیری رحمہ اللہ کو اس مسئلہ میں کہ قرود ہے اور فرماتے ہیں  
وَهَذَا الشَّوْجَاءُ لَمْ يَكُنْ يَحْتَرِجُ  
وَمَنْعَهُ الْإِنْفِلَ وَحُجَّةُ اللَّهِ عَلَيْهِ  
إِبْنُ تَيْمِيَّةٍ وَأَبُو مُسْتَوْدٍ وَابْنُ تَيْمِيَّةٍ  
إِبْنُ تَيْمِيَّةٍ وَأَبُو تَامٍ وَابْنُ تَيْمِيَّةٍ  
إِنْ الْإِسْلَامُ عَلَى اللَّهِ بِعَيْنِ أَسْمَاءٍ  
لَوْ تَجَرَّوْا مَعَكَ يَنْتَهِى الْوَسْمُ عَلَى  
نَفْسِ الشَّوْجَاءِ فَإِنْ كَانَ الشَّوْجَاءُ  
فَلَسَّالٌ لَنَا فَحَبِّبْنَا ابْنَ تَيْمِيَّةٍ  
وَجَسَدُ اللَّهِ تَعَالَى فَإِنْ لَمْ يَكُنْ إِسْمَاءُ  
يَنْتَهِى جَارِدًا - (درشرح الشیخ ۲۸ ص ۱۱۰)

یہ تو مثل تاملین کے نزدیک جائز ہے اور مطلقاً  
ای تہمیت نے اس سے منع فرمایا ہے میں خود  
اس میں تردد ہوں کیونکہ ای تہمیت نے حضرت  
امام ابو حنیفہ کا قول مجروحہ دیکھ کر نقل کیا  
ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا سامنے مبارک کہ  
بیزر کا ہے کسی مخلوق کی قسم دینا جائز نہیں  
ہے مطلقاً نے اللہ تعالیٰ کو قسم دینے کی ممانعت  
کو زیادہ بنا کر تو مثل کہ نفی کہ ہے پس اگر تو مثل  
کا مطلب اللہ تعالیٰ کو قسم دینا ہے۔ چوتھوں  
ایا میں ہے جیسے کہ حضرت مطلق فرماتے ہیں۔

اور اگر تو مثل اللہ تعالیٰ کو قسم دینا نہیں ہے مسئلہ جائز اقامت ہے۔  
اور دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں۔ ترمذی شریف کی روایت میں ہے  
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو جو اندھا تھا ان کلمات سے تعلیم دی اسے  
اللہ تیرے سامنے تیرے نبی محمد کے وسیلے سے جو نبی رحمت ہے الہا کرتا ہوں پس  
آجے (اعرابی نے) عرض کیا۔ اے اللہ تو ان (مستور صلی اللہ علیہ وسلم) کی سفارش کو میرے



ان ماحطہ اللہ تعالیٰ۔ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و علی الصحابہ ککرام  
رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ولفاء من بعدہم بالقبول افضل واجم والقم وسلم فقد قبل  
ما قبل ان حقا وان کذا بالحق ہذا امر ان الاول ان التوسل بجاہ غیر النبی صلی اللہ  
تعالیٰ علیہ وسلم لا بأس بہ ایضا ان کان المتوسل بجاہہ ماحطہ ان بل جاہا عند اللہ تعالیٰ  
کالمقطوع بصلحدہ ولایتہ وامانہ وتعلم فی حقہ بدلت فلا یشترک بجاہہ لما فیہ  
من الحکمۃ الغنی علی اللہ تعالیٰ بالعلم بیلیم تحقیقہ منہ عز شانہ، وفی ذلک جبراً  
عظیمہ علی اللہ تعالیٰ الا انی اناس قد اکثر وامن دعاء غیر اللہ تعالیٰ من اولیاء  
الوحیاء عنہم والاموات وغیرہم مثل یاسیدی فلان اغثنی، ولیس ذلک من  
التوسل الباج فی شئ، واللہ انی بحال الموتی عدم الشفوعہ بذاک وان لا یجوز حول جاہ  
وقد حذرہ اناس من علماء مشرکاً وان لو یکون، فہو قریب منہ ولا یرى احد من  
یقول ذلک الا وہو یعرف ان المدعو الی القائب والیت المستغیب یصلو الغیب  
او یسمع السدہ ویقلع الذاک وبالغیر علی جلب الغیر وہذہ الاذی والامداد  
ولو تمکنا، وفی ذلک بلاء من سبکو غلیظہ فالعزم التجنب من ذلک وعدم  
الطلب او من اللہ تعالیٰ القوی الغنی الغال لما یرید۔

یعنی اس تمام ترجمت کے بعد بھی مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جاہ پر توسل  
الہ اللہ میں کوئی مشالقتہ نظر نہیں آتا۔ پس ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی حالت  
میں ہوا یا رحلت فرماتے کے بعد ہوا اور جاہ سے کوئی ایسا معنی مل کر دیا جائے گا جو  
اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کی طرف راجع ہو مثلاً اس سے مراد یہ ہو  
کر ایسی بچی اور بچی محبت جو عدم رد اور قبول شفاعت کا قاعدا نہ کہتی ہو، پس اس صورت  
میں قائل کہ اس قول، اے میرے اللہ میں توسل کرتا ہوں آپ کے نبی کی جاہ پر کہ  
آپ میری حاجت پر ہو گا، یا اس طلب یہ ہو گا۔ اے میرے مولا! مجھے جو محبت آپ صلی اللہ  
علیہ وسلم کے ساتھ ہے اس محبت، کو میری حاجت پر ہی کرنے کا وسیلہ بنا دیں۔ پس  
اس قول میں اور آپ کے اس قول میں کوئی فرق نہیں کہ اے اللہ میں توسل کرتا ہوں

آپ کی رحمت پر کراپ ایسا کر دیجئے۔ کیونکہ اس کا منہم بھی یہ بتا ہے۔ اسے اس نے اپنی رحمت کو دیر سے لئے، وسیلہ بناوے۔ اس عمل میں بلکہ دیر سے نزدیک، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باہ پر اللہ کو قسم دینے میں بھی مشائخہ نہیں، مگر سب دیر سے بیان کر رہا، معنی اختیار کئے جائیں، اور آپ کی حرمت کے ذریعہ سے مانگئے میں ایسا ہی کلام ہے جیسا کہ باہ کے ذریعہ سے مانگئے میں، اور اس جواز کو صرف ذات ہی پر توسل اور انکسار میں نہیں جاری کیا جاتا ہے۔ البتہ یہ ہے کہ توسل بالجہا کسی صحابی سے مروی نہیں اور شایہ انہوں نے یہ توسل اس لئے نہیں کیا ہو کہ شرک سے حفاظت ہو۔ کیونکہ اس وقت یہ دور تھا کہ چیز ان کے ذہان میں بہت دیر ہو جاتے، اس لئے کہ وہ اس وقت تک توسل کے زمانے سے کچھ قریب تھے، پھر آنے والے مصلحین نے ان کی اقتدائی کی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کب کو گرانے اور اس کو دوبارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طرز اور بنیاد پر بنانے (کے خیال) کو ترک کر دیا تھا کیونکہ ان کی قوم نیکو کفر کے قریب تھی جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے، اور میں نے جو جواز ذکر کیا ہے۔ (صرف) اس لئے کہ اس میں لوگوں سے حرج دفع ہو جاتے، اور توسل کرنے والوں کی طرف گمراہی کی نسبت کرنے سے بچایا جاتے، جیسا کہ بعض لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند ہستی پر توسل کرنے کے بارے میں یہ غلط فہم ہے کہ ان پر توسل کرنے والے گمراہ ہیں، اور میں نے جو یہ راہ اختیار کی ہے تو اس وجہ سے نہیں کو میرا میلان اسی طرف ہے کہ اس طرح (توسل بالجہا سے) دعائیں مانگنا ان دعاؤں سے افضل ہے جو مانورہ ہیں اور قرآن میں آئی ہیں، اور سنت و مبدک، اکی زبان سے صراحت کے ساتھ نکلی ہیں، کیونکہ اس بات میں کوئی منصف شک نہیں کرے گا کہ جو چیز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے تعلیم کی ہے جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمل کیا ہے اور بعد والوں نے اس کو قبول کیا ہے وہ افضل ہے اور بہت کامل پوری ہے اور الفیج ہے اور اسلم ہے، اور ہر قسم کے غل و خمش سے محفوظ (رہا) ہے۔

اسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے آگے نکلتے ہیں۔  
 یہاں دو باتیں باقی ہیں۔ ایک تو یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور  
 کی جاہ کے ذریعہ پر بھی دعا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ اس کی جاہ پر توسل  
 کیا جاتا ہے وہ ایسے لوگوں میں سے ہو جس کی جاہ اللہ تعالیٰ کے اہل ثابست ہو۔  
 جیسے کوئی یقینی طور پر صالح اور ولی اللہ ہو مثلاً انبیاء علیہم السلام اور وہ لوگ جن  
 کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر بتایا ہو مثلاً کونسا و بخیر و صحابہ  
 کرام رضی اللہ عنہم اور جس کے بارے میں ولی اور صالح ہونا ثابت نہیں تو اس  
 کی جاہ پر توسل نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ پر ایسا حکم لگانا ہے جس  
 کے بارے میں حق تعالیٰ و تبارک کی طرف سے کوئی ایسی تحقیقی بات نہیں معلوم اس  
 میں اللہ پر ایک عظیم جرات کرنا ہے۔

دوسری بات یہ ہے لوگوں نے غیر اللہ سے مانگنے میں بہت کثرت کی یعنی  
 زندہ یا مردہ اولیاء سے مثلاً یوں کہتے ہیں اے فلاں میری مدد کر اور یہ مبالغہ  
 توسل میں سے نہیں ہے اور مومن کی شان تو یہ ہے کہ وہ اس میں نہ پڑے اور  
 وہ شرک کی حدود کے قریب (بھی نہ جائے) اور اس کو ظلم نے شرک میں سے شمار  
 کیا ہے اور اگر اسے شرک نہیں ہے تو اس کے قریب ہے اور میں نہیں دیکھتا  
 کسی کو جو یہ ایسی باتیں کہ اے فلاں میری مدد کر اکتا ہو مگر وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے  
 کہ جس کو وہ پکار رہا ہے (چاہے وہ زندہ ہے یا مردہ) وہ غیب کو جانتا ہے اور  
 ہماری ندا کو سنتا ہے اور بذات خود قدرت رکھتا ہے اپنی ذات پر بھی اور غیر  
 پر بھی کو غیر کو حاصل کرے اور مصیبت کو دالغ کرے مگر یہ اس کا حقیقہ نہ ہو تو  
 وہ دعا مانگنے والا اس سے دُعا نہ مانگتا اور نہ دُعا کے لئے منہ کھولتا اور اس کا غلط  
 طرز عمل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم آزمائش ہے پس یقینی بات یہ ہے کہ  
 اس سے پرہیز کرنا اور اس رب اللہ تعالیٰ و تبارک سے مانگنا چاہیے جو کوفی اور  
 غنی ہے اور وہ کہنے والا ہے اس چیز کو جو وہ چاہے وہ فعال لا یرید ہے۔



تلاش یہ ہے کہ۔

انگروغات کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کے وسیلہ سے دعا مانگنی جائز ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہی آپ کو نظر انداز نہ کرتے، اور صاحب کلام رضی اللہ عنہ راہبین کے مجمع میں آپ کا وسیلہ چھوڑ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ کہیں اختیار نہ کرتے اسی طرح ان کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ چھوڑ کر یزید بن اسود رضی اللہ عنہ کا وسیلہ اختیار کیا۔ تو یہ واقعات اس بات کی دلیل ہیں کہ کسی بھی مخلوق کی ذات کو توسل کا ذریعہ بنانا جائز نہیں چاہے وہ زندہ ہو یا مردہ۔ کیونکہ یہاں بھی حضرت عباس کی ذات کو ذریعہ نہیں بنایا گیا اور توسل ایک بعد دنیا سے مراد توسل الیہ بد علم عقوبتینا ہے یعنی ہم لوگ اپنے نبی کے چمکائی دعا کا وسیلہ کرتے ہیں یہاں تک سے دعا کرنا مقصود و مقادیر کی ذات پر توسل کرنا۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ یہاں یہ دعویٰ کرنا کہ لفظ دعا جو منصف ہے ہم اپنی چمکائی طرف کو منحرف کیا گیا ہے غلط ہے۔ یہ ضمن ان کے ذہنی کیا یاد ہے حدیث شریف اس سے پاک ہے اس حدیث میں تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات کو وسیلہ اور واسطہ بنا کر حضرت عمر کا دعا مانگنا ثابت ہوتا ہے اور مسکین توسل اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے ذہن کی ایجاد نہیں بلکہ ان ہی روایات میں اس کا قرینہ موجود ہے۔ وہ یہ کہ پھر ان ہی حضرات سے دعا کروائی گئی جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں توسل سے مراد صرف ان سے دعا کروائی تھی۔ نہ کہ ان کی ذات پر توسل کرنا۔ اور قائلین توسل کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت معاویہ نے یزید بن اسود پر توسل کرنے کے بعد ان ہی سے دعا کروائی اس طرح ہمیں روایات میں حضرت عمر کے بارے میں بھی یہ آتا ہے کہ پہلے حضرت عمر نے دعا مانگی اور پھر ان ہی حضرات پر حضرت عباس نے یہی دعا کی جس سے تو صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک نیک آدمی



جو بڑے یا چھوٹے ہونے کا فرق نہیں۔ حدیث اہل صالح میں ہے کہ جب حضرت  
عمرؓ منہر پر رونق افروز ہوتے تو ساتھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما  
ہوتے۔ پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی۔

اللهم انا تو جعنا اليك بمعونيك اے اللہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ  
و حسنو ابیہ فاستننا الفیث ولا یخفنا ان کے باپ کی مثل کے وسیع سے تیری طرف شوق  
مننا فانطین۔ ہوتے ہیں ہم پر ہمت کر لے شہرہ ان میں  
یا اے اللہ میں نے دعا کی۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا اگر قہر یا  
ابا الفضل کو آپ بھی کفر فرمائیے اے ابو الفضل۔ تو انہوں نے یوں دعا کی جس کا مفہوم  
یہ ہے۔

اللہم لو می نزل بلاء فوالا بدینک اے اللہ مصائب کا نازل کرنا نہیں کہی جیسے بتا  
ولو یکشف الالبس و قد ہے اور یہ مصائب کہہ ہی سے وہ ہمتے بھی بڑے  
توجه بنی القوم الیک بالذنوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھے ہوا قتل، حریت  
و فراعینا بالتریة فاستننا الفیث منزلت حاصل ہے اس کے سبب قوم نے مجھے  
آپ کے حضور میں وسیلہ بنایا ہے ہم اپنے گناہوں کو ان سے پہلے سے عاجز ہیں وہ تو بدنامت سے سر  
جھکتے ہیں ہم پر ہمت کی بارش برسا۔

اس سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت عباسؓ پر رسول کے ساتھ  
ان سے دعا کرنا بھی مقصود تھا۔

اور علامہ الزرقانی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے  
فانتخذ وہ یعنی العباس وسیلۃ الی اللہ۔ یعنی حضرت عباسؓ کو اللہ تعالیٰ کے  
ساتھ وسیلہ بنایا۔ بلکہ الاستیعاب میں ابی عبد البزہؓ نے استشارہ عمر رضی اللہ عنہ کا سبب  
بھی بیان کیا ہے۔

کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں سحارہ (امداد) میں بہت سخت قحط پڑ گیا۔ فقال

کُتِبَ یا امیر المومنین یا بنی اسرائیل کا نذر اذ احصا بہم مثل هذا استقر  
بعضۃ الانبیاء فقال معترضا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصابہ  
وسید بنی حاشع فشی الیہ معترضا شکالہ۔ تو حضرت کمٹھ کے حضرت  
عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا اسے امیر المومنین جب بنی اسرائیل ایسی مصیبت میں  
بتلا ہوتے تو ابنا۔ طیرم السلام کی جماعت کے ذریعے توسل کرتے تو حضرت عمر  
رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجاز اور شل باب ہیں۔ اور  
بنی اشعم کے سردار ہیں۔ پس اُن کے پاس پلے گئے اور اس شخص کی شکایت کی جس  
سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں توسل بالذات ہے جو کہ قرابت رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کی وجہ سے ہے۔

جب توسل بالذات ثابت ہو جاتا ہے تو اس حدیث کی وجہ سے جو انہ  
توسل کو صرف زندوں کے ساتھ خاص کرنا بھی صحیح نہیں کیونکہ مانگنا تو اللہ تعالیٰ  
ہی سے ہے۔ زندہ شخصیت پر توسل تو اس لئے کیا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا  
نیک اور مقرب و مقبول بندہ ہے۔ اگر وہ وفات پا جاتا ہے تو موت کے ساتھ  
اس کی نیکی اور مقبولیت تو زائل نہیں ہو جاتی کہ ان کے مرنے کے بعد توسل کو انہ  
پانا جاتا نہ قرار دیا جائے۔

پس حضرت عباسؓ کے واسطے سے دعا کرنے سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے  
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے توسل صحابہ کے ہاں ناجائز تھا۔ اور یہی منہ  
نے وضاحت کی ہے کہ آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کا وسیلہ اختیار کرنا چونکہ جائز  
نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے بیچوز آپؐ کے حجاز عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنایا۔ بلکہ  
حدیث میں یہ جملہ قابلِ غور ہے: انا توسل الیک بموئینا۔ ہم تیرے حضور میں اپنے  
بھی کے چما کا وسیلہ لے کر آتے ہیں۔ یہ نہیں کہا گیا کہ ہم تیرے حضور میں عباس بن  
ہبہ اللہ علیہ السلام یعنی عباس جو بیٹا عبد المطلب کا ہے کا وسیلہ لے کر آتے ہیں جس  
سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بھی دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو وسیلہ بنایا گیا ہے

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کا اظہار کی گیا ہے، بلکہ اس حدیث مبارک سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کوسل، زیادہ نیک آدمی یا فاضل کی موجودگی میں بھی ایک کہ درجہ کے نیک آدمی یا مفضول کے ذریعے ہی جانتا ہے، جیسا کہ کسی سے دُعا کی درخواست کرنا، فاضل اور مفضول دونوں سے جانتا ہے۔

اور اس کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایات سے تو صاف ظاہر ہے کہ مفضولان حضرات کا حضرت عباسؓ اور حضرت جبریلؓ پر یہنا سوڑ کے وسیلہ اور ذریعہ اللہ تعالیٰ سے بارش کی درخواست کرنی تھی، اور اس کے لئے انہی حضرات سے دُعا کرنا تھی۔ سنا کسی ذات پر تو سب کو اتوں روایات میں اس کا بابت کہ امتثال سے غرض مذکورہ بالا روایات میں تنگی اور مانیوں دونوں کے لئے بحث ہمارے کی کافی ٹھنڈی موجود ہے، اور جو لوگ قول کا انکار کرتے ہیں وہ طہرائی و طہر کی ایک حدیث سے اس کے منہ پر استدلال کرتے ہیں یہ ہے۔

ایک منافی مسلمانوں کو تکلیف پہنایا کرتا تھا، تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو موانستغیث برسول اللہ من هذا المناق، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا يستغاث بنی و انما يستغاث باللہ، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اہل منافق کے خلاف فریاد لے جاتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فریاد مجھ سے نہیں کی جاتی، فریاد تو خاص اللہ تعالیٰ ہی سے کی جاتی ہے۔

اس حدیث کے جواب میں کیا جاتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے مگر اس کو مانا کہ وہ زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب بھی تھا، اس کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر اتنا رائے ماننے کا دیکھنا، ان کو وہاں مامور کرنا، اللہ تعالیٰ کی بارش سے انہی سے دعا کرنا تو یہ، مگر اتنا ایسی ہیں کہ صرف اناسم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول حضرت عباسؓ سے نہ مانا کہ ان تعالیٰ کی بارش میں دعا کرتے تھے، ان کی بات کو دیکھنا کہ ان کا رسول اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا، یہ شاید اس کے لئے فضیلت پر بارش ان کا فراموش...

بھی جلتے تو اس کا بیج منہم اور تفصیل ایک دوسری حدیث شریف سے معلوم کیا جاسکتا ہے جیسا کہ سنن ابی داؤد میں جبیر بن مسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عراقی آیا اور کہنے لگا: جاہلیہ شہت میں ڈال دی گئی ہیں اور اہل دعیال جس کے وہ اس حال میں نقصان پہنچا رہا ہے اور کوشی ہلاک ہو گئے ہیں۔

فاستسقى الله لنا ماء فاستشفع بك  
سراپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا  
علی الله فاستشفع بالامطيات  
کر رہا ہم آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے شفاعت  
فقال النبي صلى الله عليه وسلم سبحان الله  
طلب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ذریعہ آپ سے  
سبحان الله فمالا يسبح حتى عرف  
شفاعت طلب کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم  
ذلت في وجوه اصحابه ثم قال  
نے فرمایا: کان اللہ بھلا اللہ آپ پر تکبر  
وحيك انه لا يستشفع بالله على احد  
پڑھتے رہے یہاں تک کہ کلمہ رضی اللہ عنہم کے  
شان الله اعظم من ذلک وروہ ہوا نہ  
چھوڑنے پر ملا تیری حالت پر مٹوس ہذا  
تعالیٰ کو ذریعہ نیکو کسی سے شفاعت نہیں کی جاتی، اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بڑی ہے۔

اب یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عراقی کے اس قول استشفع بالامطيات (یعنی ہم اللہ کو ذریعہ بناتے ہیں آپ کے پاس شفاعت کا) کی توجہ دینے کی اور منع فرمایا لیکن اس کے پہلے قول انا استشفع بك علی اللہ کا ذکر ہم آپ کو ذریعہ بناتے ہیں اللہ کے اس شفاعت کا اگر کوئی انکار نہیں فرمایا اور اس قول کو جواز پر ہی مقرر کر دیا گیا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلی حدیث شریف کا بھی یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ذریعہ بنا کر کسی مخلوق سے فریاد یا شفاعت نہیں طلب کی جاتی، لیکن مخلوق کو ذریعہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے توسل اور شفاعت جائز ہے۔

یہاں کا جواب منکر یہ توسل یہ دیتے ہیں کہ مخلوق پر توسل اور ان سے شفاعت کرنا حرام ہے۔ اگر وہ زندہ سے تو ان سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دوسرے

درخواست کی جانے ذکر اس کی شخصیت پر توسل کرنا۔

**قائلین توسل کے دلائل** | الغرض جن اسادِ بیت سے ملاحظہ ابن تیمیہ اور ان کے ہم خیال متنازع فیہ توسل کے منہ پر استدلال کرتے ہیں انہی روایات اور متفقہین کے اقوال سے ان کے مخالفین اس کا جواز ثابت کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ توسل کے قائلین قرآن مجید کی آیات، احادیث اور آثارِ مجبی جواز میں پیش کرتے ہیں، جن میں سے چند حوالے پیش کئے جاتے ہیں۔

وَلَمَّا جَاءَتْهُمْ كَيْفَ بَرَأَ  
وَبَدَّ اللَّهُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ  
كَأَنَّهُمْ قَبْلُ لَمْ يَسْتَفْهِنُوا عَلَى الَّذِي  
كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ شَاعُرُوا كَفَرُوا  
بِهِ خَلَعَتْهُ اللَّهُ عَلَى أَكْثَرِهِمْ

اور جب آنی ان کے پاس کتاب و قرآن مجید اور  
تصدیق لکھا ہے اس کتاب تو ملا، کی جو ان کے  
پاس ہے اور وہ اس سے قبل اس کی تکذیب  
کافروں پر فوج مانگتے تھے تو ہم جب ان کے پاس  
دوبارہ آئے جسے وہ جانتے تھے تو انھیں کہہ دیا اس

۱۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۰۶  
یہاں یہود کے واسطے کفر اور تعصب کی ایک مثال بیان کی گئی ہے تو یہاں اور  
انجیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو باتیں موجود تھیں ان کی وجہ سے یہود  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا شدید استہزاء کر رہے تھے، اور اپنے دینی و دنیاوی  
مقاصد میں کامیابی اور اپنے مخالفین پر فوج مہندی کو آپ کی بعثت پر منحصر سمجھتے تھے وہ  
اللہ تعالیٰ سے جس طرح فوج طلب کرتے تھے اس کے پاریس مختلف اسباب نزول  
آتے ہیں ان میں سے دو کو عام طور پر بیان کیا جاتا ہے، اور یہ دونوں باقی شان  
نزول سے زیادہ قوی ہیں، پہلی شان نزول علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس  
رضی اللہ عنہ اور قتادہ کی روایت سے نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ  
علیہ وسلم کی بعثت سے قبل بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے  
دیکھنے کے واسطے مدینہ منورہ کے مشرکین پر اللہ تعالیٰ سے فوج مانگتے تھے جیسا کہ سدی سے  
روایت ہے کہ جب ان کے اور مشرکین کے درمیان جنگ سخت ہو جاتی اور فوج کی کوئی

ظاہری صورت میں تھی تو اس وقت تو رات کو سامنے رکھ کر کہتے اور ان مناجات پر ہاتھ رکھ کر دعا کرتے، جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مناجات اور کلمات کا ذکر تھا وہاں لکھتے۔

اللہم انا نسلک بحق نبیک الذی وعدتنا ان نبش فی آخر الزمان ان تنصرنا الیوم علی حدونا فینصروی  
اب اللہ ہم تجرے تیرے اس نبی کے حق میں  
خود تیرا ان نبی کے آخر الزمان میں  
ہم کی ہمت کا کرنے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ  
تو ہمیں اپنے دشمن پر فتح دے، ہمیں کی دہلیز  
ماکرم اودیتہ نے ایک ضعیف سند سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے  
اسی نسخہ کی روایت نقل کی ہے جس میں ہے کہ خیر کے یہود دشمن کے مقابلے میں  
اس طرح دعا کرتے تھے۔

اللہم انا نسلک بحق محمد النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجہ لنا فی آخر الزمان  
اب اللہ ہم تجرے تیرے اس نبی کے حق میں جو  
خیر سے، اے صلہ کرتے ہیں، اللہ نبی کے  
لے ہمارے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ تو اس کو  
ہمارے لئے آخری زمانہ میں مبعوث فرمائے گا۔

اس کے علاوہ تفسیر کبیر میں علامہ رازمی نے اس آیت کی شان نزول میں پانچ وجوہ تحریر کی ہیں۔ ان میں سے دو ایسی ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہود کا قتل کرنا ثابت ہوتا ہے۔ اور تفسیر ابن کثیر میں بھی اس کے قریب قریب حدیث نقل کی گئی ہے۔ اگرچہ ان کے نزدیک ترجیح دوسری روایت کو معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح تفسیر طبرانی مسند اور امام بیہقی نے بھی اپنی تفسیر میں یہ ایسی روایتیں جمع کی ہیں جن میں بعض سے تو صل اللہ علیہ وسلم صراحتاً ثابت ہوتا ہے۔

(دیکھئے اللہ الممشور ج ۱ ص ۸۸)

دوسری وجہ سبب نزول میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اہل کتاب اپنی ترقی اور ترقی کا انحصار آپ کی ہمت اور تشریف آوری پر رکھتے تھے اور مشرکین عرب سے کہتے تھے

کہ عنقریب محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائیں گے تو ہم ان کے ساتھ مل کر تم کو  
ختم کر ڈالیں گے۔ جیسا کہ تفسیر ابن کثیرؒ میں اس کو قادیان سے نقل کیا گیا ہے اور ابوالہادی  
رحمہ اللہ سے بھی اس کی یہی تفسیر منقول ہے کہ۔

کانک الیہود تستنصر ب محمد	یہود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے مشرکین
صلی اللہ علیہ وسلم علی مشرک	عرب کے مقابلہ میں نصرت طلب کرتے تھے کئے
العرب فیتقولون اللہ ما البعث	تھے اس لئے بھیجئے نبیؐ کی کا ذکر ہم تو دات
هذا النبأ الذی عندنا ملکنا لنعلمنا	انجیل میں پائے پاس لکھا ہوا پائے نبیؐ تاکہ ہم
حقی نعدب المشرکین ونقتلھم	مشرکین کو عذاب دیں۔ اور ان کو قتل کر دیں۔

(ابن کثیر ۱/۱۶ ص ۱۲۲)

اسی طرح تھوڑے سے فرق کے ساتھ جہد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے  
بھی روایت منقول ہے۔

انفرض اہل کتاب کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ فتح و نصرت طلب کرنے  
کا مطلب ان روایات سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ آپ عنقریب  
دنیا میں تشریف لائیں گے تو ہم ان کے ساتھ ہو کر مشرکین کے خلاف جنگ کریں گے  
اور ان پر فتح حاصل کریں گے۔ پس جہد اللہ سے یہی سوال کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس نبی  
موجود کو بلدی کیا بھیج دے تاکہ ان کو فتح حاصل ہو جائے۔

اب جو حضرات توسل کو منع فرماتے ہیں وہ اس دوسری روایت کو دیکھتے ہیں اور  
سبب نزول کی پہلی مذکور روایت کو دوسری کی نسبت کمزور سمجھتے تھے جب دوسری  
روایت زیادہ قوی ہوئی تو اس آیت سے توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم پر استدلال صحیح  
نہیں بلکہ بعض مفسرین نے اس آیت کو میری تفسیر یہ کی ہے کہ آپ کی بعثت سے قبل  
وہ آپ کے اوصاف حمیدہ بیان کرتے تھے دیکھ لیں انے والے ہیں اور ایک کتاب  
لانے والے ہیں اور آپ کی بعثت کے بعد وہ منکر ہو گئے۔ لیکن اس کے جواب میں کہا  
جاتا ہے کہ یہاں ان دونوں روایتوں میں تضاد یا تشاد کی کوئی وجہ نہیں کہ ایک کو تو

مان لیا جائے اور دوسری کو مکمل طور پر خارج کر دیا جائے۔ بلکہ دونوں روایتیں اپنی جگہ  
 صحیح ہو سکتی ہیں۔ اہل کتاب آپ کی ذات مبارک کو تو تسلیم کر لیں بھی بناتے ہوں گے  
 اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی دعا بھی کرتے ہوں گے اور یہی بات  
 اس دوسری تفسیر کے بدلے میں بھی کہی جاتی ہے کہ اہل کتاب مشرکین عرب کے  
 سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ بیان کرتے اور دعا آپ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے طفیل سے دعا بھی مانگتے۔ اس میں تعادل و تقابض نہیں کسی طرح بقنی  
 تفسیریں اور اسباب نزول بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں سے کوئی تضاد ایسا نہیں کہ  
 ایک کو مان لیا جائے تو دوسرے کے لئے کوئی گناہ نشہ رہے۔ بلکہ ملاحظہ فرمائیے  
 کے شاگرد و مانتا پیغمبر خدا نے بھی بدائع العوائد میں پہلی تفسیر کو نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں  
 ان اليهود ویحارون جیرا نفعون نماز باہمت میں یہ دعا پڑھنے عرب پڑوسیوں  
 العرب فی الجاہلیہ ویستنصرون سے لڑتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے نبی صلی اللہ  
 علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم قبل علیہ وسلم کے ذریعہ زمین الٰہ کے وسیلے سے مغفرت  
 ظہور فرمائی تھی لہذا وہ یمنیہ و یمنیہ وہ تھے تو ان کو فتح ہو جاتی اور  
 علیہ وسلم وہ واقعہ الخندق ۳۳ ص ۱۳۵ ان کی حد کی جاتی۔

**قابلین کا احادیث سے استدلال** | اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ  
 علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ حضرت  
 آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب اجمول کی انگور نشہ ہوئی رجب کی وجہ  
 سے جنت سے دنیا تک بیچ دیتے گئے تو ہر وقت روتے تھے اور دعا۔ واستغفار  
 کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آسمان کی طرف منہ کیا اور عرض کیا۔ اسئلک بحق  
 محمد مغفرت لی۔ اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے مجھ سے مغفرت چاہتا  
 ہوں۔ وحی نازل ہوئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کون بیل رجب کے واسطے سے تم نے استغفار  
 کیا، عرض کیا کہ جب آپ نے مجھے پیدا کیا تو میں نے عرش پر نکھایا دیکھا تھا لہذا اللہ  
 محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مخلوق میں ہادی سنی نہیں ہے جن





علیہ وسلم اندکان استغفرت بصالحات  
المہاجرین۔  
طیرو سلم فقراء مہاجرین کے ذریعہ اللہ تعالیٰ  
و تبارک سے فتح طلب کرتے تھے۔

درود فی شرح السنۃ مشکوٰۃ باب فضل الفقراء

اور ملا علی قاری رحمہ اللہ ابن ملک رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ  
صلی اللہ علیہ وسلم فقرائے مہاجرین کے توسل سے اس طرح دعا مانگتے تھے۔

اللہم انصرنا علی الاعداء بحق  
عبادک الفقراء المہاجرین۔  
اے اللہ ہماری مدد فرما دشمنوں اور کفار کے  
مقابلہ میں تیرے فقرہ مہاجرین بنوعل کے حق

(المرقاۃ کتاب الرقاق) (اصیل) سے

اور شیخ عبدالحق شمس المسماۃ میں یوں نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ  
وسلم دعائیں اس طرح کرتے۔

اللہم انصرنا بقرباء المہاجرین۔  
اے اللہ ہماری مدد فرما فقرہ مہاجرین کی  
برکت یا وسیلہ سے

اس سے منکرین توسل یہ جواب دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فقرہ مہاجر  
کی دعا کے ذریعے فتح مانگتے تھے ذیہ کی ذات پر توسل فرماتے تھے۔

اس بات کو قائلین توسل رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ دعویٰ باطل ہے اور  
مریض شریفین سے تو ہی توسل معلوم ہوتا ہے اور اس پر مرقعات اور اشعث المسماۃ

کے محالوں کی شہادت بھی موجود ہے۔

منکرین توسل کی طرف سے جواب یوں دیا جاتا ہے کہ دعویٰ باطل نہیں بلکہ  
اس پر قوی دلیل موجود ہے چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بہت دیر، بہادر، قوت

والے عربی شخص تھے۔ ان کا بیٹا مصعب بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما صحیح بخاری میں  
اس سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت اسعدؓ (یعنی اس کے باپ) کو یہ گمان ہو گیا کہ ان کو

لے گا۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اسے ثابت کیا۔ اس کا رد علماء اہل تشیعہ و اہل طوائف میں سے ہے جو حضرت و فقہان

صلی اللہ علیہ وسلم استغفرت بصالحات المسکین (المرقاۃ)

ان سے کم تر اضعیف اور فقیر شخص پر فضیلت حاصل ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل تنصرون و قتل قون الا بضغائن کفر بہا عن کتاب الہدایہ ص ۳۵۵ ج ۲۵ یعنی تباری حدود دشمنان اسلام پر، نہیں کی جاتی اور نہ تمہیں رزق دیا جاتا ہے مگر اپنے ضغنا کی برکت جس کا مطلب یہ ہے کہ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ خیال اور گمان ہوا کہ ان سے کمزور اور ضغنا کی نسبت اسلام کو زیادہ فتنہ ہے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس گمان کی اصلاح کی اور یہ کلمات بدشگونی فرماتے اور ان کلمات میں است کو یہ بتایا کہ یہ گمان رکھو کہ آپ کو قوت، شجاعت و غیورگی جب سے دوسرے غمراہ اور کمزور مسلمانوں پر فضیلت حاصل ہے بلکہ انہی ضغنا سے کمزور مسلمانوں کی خلع از دعاؤں کی برکت سے آپ کو کفار و مشرکین پر فتح حاصل ہوتی ہے اور رزق بھی۔

یہاں تو ظاہر ہے کہ ضغنا اور کمزوریوں کے طفیل دعا مانگنا مقصود نہیں اور نہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان پر توسل کر کے دعا کی تھی بلکہ یہاں مراد صرف ان کے اطمینان اور دعا کی برکت بتانا ہے اور کمزور، ضعیف و گول کو کم تر سمجھنے کی تعلیم ہے پس اسی طرح مذکور بالا حدیث سے بھی مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غمراہان پر دعا کے ذریعے فتح مانگتے تھے۔

۴۱) اسی طرح ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح ملکہ دارمازن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں تمنا چڑ گیا تو ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر پر تشریف لے گئے اور کہا یا رسول اللہ استسقی اللہ لامتناہا فانیہو قد هلكوا فاما ورسول الله صلى الله عليه وسلم في العام فقال انت عس فاقرتك السوء وانجس فانیہو یستقون اللہ بہ دارنا۔ اور فاما ص ۴۲، ۴۳ معبرہ میا ستر اش العربیہ ہے رسول اللہ اللہ تعالیٰ سے اپنی است کے لئے بارش مانگ لیں، وہ تو ٹھاک ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو غراب میں آئے اور فرمایا کہ عمرؓ کے پاس جاؤ، ان کو سلام کہنا اور خبر دینا کہ ان پر بارش برساتی جائے گی۔

اس حدیث سے استدلال اس طرح کیا جاتا ہے کہ اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی جب کہ آپ بزدل نہ بنیں تو اس میں ہلکا ہوا ہے جس کا ممکن مسئلہ اشتقاق سے ہے، تو اس پر حضرت عمرؓ نے انکار فرمایا اور نہ اور کسی صحابی نے ان کے اس فعل کو بڑھا جانا۔

اس روایت پر انہیں تو اس اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں خواب دیکھنے والا شخص معلوم ہے کہ یہ شخص کون تھا اس کا نام کیا تھا، صحابی تھا یا غیر صحابی وغیرہ۔

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ خواب دیکھنے والا کوئی نامعلوم شخص نہیں بلکہ وہ ایک صحابی ہے جس کی نشان دہی سیف بن عمرؓ نے الفتوح میں کی ہے کہ خواب دیکھنے والے ایک صحابی تھے جس کا نام جل بن الحارث المزنی ہے، لیکن انہیں اس کو رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سیف بن عمرؓ ایک ایسا راوی ہے جس پر ائمہ جرح و تعدیل نے سخت تنقید کی ہے بلکہ بعض نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ واحدی کی طرح جھوٹی اور من گھڑت حدیثیں گھڑتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ سیف بن عمرؓ بہت ہی کمزور اور ضعیف راوی ہے جس پر مائتہ نہیں کیا جاتا، اور صرف اس کی روایت پر اعتماد کر کے اس شخص سے حضرت جلال بن الحارث المزنی مراد لینا صحیح نہیں، لہذا روایت میں اس شخص کو بدستور ایک نامعلوم شخص سمجھا جائے گا۔ اس کے جواب میں قائلین کہتے ہیں، اگر مان لیا جائے کہ خواب دیکھنے والے کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ وہ کون تھے لیکن مالک الحداد ایک ثقہ راوی ہیں جو اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں تو اس مسئلہ کو ایک نامعلوم شخص کے خواب اور اس کے توکل کہنے پر استدلال کر کے اس کو ثابت نہیں کیا جاتا، بلکہ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ وہ شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور انہیں خبر دی تو حضرت عمرؓ رو پڑے اور فرمایا اے میرے رب میں نے کوئی گناہی نہیں کیا مگر جس امر سے میں عاجز ہو گیا تو یہاں استدلال اس بات سے ہے کہ حضرت عمرؓ کا اس شخص کے خواب اور اس کے اسی طرح توکل کرنے پر کوئی انکار نہ فرمایا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس توکل کو ماننے سمجھتے تھے ورنہ حضرت

مگر اس پر ضرور انکار فرماتے اور اس کی اس کلمہ دہانی پر اس کی تخلیط کرتے۔  
 اسی طرح اس حدیث میں قائلین اور رافضیوں کے لئے بحث کی کافی گمانش  
 ہے۔ نیز دونوں فریق اس حدیث کی سند پر بھی بحث کرتے ہیں۔ کوئی اس کو صحیح  
 ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کسی نے اس کو کلمہ در اور ناقابل اعتبار بنانے کی  
 زور آزمائی کی ہے۔ لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ جس طرح اس حدیث کو بالکل صحیح اور چھباً  
 ثابت کرنا سخت مشکل ہے، اسی طرح یہ بھی آسان نہیں کہ اس کو ایسا کلمہ در اور ناقابل  
 اعتبار ثابت کر کے بالکل مسترد کیا جاسکے۔ واللہ اعلم۔

(۳۱) اور سنن ترمذی میں حضرت ابو الجوزاء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے مرنے  
 کے لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کر کے اس کا علاج دریافت کیا  
 فقالن انظر واقبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاجعلوا منہ کوا الی السہاء  
 پس عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اگر نبی صلی اللہ  
 علیہ وسلم کی قبر مبارک کو کوبھج کر آسمان کی طرف  
 مدھن دینا تو یہاں تک کہ اس قبر اور آسمان  
 کے درمیان پخت و حباب ہو جائے۔ لوگوں نے  
 ویسا ہی کیا۔ سو ان پر بت اتریں یہ ساری گنہگار  
 تھیں کہ ان کی گناہوں کو مٹانے پر آمین  
 درود، اور ایسی شجرہ ابھکر لائے۔  
 اس واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے توسل میں مہالنگی درجہ سے یہ سب  
 کچھ کیا۔ جیسا کہ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ تھائی اشعث السمات میں لکھتے ہیں۔  
 کہ درحقیقت استسقاء و استشفاع ست بذات شریف و کشف قبر بالذ  
 است دران و اشعث السمات کتاب الفتن، باب الکلمات الفصل الثانی، یعنی  
 حقیقت میں یہ استسقاء اور ذوات شریف پر توسل کرنا ہے اور قبر کی طرف اور پر سے  
 کھڑکی اکھون توسل میں مبالغہ کے لئے ہے۔

لے سنن ترمذی جلد اول صفحہ ۴۴۴ مطبوعہ دفتر اہل سنت پاکستان۔

اسی طرح ملاحظہ فرمائی کہ اللہ نے بھی مشکوٰۃ کی شرح مرتقاۃ میں لکھا ہے دیکھئے  
مرتقاۃ ج ۱ ص ۲۳۱ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان

منکری تو اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ پہلے تو اس حدیث کی سند پر  
تعمید موجود ہے۔ اگر اس کی سند کو مستبر بھی تسلیم کیا جائے پھر بھی اس سے قطعی قول  
ایسی زبانوں کو لکنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہم پر پاؤں نازل فرما رہے ہیں  
ثابت کرنا صحیح نہیں۔ تاہم تو اس کا جواب اوپر گزر چکا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسا کرنا  
تو اس میں مبالغہ ہے۔ واللہ اعلم۔

(۵) حضرت فاطمہ بن سعد رضی اللہ عنہا جو حضرت علیؑ کی والدہ ہیں ان کی وفات پر  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں گئے اور ان کے سرانے بیٹھ کر فرمایا ماں اللہ تعالیٰ تجھ پر  
رحم فرمائے۔ اسی حدیث میں ہے کہ آگے حضورؐ نے یہ دعا کی۔

اللہم الذی یحیی ویمیت وھو حی      اللہ تعالیٰ وہاں ہے جو جفا اللہ تبارک  
لا یموت و لا یغفر لای فاطمۃ بنت      و فرما ہے کہ یہی نہیں سنا اے اللہ بخش دے  
الاسد و لقنھا حجتھا ووسع علیھا      میری ماں فاطمہ بنت اسد کو اس کو رحمت تفسیری فرما  
مدخلھا ابھی نبیک و الانبیاء قبل      اور فرما کر دے اس کی قبر پر نبی صلی اللہ علیہ  
فانک ارحم الراحمین۔      و سلم کے حق کے لیے اور جانیہ علیہم السلام  
وعداہ علیہا لای کبیر وھو سدا      ہے پہلے گزر چکے عید ان کے حق کے لیے علیہ السلام

ابھی یہ اہم الروایہیں سب سے زیادہ دیکھ لے جائے ہیں۔  
اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس پر استدلال کیا جا سکتا ہے  
(۶) حضرت عثمان بن عفیف رضی اللہ عنہ کی روایت جو متعدد کتابوں میں موجود ہے  
اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اسے نقل کیا ہے ایسی ہے۔

ایک لڑکھا شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ  
حضرت آپ دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو مالیت اور مینائی دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم  
فرمایا: نبی اللہ! یہ عرضیوں سے بڑا برا ہے کہ وہ کہتا ہے: اللہ تعالیٰ مجھ کو مالیت و مینائی دے۔

نے فرمایا اگر تو پاس ہے تو دعا کروں اور اگر پاس ہے تو صبر کر لے اور صبر ہی تیرے لئے بہتر ہے اس نے کہا کہ حضرت آپ دعا کیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کرے اور یہ دعا کرے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَالْوَجْهَ الْكَاشِفَ  
بِشَيْءٍ لَكَ مُحَمَّدٌ بَنِي الرَّحْمَةِ كَمَا بَنِي الرَّحْمَةِ  
بِكَ إِلَى رَبِّكَ فِي مَا حَاجْتَنِي خَلِّصْهُ  
لِي. اللَّهُمَّ فَشَوِّضْهُ فِي كَرَمِ مَا لَمْ تَزِدْ لِي  
الابواب مخرجات وقال في حديث من غريب  
اسے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری  
طرف تیرے نبی محمد رحمت دے دے نبی صلی اللہ علیہ  
وسلم کے واسطے متوجہ ہوتا ہوں اسے نبی  
میں تیرے واسطے کے ساتھ اپنے رب کی طرف  
متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری حاجت پوری کی جائے

اسے اللہ آپ میرے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کو قبول فرمائیے۔

اس حدیث کے جواب میں منکرین توسل کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ اس میں درخواست اللہ تعالیٰ و تبارک ہی سے ہے کہ میرے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور شفاعت کو قبول فرماویں حدیث کے الفاظ میں صراحت موجود ہے خشعہ فی یعنی اسے اللہ توہان کی شفاعت میرے بارے میں قبول فرما تو یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہی پر توسل ہے۔ کلمات مہدک صلی اللہ علیہ وسلم پر توسل ثابت نہیں ہو سکتا۔ تاہم توسل نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ یہاں دو ہی کو نقل کیا جاتا ہے ماول اگر یہاں صرف دعا کی قبولیت کے بارے میں اللہ سے درخواست تھی یعنی صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا پر توسل مقصود تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایسی دعا کیوں تعلیم فرمائی جس میں توسل بالذات کی بھی تصریح موجود ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی تعلیم فرمایا اَلْوَجْهَ الْكَاشِفَ مُحَمَّدٌ بَنِي الرَّحْمَةِ اور تیری طرف تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو نبی رحمت ہیں کے واسطے متوجہ ہوتا ہوں پس توسل عباس کے جواب میں حکم یہ توسل کئے ہیں کہ اس سے مراد ہے کہ تیری طرف تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مدد ہے اس کی دعا کے واسطے اور اللہ میرے متوجہ ہوتا ہوں اس سے آخر میں میں درخواست کی کہ اسے اللہ توہان کی شفاعت اور دعا میرے حق میں قبول فرما۔

بالذات یہاں صراط موجود ہے فشفعتہ فی۔ تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت پر توسل کے ساتھ ساتھ یہ دعا بھی مانگی کہ اے اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہمارے حق میں قبول فرما۔ ہر کین حدیث شریف میں ذات مبارک صلی اللہ علیہ وسلم پر توسل واضح طور پر موجود ہے۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر مراد صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا پر توسل کرنا ہوتا تو اس حدیث شریف کے راوی عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے خود یہ دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اوروں کو تعلیم نہ کی ہوتی۔ نیز یہ حدیث کلاوی حدیث شریف کا مطلب اور معنی دوسروں سے بہتر طور پر جانتا ہے خصوصاً جب کہ بات بھی سبک سادی ہے۔ اس میں کوئی خاص پییدگی نہیں۔ چنانچہ طبرانی، معجم کبیر میں نقل کرتے ہیں ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ضروری کام کے سلسلہ میں آیا جاگیا کہ صاحبِ عثمان ہیں صلی اللہ علیہ وسلم پر بوجہ مصروفیت، انہ اس کی طرف توجہ فرماتے اور نہ اس کی ملامت بڑا رہی کرتے۔ وہ شخص حضرت عثمان بن حنیف سے ملا اور اپنی راجعت کی شکایت کی۔

فقال له عثمان بن حنیف ایت الیضا  
فتوضا ثم ایت السجدة فصل تید  
رکعتین شعر قل اللہم انی اسئلتک  
والتوجه الیہ یسینا محمد صلی اللہ  
نے حکمرانی توسل اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اگر اس حدیث کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو مجھ حضرت عثمان بن حنیف کا یہ جتنا دوسرے کا انہوں نے اس سے یہی کہا اور دوسروں کو قیام کیا۔ ورنہ حدیث میں تو فشفعتہ فی کے الفاظ اس بات کی وضاحت کے لئے کافی ہیں کہ یہاں مراد اس سے یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کرے کہ اے اللہ تو میرے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور دعا کو قبول فرما۔

لہذا وہاں اس کے جواب میں یہی فرماتے ہیں جیسا کہ آگے درج ہے۔



حیدر و سلمہ بنی النرحۃ والحدیث، ملاحظہ فرمائیے، نبی رحمت کے دیلے۔  
 اسی طرح مذکورہ بالا حدیث کی پروری دُعا ان کو بتائی اور انہوں نے اسی طرح  
 کیا۔ روایت کے آخر میں ہے کہ اس دعا کی برکت سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے  
 ان کی تعلیم و تکریم کی اور اس کا کام بھی کر دیا۔

امام طبرانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور علامہ منذری رحمہ اللہ نے بھی اس  
 روایت کو نقل کر کے طبرانی رحمہ اللہ کے اس قول الحدیث صحیح کی تائید کیا ہے اور امام  
 بیہقی رحمہ اللہ نے بھی اس کو دو طرق سے نقل کیا ہے۔ علامہ ابوالحسن بیہقی رحمہ اللہ  
 میں اس حدیث شریف کو نقل کر کے اس کی صحت کا گواہ قرار کرتے ہیں، واقعہ یہ ہے  
 صل اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے عہد کا ہے۔ اس پر نہ  
 کسی صحابی نہ خود نیکبند راشد حضرت عثمانؓ نے انکار کیا جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ  
 توسل یا نبی بعد الوفاہ حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہیں میں بلا کسی تکبر جو تارے۔

اس کا جواب منکر یہ توسل کی طرف سے چل دیا جاتا ہے کہ نیکبند راشد حضرت  
 عثمانؓ بن عفان کو اس توسل کرنے والے نے یہ نہیں بتایا کہ میں نے اس طرح توسل  
 کر کے دعا مانگی ہے بلکہ دعا مانگ کر حاضر ہوتے، انہوں نے اس کا کام کر دیا تو اس سے  
 یہ کہاں ثابت ہوا کہ اس شخص کے اسی طرح توسل یا حضرت عثمانؓ بن عفان کے اس توسل  
 کی تعلیم کرنے کی اطلاع اس پر ملا، میں حضرت عثمانؓ بن عفان کو جو گئی ہوگی اور انہوں  
 نے ان پر کبھی نہیں فرمائی۔ البتہ حضرت عثمانؓ بن عفان کے حنیف نے اس سے ہی توسل کھرایا  
 تھا اس لئے انہوں نے دوسرے کو بھی تعلیم کی۔

لے وقال الطبرانی مستند الحدیث صحیح بعد ذکر طرق التی روی سلا بمع الزماتہ ۲۴ ص ۱۲۹

یہاں بات ظہور ہے کہ حضرت امک الدردمانیہ رضی اللہ عنہ کی روایت پر بھی اعتراض نہیں  
 ہو سکتا کیونکہ وہاں امک الدردمانیہ رضی اللہ عنہ کا نام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام ملتا ہے، یہی کہ روایت کہتے  
 ہیں تو وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام ملتا ہے، یہی کہ روایت کہتے ہیں یہی بیان ملتا ہے  
 حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کا اطلاع کے ثبوت کے بغیر ان کے حیدر کرنے کا کوئی حسیں نہیں دیتے۔

اسی طرح اس کے جواز اور عدم جواز پر مذاہب اربعہ کے اور دیگر متاخرین علماء نے بہت طویل بحثیں کی ہیں، لیکن یہاں صرف صدر شوالی رحمہ اللہ تعالیٰ جو اہل حدیث و غیر مقلدین کے امام کے جلتے ہیں اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے مقتدین بھی اہل کثرت کہتے ہیں، انہی سے کچھ نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

یہ بالکل واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی زندگی میں وسیلہ بنانا اور آپ کے انتقال کے بعد دوسرے بزرگوں کو وسیلہ بنانا صحابہ کرام کے اجماع سکوت سے ثابت ہے۔ کیونکہ وہ حضرت عذوقؓ نے حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنایا تو کسی صحابی نے بھی اس کا خلاف نہیں کیا میرے خیال میں جواز تو اس نبی کریمؐ سے مخصوص کر دینا صحابہ کرام حضرت ابن عمرؓ و عبد اللہؓ کو ہم ہوتا ہے اس کی کوئی وجہ نہیں۔ اس عدم تخصیص کا دو چلنی ہیں۔ پہلے تو وہی صحابہ کا اجماع جس سے ہم مطلع کہ چکے ہیں اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں باب فضل اور کمال کو بطور وسیلہ پیش کرنے کا دراصل یہ مطلب ہے کہ ان کے اعمال صالحہ اور کمالات کو وسیلہ بنایا جائے کیونکہ کوئی شخص وسیلہ بننے کے قابل ہی تب ہوتا ہے جب کہ وہ اعمال صالحہ کرنے لگا کر یا جب کوئی شخص یوں کہے کہ اے اللہ میں ملاں صاحب کمال کو تیرے دربار میں وسیلہ پیش کرتا ہوں تو اس کا وسیلہ بننا بجا کمال کے ہوگا اور نیک عمل کو وسیلہ بنانا حدیث سے ثابت ہے جیسا مسلم و بخاری وغیرہ میں موجود ہے کہ نبی کریمؐ نے ان تین شخصوں کا قصہ بیان کیا جو نماز میں کھتے اور غار کے منہ پر چڑھ گیا تھا۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے بڑے عمل کو وسیلہ بنایا اور چتر غار سے ہٹ گیا۔ تو اگر اعمال صالحہ سے توکل یا جائز ہوتا یا شرک ہوتا جس طرح حضرت ابن عمرؓ وغیرہ سخت گیر لوگ کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی میں آدمیوں کی دعا قبول دے کہ اور نبی کریمؐ ان کا قصہ بیان کرنے کے بعد ان کے فضل توکل کو مسترد یا جائز قرار دیتے تو غرضی مرحوم توکل کو ثابت کر کے اب منکرین توکل کے خلاف کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اب واضح ہو گیا کہ توکل جائز ہے تو اب مسلم ہو گیا کہ جو دلائل منکرین توکل پیش کرتے ہیں مثلاً: ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾

زُلْفَىٰ هَٰذَا فَلَا تَنَحَّوْا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا اور کہ دَعَاؤُ الْكَفَىٰ وَالَّذِينَ يَذْنُبُونَ مَعَ  
 قَوْمِهِمْ لَا يَشْفَعُونَ لَهُمْ يَشْفَعُونَ ہمارے دعویٰ جوازِ توسل بالنبی والصلیین کے  
 لئے منفر نہیں۔ بلکہ اگر ان آیات کو امتناعِ توسل کے لئے پیش کیا جائے گا تو یوں  
 کہا جائے گا کہ کل نزع اور امتناعِ توسل سے یہ دلائل بالکل اطمینانی کیونکہ مشرکوں  
 کے اس قول سے کہ ما بعد ہم لا الہ الا ہواص واطیع ہے کہ مشرک قرب الہی حاصل کرنے  
 کے لئے جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ جو شخص بزرگ کو وسیلہ بناتا ہے وہ اس  
 کی عبادت نہیں کرتا۔ بلکہ یہ سمجھ کر کہ خدا کے دربار میں اس کی عزت ہے اس کو وسیلہ  
 بناتا ہے۔ اسی طرح یہ آیت خلاصہ خواص اللہ العزیز جوازِ توسل کے خلاف نہیں کیونکہ اس  
 میں تو صرف یوں کہا گیا ہے کہ خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو نہ پکڑو اور یوں نہ کہو  
 یا اللہ یا فلاں اور جو کسی بزرگ کو وسیلہ بناتا ہے وہ تو صرف اللہ کو پکارتا ہے ان  
 اللہ کے کسی نیک بندہ کو بوجہ کمال وسیلہ بناتا ہے جس طرح ان غار والے تمہیں اٹھائیں  
 نے اپنے نیک امثال کو وسیلہ بنایا تھا اور اسی طرح یہ آیت وغیرہ جو علی میں مذکور ہے  
 جوازِ توسل کے خلاف نہیں کیونکہ مشرک تو ان کو جانتے تھے جو ان کی سنتے نہیں تھے  
 اور خدا کو جو ان کی سنتا ہے اس کو نہیں جانتے۔ لیکن کسی بزرگ کو وسیلہ بنانے والا  
 تو صرف اللہ کو جانتا ہے کسی دوسرے کو نہیں جانتا۔ ہمارے سابق کلام سے منکر یہ توسل  
 کے تمام دلائل کی بھی قطعی کھل جاتی ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ان دلائل کو منسوخِ توسل  
 سے دور کا بھی واسطہ نہیں مثلاً ان کا یا استدلال کہ لَوْ مَرَّ تِلْكَ النَّاسُ لَنَشِيرَ  
 شَيْئًا وَالْمُؤْمِنُ يَذْمُؤُا لِقَوْلِهِمْ جوازِ توسل کے منافی نہیں کیونکہ اس آیت میں صرف  
 یہ بیان ہو رہا ہے کہ قیامت کو سب اختیارات اللہ کو ہوں گے اور کسی دوسرے  
 کو کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ لیکن جو شخص کسی بزرگ کو وسیلہ بناتا ہے اس کا تو کبھی  
 نتیجہ نہیں ہوتا کہ بزرگ اختیاراتِ اخروی میں خدا کا شریک ہے جو عقیدہ  
 رائے کو غیر اللہ کو امر آخرت میں کچھ اختیار ہے اس کو تو ہم بھی گمراہ کہتے ہیں۔ لیکن  
 مسلمان کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہوتا اسی طرح منکر یہ توسل کا آیت لَئِنْ لَمْ

مِنْ أَذَىٰ شَيْءٍ اور ایت قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لِنُفُوسٍ مُّغْتَاوَةٍ لَا يَضُرُّهَا شَيْءٌ اسے استدلال کرنا غلط ہے۔ کیونکہ ان آیتوں میں تو اس کی تصریح ہو رہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو امر اللہ میں کوئی دخل نہیں ہو گا۔ اور یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے نفع و نقصان کے مالک نہیں تو دوسرے کے نفع و نقصان کے کس طرح مالک ہو سکتے ہیں۔ لیکن کسی نبی، ولی یا عالم کے توسل کے مدد پر ان آیتوں کا کیا دخل متوسل کا تو یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ غیر اللہ کو امر اُتھرت یا نفع و نقصان میں کوئی اختیار ہے۔ توسل کا انکار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا انکار ہے اور شفاعت کا انکار قرآن کا انکار ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوق یعنی تمام شفاعت خلقی کے درجہ سے مشرف فرمایا ہے۔ اور مخلوق کو یہ ہدایت کی ہے کہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ سے اس شرفِ عظیم کی درخواست کیا کریں اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ تمام مخلوق کی درخواست کیا کرو آپ کو بلا جائے گا۔ اور دست کی سادگی کہ تمہاری سفارش مقبول ہوگی۔ اس شفاعت کا حق اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہو گا۔ پھر خاص اس کو جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرمائیں۔ اسی طرح منکرین توسل کا نبی کریم کے اس ہر شاو کا لے نکال بن نکال میں تیرے لئے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا مالک نہیں پیش کرنا ہوا۔ توسل کے خلاف نہیں کیونکہ اس کا تو صرف یہ مطلب ہے کہ جب کسی کو اللہ نفع یا نقصان پہنچانا چاہے تو میں اس کا خلاف نہیں کر سکتا۔ اور یہ بات ہر انسان جانتا ہے لیکن یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ توسل ناجائز ہے کیونکہ توسل کا یہ عقیدہ تو نہیں ہوتا کہ وسیلہ . . . . . امر اللہ میں دخل ہے۔ بلکہ اس کا تو یہ مطلب ہوتا ہے کہ اختیار محلی صرف اللہ کو ہے اور میں صرف اسی سے درخواست کرتا ہوں۔ اس کی ایسے بزرگ کو جس کے منیل دعا قبول ہو سفارشی جائز ہوں اور وسیلہ پیش کرتا ہوں۔ (ترجمہ تفسیر مصنف قاضی شوکانی)۔

اور یہاں یہ شبہ بھی بالکل غلط ہے کہ مسلمانانہ جس شخص کے ذریعہ توسل کیا جائے اس کا رتبہ یا شان اللہ تعالیٰ سے زیادہ بلند آتا ہے یا اس کا اس پر کوئی نفع

وجہ مل سکتا ہے۔ کیونکہ یہ صرف ایک وجہ ہے، ہر مسلمان کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ جن حضرات کے وسیلے سے دعا مانگی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نیک و مقرب بندے ہوتے ہیں۔ اور ان سے محبت و تعلق (إِن تَخَفْتَ اللَّهَ يَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ الْكُفْرَ) میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی رحمت و مغفرت سے قریب ہے، کے مصداق نزول رحمت کا ذریعہ ہے۔ پس توسل کا حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں مٹی کہ اسے اللہ تعالیٰ مقبول بندہ پر جو رحمت ہے اس کے توسل سے دعا کرتا ہوں اور یہاں وہ ان الفاظ سے اپنے پشیدہ تعلق و محبت کا انداز کرتا ہے جس میں نہ کوئی غلط ہو سکتا ہے نہ مذکورہ بلاشبہ کیا جاسکتا ہے۔

بلکہ توسل بالاعمال جو بلاجماع جائز ہے اور توسل بالانفس میں کوئی خاص فرق نہیں ہے اور ان کے درمیان یہ نزاع عقلی معلوم ہوتا ہے کہ جو حضرات انبیاء اور صالحین کے توسل سے دعا کے قائل ہیں ان کی مراد یہ ہرگز نہیں کہ وہ ان کی شخصیتوں کو وسیلہ بنائیں ان کے اوصاف کا لیا اور ان کی دینی خدمات وغیرہ سے لگ کر کے توسل کرتے ہیں بلکہ ان کی دینی خدمات اور خیر خواہیاں پیش نظر رہتی ہیں۔ صالحین پر ان کے نیک کاموں کی برکت سے اللہ کی رحمتیں برتی ہیں ان کے ساتھ محبت ان کی دین کی بنا پر منہلیم قرآن میں کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ ان حضرات کے ساتھ محبت اور تعلق بابت خود ایک پشیدہ نیک عمل ہے۔ اب اس محبت کے عمل کے ساتھ آواز بھی شامل ہو جاتی ہے اور ان حضرات کے توسل سے اللہ سے سوال کیا جاتا ہے کہ توسل بالاعمال اور توسل بالاشخاص کئے ہو جاتے ہیں۔ اور یہ مسئلہ ان نزاع جائز ہو سکتا ہے۔ اور اس بات کے حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ قائل بھی قائل ہیں چنانچہ وہ بتی فلاں کے ذریعہ سوال کرنے کے مختلف اسباب بیان کرتے ہوئے تحقیق کرتے ہیں۔

فیجعل قول القائل: اسئلک بنیاد	یمناس قول کے گئے ہاں اس میں جو
محمد علی اندامدادی بایانف	ہے حیرانی کو تو توسل اللہ علیہ السلام کے وسیلے سے
وہ بحث و توسل ایک بایانف	کرتا ہے کہ اس پر عمل کی جاسکتی ہے کہ اس
وہ مسئلہ وضع و بیان کرتا	کی جاسکتی ہے کہ اس پر عمل کی جاسکتی ہے

ان هذا اجانز بلا نزاع قبل من اراد  
 هذا المعنى فهو في ذلك بلا نزاع  
 واذا حمل على هذا المعنى يتكلم من  
 توسل بالنبي صلى الله عليه وسلم بعد مائة  
 من السلف كما نقل من بعض الصحابة  
 وان لبعض ومن الامام احمد وغيره كان  
 هذا حسنا وحيث فلا يكون في  
 المسألة نزاع ولكن كثيرون من العوام  
 يظنون هذا اللفظ ولا يريدون  
 هذا المعنى فهو له الذين انكر عليه  
 من انكر من قامة عليه العمل والمسير  
 على انه من اولي الامر في ذلك  
 من اولي الامر في ذلك

یہی لوگ ہیں جن پر انتھار کرنے والوں نے انتھار کیا ہے

پس حضرت حافظ نیماں یہ فرماتے ہیں کہ امام رب العالمین علیہ السلام (جو مجھے پڑھے)  
 بول دیتے ہیں اور ان کی مراد اس سے ہائز معنی نہیں ہوتا۔ جو شبہ امام ابن تیمیہ نے  
 جو کہ فرمایا کہ کسی قدر صحیح ہے۔ تاہم اس کا جواب تو مل کو ملتے والے سے کہتے ہیں  
 کہ قابل غور بات یہ ہے کہ کسی شخص پر وہ تو مل کرتا ہے مگر اس کا اس پر ایمان نہیں اور  
 اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے، خلق ہی نہیں تو وہ اس پر تو مل ہرگز نہیں کہے گا  
 سیر کذاب یا غلام احمد قادیانی وغیرہ و جلال و کرامت پر کوئی مسلمان تو مل نہیں کرتا۔ اور نہ  
 ہی جیسائی یا یودی یا کسی اور باطل فرقہ کے سربراہ پر تو مل کرتا ہے مگر چہ وہ اس کا باپ ہی  
 کیوں نہ ہو۔ اور جو پوری محبت کے وہ ہرگز اس پر تو مل نہیں کہے گا تو یہ بات اس کی

نہ کہ جو عیسائی یا یودی یا کسی اور باطل فرقہ کے سربراہ پر تو مل کرتا ہے مگر چہ وہ اس کا باپ ہی  
 کیوں نہ ہو۔ اور جو پوری محبت کے وہ ہرگز اس پر تو مل نہیں کہے گا تو یہ بات اس کی  
 نہ کہ جو عیسائی یا یودی یا کسی اور باطل فرقہ کے سربراہ پر تو مل کرتا ہے مگر چہ وہ اس کا باپ ہی  
 کیوں نہ ہو۔ اور جو پوری محبت کے وہ ہرگز اس پر تو مل نہیں کہے گا تو یہ بات اس کی

دلیل ہے کہ جب وہ دعا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صالح شخص پر نازل کرتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے تعلق و محبت کی وجہ سے ہی کرتا ہے۔ اگرچہ دعائیں پر تصریح نہیں کرتا تاہم ایک مسلمان سے ظاہر ہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کے ساتھ عقیدت رکھنے کے بغیر اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے اور وہ اپنے ظاہری اعمال کو نظر انداز کر کے تواضع اور مہریت کا ثبوت دیتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ اے میرے پروردگار! میرا تو کوئی عمل ایسا نہیں کہ جس کو میں آپ کی بارگاہ عالی میں پیش کر کے اس کے ذریعہ سے دعا کروں، بلکہ صرف آپ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت کا تعلق ہے جس سے اللہ آپ اس تعلق اور ایک قلبی عمل ہے، اکی لایج رکھتے ہوئے میری دعا کو قبول فرمائیے۔

ان فرض توکل بالذات اور توکل بالاعمال میں کوئی ایسا خاص فرق نہیں جس کی وجہ سے ایک کو دوسرے سے بالکل جدا کر کے پہلے کو شرک اور دوسرے کو جائز قرار دیا جائے۔ اگر توکل بالاشخاص شرک ہو تو آخرت عمر کا حضرت عباسؓ کے ذریعے توکل کرنا جس سے متنازع فیہ توکل بھی مراد ہو سکتا ہے، اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شاہنشاہی منیف کی روایت میں مابین اسمانی کو ایسی دعا تلقین کرنا جس میں آپ کے ذریعے توکل کر لے کر کافی گنجائش موجود ہے، اور بقول خود ابن تیرہ بعض صحابہ، تابعین اور امام احمد وغیرہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر توکل کرنا وغیرہ ایسا بذاتہ سب شرک میں داخل ہوگا۔

پہر ان روایتوں اور مثالوں سے ظاہر کی کثرت نے توکل بالذات ہی مراد دیا ہے تو کیا نقصانے کو لازم صحابہ حضرت عمرؓ اور غوثی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ انہوں نے ایسا بالذات کی کثرت کو شرک کے دلائل میں لکھنا دیا۔

اسی طرح پر قرآن کی آیت ﴿وَإِذَا هُمْ قَبِلُوكَ يُسْتَنْتَجُونَ﴾ سے بھی توکل کی کوئی قسم ملو ہو سکتی ہے۔ اور اس کی شان نزول میں جو دوسری روایات وارد ہوئی ہیں وہ اس کے متعارض اور مختلف نہیں اور سب اسباب نزول یہاں بلا کئی تکلف اور آسانی

جمع ہو سکتے ہیں۔

تو ایسی حالت میں سوچنے کی بات ہے کہ آفراس تو سل میں دو کون سی خرابی ہے جس کے لئے فقہاء کے اقوال، احادیث اور آثار میں دور دور کی تاویلیں کرنے کی ضرورت پڑے۔ ایسی احادیث جن میں تاویل کی گنجائش نہ ہو تو اس کو ضعیف یا موقوف ثابت کرنے پر پوری طاقت لگادی جائے۔

فی الحقیقت اگر ہم ایسے ہی دور کے احتمالات نکالنے لگیں تو شاید شریعت کا کوئی ٹکڑی پایہ ثبوت تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اسی طرح اگر قرآن مجید کی من مانی تفسیریں شروع ہو جائیں تو نہ کوئی چیز بجا تہ ہوگی اور نہ ہی کوئی عمل شرک سے خالی ہوگا۔

الغرض یہ تنازع فیہ تو سل کوئی شرک نہیں بلکہ اس میں دعا کی قبولیت کے ساتھ اور ایک فائدہ بھی ہے وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین سے محبت بڑھ جاتی ہے اور محبت ایک ایسی چیز ہے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مخلوق کے درمیان محبوب کے فضائل و اوصاف کو محبت کر کے واسطے میں اس کی استعداد کے مطابق منتقل کر دیتے ہیں۔ درود شریف کے بارے میں اس آیت مبارکہ اور اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی۔ یا ایہا الذین آمنوا اسئلوا علیہ وسلموا الشیخہما کے متعدد فوائد اور احباب میں یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ درود شریف پڑھنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق اور محبت میں اضافہ ہوگا۔ اور یہی محبت درود شریف پڑھنے والے کو حسب استعداد والہام الہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پی اتباع پر داخل سکتا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات امت کو بھائی ہے، جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

لَا یومن احدکم حتیٰ اکون احب تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک  
 نے میں اس اختلافی تو سل میں جس بزرگوں سے مانگنا نہیں ہوگا کہ اگر بڑا راستہ اللہ تعالیٰ سے  
 دعا کی جاتی ہے۔ البتہ دعا کی قبولیت کہ امید ہے اللہ کے سامنے کسی صالح کے ساتھ بچی نظمی  
 محبت و عقیدت پیش کر کے، سامان شخصیت پر تو عمل کرتا ہے۔



الیہ من والدہ وولدہ والناس کہیں اس کو اس کے باپ اور اس کی اولاد  
 اجمعین رشتہ میں شکوہ کتاب بیان۔ اور اسے لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو گا تو  
 پس محبت بڑھانے کے لئے مختلف ذرائع ہوتے ہیں جیسا کہ آپ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کی موجودگی میں آپ کے ساتھ ادب و احترام سے طاعات کرنا اور آپ سے  
 دعاؤں کی درخواست کرنا جیسا کہ شانہ باری تعالیٰ ہے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ آذَنُوا  
 فَاسْتَعْفَفُوا لَغَلَّ لَهُمُ الْغُلُوبُ وَأَسْتَغْفِرُوا لَهُمْ يَزِيلْ عَنْهُمْ  
 لَوْ خَلَّاهُ لَغَلَّ لَهُمُ الْغُلُوبُ  
 معنی اگر وہ لوگ جب ظلم کر بیٹھے تھے اپنی جانوں  
 پر ماضی ہوتے آپ کے پاس پہلے اللہ سے  
 معافی مانگتے اور سچے دل سے اللہ سے  
 ان کے لئے (عفو) سے مغفرت طلب کرتے تو

وہ معذور اللہ کو پاتے بہت توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم کرنے والا  
 یہ بات تو آخر سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے  
 دعا کی درخواست کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دعا کے لئے فرمایا ہے۔  
 حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آپ سے عذر کرنے کی  
 اجازت مانگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت بھی دی اور فرمایا۔

وَقُلْ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَا يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ذَلِكَ جُنَاحُهُمْ عَلَى اللَّهِ

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کر فرمایا  
 اسے جس کے بدلے میں مجھ کو تمام دنیا بھی خوش نہیں کر سکتی۔

(رواہ البوہاری وداقرندی مشکوٰۃ کتاب الدعوات)  
 اسی طرح آپ کی عدم موجودگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار اور خبرات کی کھنڈا  
 اور ان کی حفاظت کرنا آپ سے محبت بڑھانے کا سبب بنتی ہے۔ ارشاد  
 باری تعالیٰ ہے۔

وَأَسْأَلُكُمْ فِي الْمَنَاقِبِ إِنَّكُم مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ تَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتِ الْكِتَابِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ



صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا۔

فترباً وتمضض شعربه لنا فی  
اعاؤاً وامننا فقال اخرجوا فاذا  
اتبعنا رضکم فاکسروا بیعتکم و  
انضموا لکائناتنا بعدد الله واتخذوا  
مسجداً قلنا ای البلد بیدوا لحزب شدید  
والله ان یشتت فقال متحدون من الله  
فانه لا یزید الا طیباً۔

(رواحہ صفی، مشکوٰۃ باب الساجہ)

(۱۲) بخاری اور مسلم میں الامیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ محرمین اہل بیت میں تھے چڑھے کے ایک سرخ شیر میں تشریف  
فرماتے تھے اور میں نے بول رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے آپ سے پہا بھرا پانی لیا اور  
وراثت الناس بیعت دون ذلک  
الوضو فمصاب منہ شیشاً قسم بید  
ومن لم یصب منہ اخذت بلل  
بید صاحبہ الوریث

(مشفق علیہ مشکوٰۃ باب المسترة)

پس بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے آثار اور تبرکات اپنے فدا میں  
سماج پر تقسیم بھی کر دیتے تھے۔  
(۱۳) امام کریم رضا حضرت کبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ۔

دخل حق رسول الله صلى الله عليه وسلم  
فشرّب من في قربة معلقة قائماً  
فتمت الي فيها فطمت راسه من روضي  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف آئے  
آپ نے فلک پر تلے مشک کے سز سے کڑے  
بکر والے پانی میں نے (روزانہ کھڑے ہر کو شک

موسم شرعہ و قال فی ہجرت من غریبہ (۴) کہ سید جلال اپنے کلمہ مبارک لکھنا چاہا کہ  
(۴) بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی حق  
قال البصرۃ فرماھا شعرا فی منزلہ بین  
ونحور نیکہ شعرا بابا الحلاق و ناول  
الحلق شقہ الی یمن فخلعہ شعرا دعا یا  
طلحۃ الانصار ی طلحۃ لا یا اللہ ناول  
الشق الی الیس فقال احلق فخلعہ طلحۃ  
یا طلحۃ فقال اقسام بئین الناس  
(مثنی علی مثنوی باب الحلق)  
کو جو کریم صلی اللہ علیہ وسلم منی آئے اور جو کہ  
پاس اگر اس پر کھڑا رہے۔ ہر منی میں اپنے  
مکان میں آئے۔ ہر سرور شہنے والے کو دیا  
اپنے سر کا دیان حساس کے لئے کیا ہر بار کو  
انصاف کو دیا اور اس کو وہ بال دیتے۔ ہر  
دوسرا بال اس حصہ آگے کیا اور فرمایا اس کو منہ نہ  
دو۔ وہ بال میں بولگو کہ دے دیتے اور فرمایا اس  
کو لوگوں میں تقسیم کرو۔

۱۵) موسم شریف کی صبح سویرے میں ہے کہ اس کا بہت بلی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت  
ہے کہ اس نے اس کے روحانی فیضان کا جبہ نکالا جس کے گریبان اور ہاتھوں پر پریشم کا پورا لگا  
ہوا تھا۔ کئے گئیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ جو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے  
پاس تھا جب وہ وفات پائیں تو میں نے لے لیا۔

وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یلبسہا و  
نحوہ فخلعہا لعمرو بنی استشفی بہا۔  
دوسرا موسم شریف کتاب لباس  
اس کے ذریعہ شفا طلب کرتے ہیں۔

۱۶) اسی طرح امام بخاری حضرت عثمان بن عبد اللہ بن موسیٰ رضی اللہ عنہ سے  
روایت نقل کرتے ہیں کہ میرے گھر والوں نے مجھے ایک پیالہ دے کر ام سلمہ رضی اللہ عنہا  
کے پاس بھیجا۔

وکان اذا اصاب الانسان حیث او  
شیء بعث الیہا فحبتہ فاخرجت  
من شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
اور جب کسی کو نعرہ گہا یا کوئی عیبت ہوئی  
وہ پیالہ ان کے پاس بھیجتا۔ وہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا  
صلی اللہ علیہ وسلم کے ال مبارک نکالتی اس نے

وكانت تمسكه في جبل من فضة  
فخض خضته له فشرّب منه قال  
فاطلمت في الجبل من ايت شعرات  
حمراء ردوا المنادي راق مشكلا كاهل حب

انہیں پانی کی نعل میں دکھا ہوا تھا اس پانی  
میں اس کو جاتی پھر وہ اچلی ایٹھویں بیڑ  
فرماتے ہیں یہ سنے نعل میں چمک کر نکلا اس  
میں چند ایک سنگ بال تھے۔

اس قسم کے واقعات کی کافی تعداد کتب امارت میں موجود ہے۔ اب جہاں  
اس کے سوا اور کیا براد ہو سکتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق اور محبت کے قضا  
کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حضور میں آپ کے سوتے مبارک و کثیر کے منیل جبرک حاصل  
کر سکر اللہ تعالیٰ سے شتایا الی کی امید پر ان آثار کے ذریعے گویا ملی تو مل کرتے  
اس پر حدیث شریف میں تصریح بھی موجود ہے۔

(۱) امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں کثرت تشریف لاتے اور میرے ہاں قیلولہ  
فرماتے تھے۔ میں آپ کے لئے چمڑے کا بچونا بچا دیتی۔ آپ اس پر  
سوتے تھے۔

وكان كثير العرق فكانت تحب مرقه  
وتجعله في الطيب فقال النبي صلي الله عليه  
وسلم ما هذا فقلت مرقه من تجمل في  
طيبنا وهو من الطيب الطيب وفي رواية  
قايه ما رسول الله مزجو بمك العيانا  
قال اصبت (مخفق طير)

آپ کو پسینہ بہت آتا تھا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم  
کا پسینہ جمع کر کے تھوڑے غصہ میں ملا دیتی تھی صلی اللہ  
علیہ وسلم نے فرمایا اے ام سلمہ یہ کیا ہے ام سلمہ نے کہنے  
لی۔ یہ آپ کا پسینہ ہے ہم اس کو خوشبو میں ملا دیتی  
ہیں اور یہ نہایت عمدہ و خوشبو ہے ایک حدیث میں  
بول چکا ام سلمہ نے کہا ہم اچھے بولہ لکھتے  
اس سے برکت کی امید کھیتی آپ نے فرمایا تم نے خوب کیا۔

انقرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار دیکھنے سے آپ کے ساتھ تعلق اور محبت میں  
انسان ہر سکتا ہے اور سچی محبت و تعلق اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کا ذریعہ ہے۔  
لہٰذا بعض حکایم تو مل ان روایات میں سے ہرگز آثار بجا میں ثابت ہو سکتا ہے انسانی راقی مافیہ الخ غیر

خلاصہ یہ کہ تنازع خبیہ توسل عقائد میں سے نہیں جس کے لئے قطعی اور یقینی دلائل کی ضرورت ہو اور نہ اسی طرح توسل کرنا فرض یا واجب یا سنت ہو کہ وہ ہے تاکہ تقابلی توسل سے اس کے ثبوت میں صریح اور صحیح امارتیں سمجھا کر ہم رضی اللہ عنہم جمعین کے عام معمول کا مطالبہ کیا جائے یا یوں کہا جائے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی طرح توسل کیوں نہیں کیا ان سوالات کی ضرورت تو اس وقت ہوتی جب کہ تقابلی توسل اس کی فرضیت یا وجوب کے دعویدار ہوتے۔ لیکن جب وہ اس کی فرضیت وغیرہ کے قائل نہیں تو صرف اس کے حوازی کے لئے ان سے یہ مطالبہ درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اسی طرح توسل کرنا حق طہر پر ایک فرضی مسئلہ ہے جو قرآن و سنت کے خلاف نہیں اور بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق حاصل مستثنیٰ لینے اور دینے والا صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو سمجھا اور مانا جائے اور یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے وہی ہو گا اور جو اللہ جل شانہ کو منظور نہ ہو اس کا ہونا ناممکن اور محال ہے، اور جو کہ تقابلیں کتاب و سنت سے پیش کرتے ہیں اگرچہ اس میں دوسری تفاسیر تاویلات اور احتمالات کو زیادہ اہمیت اور فوقیت دی جائے، تاہم عدم تدارک و تعالیٰ کی وجہ سے ان نصوص میں اسی طرح توسل کے احتمال کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ پھر بسن صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس پر عمل کرنا اور سنت سے طویل القدر علماء کا اس کے حوازی پر تصریح کرنا اور اس پر عمل کرنا اور ائمہ متبوعین میں سے کسی سے کسی سے اس کی مانعت مرست سے صاف غفلتوں میں مشغول نہ ہونا بلکہ بعض ائمہ کے قول و فعل سے حوازی معلوم ہونا یہ ساری باتیں ایسی ہیں جو اس کے حوازی اور خبیہ منکر و مشرک ہوا دیات سے اس اختلاف توسل پر ثابت کرتی ہیں بلکہ اس میں اہل کیا جاسکتا ہے لہذا یہ دیات سے صالحین کے آثار پر ترک حاصل کرنے کا بوجہ نہایت بڑا ہے جس میں صلف صالحین کی سیرت کے اقوال و افعال ان کے کارنامے سے کھن سے محبت فرماتی ہے جس سے اہل حق کے آثار لہجے سے ان کی یاد آتا رہتی ہے جس کی وجہ سے ان کے ساتھ تعلق اور محبت فرماتی ہے شاید ان کے باقی اور آئندہ نسلیں بھی مشغول کرنے کی ایک حکمت یہ بھی ہو۔ (انوار الحق)

کے لئے کافی و شافی ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اگر کوئی اس طرح توسل کرتے بغیر دعا مانگے تو اس کو اللہ قبول نہیں فرمائیں گے۔ اور نہ یہ خیال کیا جائے کہ اس طرح توسل کرنے سے اللہ تعالیٰ کے ذمہ یہ لازم ہو جائے کہ وہ اس دعا کو قبول فرمائے بلکہ اس کی حقیقت صرف جواز کی ہے جس کی وجہ سے دعا کی قبولیت کی امید کی جاتی ہے۔ اگرچہ بہتری اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے ذریعہ دعا مانگی جائے یا صاف الفاظ میں اس طرح توسل کریں کہ یا اللہ میرا کوئی عمل عیب نہیں جس کو میں آپ کی بدگاہ میں پیش کر کے اس کے ذریعے سے دعا کروں البتہ آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت ہے۔ پس اے اللہ اس تعلق اور ان پر ایمان لانے کی وجہ سے جو میری غفلت حاجت پوری فرما۔ یا اگر ایسا کہیں صرف یوں کہیں کہ اے اللہ غفلان سے جو تعلق و عقیدت ہے اس کے فضیل میرا غفلان کام پورا فرما، اگر تعلق اور عقیدت کی تصریح مذبحی کرے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں، لیکن نیت میں یہی ہو یا اسی طرح اور کوئی جائز منہی ہو تو اس طرح توسل بالاتفاق جائز ہو گا۔ البتہ اس طرح مطلق توسل دینی یوں کہ اللہ اے اللہ غفلان کے فضیل یا واسطے میرا غفلان کام پورا فرما کرنے میں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ جو یہ فرماتے ہیں کہ وہ اس سے جائز کہ نسی مراد نہیں لیتے۔ یہ بات ان کی کسی قدر صحیح ہے۔ اگرچہ ایک مسلمان کی اس کے سوا اس طرح کہنے سے اور کیا مراد ہو سکتی ہے تاہم عوام اور متواقف مسلمانوں کی حالت چارے سامنے ہے اور جو کچھ دیکھتے اور کہتے ہیں، ان سے بھی عین واقعیت ہے۔ اس لئے عوام کو مسئلہ کی پوری نوعیت، بھائی چاہیئے تاکہ ایمان اور عقائد کی حفاظت ہو۔ نیز اس باب میں تھوڑے تفصیل سے بحث کرنے سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اسی متنازع فیہ توسل میں دونوں طرف یعنی قائلین اور مخالفین کے لئے بحث مباحثہ کی کافی گنجائش ہے۔ اس لئے میں طرح متنازع فیہ توسل کے زمانے والوں کو گستاخ، لکڑہ اور کافر کہنا ممنوع دنا جائز ہے، اسی طرح اس کے قائلین کو مشرک اور گمراہ سمجھنا جائز اور درست بڑا ظلم ہے۔ البتہ حدود سے تجاوز نہ کرنا کہیں بھی جائز نہیں، اسی طرح محبت و احترام کے پردے میں خلوک کی عبادت

بھی ناجائز ہے۔ محبت اور عبادت دونوں کے حدود و شرائط معلوم کرنے مقرر کئے  
 ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا کسی بھی مخلوق کی عبادت کو حرام اور شرک قرار دیا ہے  
 اگرچہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی نیت سے کیوں نہ ہو اس کے بالمقابل قبائل  
 احرام ہستیوں، انبیاء، طہر الصلوٰۃ والسلام و طہر کی تحکیم و احترام کا ہمیں حکم دیا گیا ہے  
 محبت اور عبادت دونوں کے حدود اور احکام جدا جدا ہیں اور ان کو بلا تفریق ایک  
 دوسرے پر چسپاں کرنا سراسر ظلم اور قرآن مجید میں منہوی تحریم کے مترادف ہے  
 اور حرام کو خواہ مخواہ افراط و تفریط میں جکلا کرنا ہے۔



## باب پنجم

# شکر فی الاطاعت اور التقلید

## باب پنجم

## شرک فی الاملاعت

شرک فی الاملاعت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کے سوا کسی کی مستقل طور پر املاعت کی جاتے یعنی اگر کسی کا فکر، حکم، انہی کے خلاف بھی ہو، پھر بھی اس کے آگے تسلیم عمر کیا جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ و تہدیک کا ارشاد ہے۔

اِنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نَارٍ وَخَبَّائِلُهُۥٓ اَنْۢبِیَآءِۨنَ دُوۡنِ اللّٰهِ ۚ ہذا آیت ۳۱ کی ترجمانے اپنا پروردگار بنا سکا ہے۔

اس آیت شریفہ کی تفسیر صحیح ترجمانی میں یہاں آئی ہے کہ حضرت عدی بن حاتمؓ فرماتے ہیں میں نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا میری گردن میں سونے کی صلیب تھی آپؐ نے فرمایا اسے عدی اس بت کو اتار چھینو اور میں نے آپؐ کو سوراہا متوجہ کی۔ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا اِنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نَارٍ وَخَبَّائِلُهُۥٓ اَنْۢبِیَآءِۨنَ دُوۡنِ اللّٰهِ ۚ اگر ان اہل کتاب نے اپنے علماء اور راہبوں کو اللہ تعالیٰ کی بجائے اپنا پروردگار بنالیا ہے، چنانچہ آپؐ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ لوگ اپنے علماء اور راہبوں کی پرستش نہیں کرتے تھے لیکن جب وہ کسی چیز کو حلال قرار دیتے تو یہ اس کو حلال سمجھتے اور جب وہ ان پر کوئی چیز حرام کر دیتے تو یہ لوگ اس کو حرام قرار دیتے۔

معلوم ہوا کہ کسی کی مستقل طور پر شارع یا قانون ساز کی حیثیت سے املاعت کرنا مہاجنہ اور منوع ہے جس طرح کہ اہل کتاب نے حلال و حرام قرار دینے کا مکمل اختیار اپنے علماء اور راہبوں کو دے رکھا تھا مگر جو املاعت مخلوق کی ہو لیکن حکم الہی کے تحت ہی ہو، وہ املاعت شرک یا حرام نہیں بلکہ مطلوب اور محمود ہے جیسے فقہائے اُمت

اور آخر مجتہدین کی تعلید اور اطاعت۔ کیونکہ ان حضرات کا فقہ اور اجتہاد، قرآن و سنت کے تابع ہوتا ہے یعنی اللہ رب لعزت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے ماتحت ہوتا ہے اور یہ اطاعت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکامات کو چھوڑ کر اپنے آباء و اجداد کی پیروی کرنا بھی حرام اور منوع ہے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اشْعُرُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَحْنُ مُسْلِمُونَ مَا أَكُنَّا بِمِلَّةٍ أُولَئِكَ كَانُوا فِي شَكٍّ مِمَّا بَدَّلُوا دِينَهُمْ فَذُرُونِ أُولَئِكَ مَا لَهُمْ أَمْرٌ بِاللَّهِ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ قُلْ إِنَّمَا أَسْأَلُكُمْ بِاللَّذَاتِ الَّتِي كُنْتُمْ تُقَالُونَ ۝۱۰

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کی پیروی کرو تو وہ کہتے ہیں نہیں ہم تو ان بقولہ کی پیروی کیا کرتے ہیں۔ ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔ اللہ فرماتے

ہیں، مبالغوں کے باپ و دادا قتل اور جہاد نہ رکھتے ہیں تب بھی اس آیت مبارکہ سے جس طرح آباء و اجداد کی مذمتی تعلید اور اتباع کی مذمت ثابت ہوتی ہے اسی طرح مخلوق کی بابت اتباع اور تعلید کی شرط کی نشان دہی بھی ہو گئی ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے باپ دادوں کی مذموم تعلید کے دو سبب بیان فرمادیئے۔ ایک یہ کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کو برطانہ کر کے انہیں نہ ماننے کا اعلان کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے آباء و اجداد قتل اور جہاد سے کورسے تھے۔ (وَالَّذِينَ كُنُوا لَا يَحْسَبُونَ أَنَّ اللَّهَ سَأَلَ عَنْهُمْ) معلوم ہوا کہ اگر آباء و اجداد اور ایک عالم کے متعلق یا طینان ہو جاتے کہ اس کے پاس قرآن و سنت کا علم ہے اور اس کو قتل ملنی درجہ اجتہاد بھی حاصل ہے۔ اگرچہ احکام قرآن و حدیث میں سرافشاں ہوں۔ ان کو بذریعہ اجتہاد اور قتل نصوحی شریعہ سے نکال سکتا ہے۔ تو ایسے عالم اور مجتہد کی تعلید اور اتباع اللہ جل شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اطاعت ہے۔

قرآن مجید ہی سے الٰہی حق، الٰہی علم و قتل اور اہل رشد و ہدایت آباء و اجداد، باپ دادوں کی پیروی اور اتباع ثابت ہے۔ یہاں کہ مقتوب علیہ اسلام نے اپنی وفات کے

وقت پہنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے  
انہوں نے جواب میں عرض کیا

لَعَنُوكُمُ الْيَهُودُ وَالنَّاسُ أَلَمْ تَأْمُرُوا أَنْ تُعْبَدُوا إِلَّا هُوَ  
وَأَنْتُمْ تُشْرِكُونَ (البقرہ آیت ۱۷۷)  
ہم عبادت کریں گے آپ کے خدا کی اور آپ کے  
اپنے دادلوں کے خدا کی یعنی: ابراہیم، اسماعیل  
اور اسحاق کے خدا کی، وہ خدا ہے واحد جو شریک

اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے کلام میں تقلید کی دونوں قسموں یعنی حق و باطل  
کی مثال موجود ہے۔

إِنِّي مَرْكُتٌ بِلِلَّةٍ قَوْمٍ لَا يَزِنُونَ  
بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ  
وَأَتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي الْأَوَّلِينَ  
وَالْيَقِينُ (سجۃ آیت ۲۸-۳۰)  
میں نے اس قوم کی ملت و مذہب کو چھوڑ دیا جو  
اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور جو آخرت کے سحر میں  
اور میں نے پیروی کی اپنے باپ دادلوں یعنی ابراہیم  
اسحاق و یحییٰ کی ملت اور مذہب کی۔

اس سے پوری وضاحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اللہ جل شانہ  
اور اس کے انبیاء علیہم السلام کے مقابل میں جیسے وقوف باپ دادلوں کی تقلید حرام ہو  
ممنوع ہے لیکن اگر آپ دادا مظلوم و عقل اور رشد و ہدایت پر ہوں تو ان کا اتباع جائز ہو  
پسندیدہ ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ختمائے امت اور مجتہدین کی اجلاس  
و بصیرت، علم و تقویٰ پر لحاظ سے ایک مسلم حقیقت ہے کہ تقلید اور اتباع کرنا جائز اور  
مطلوب ہے اور جو لوگ ائمہ مجتہدین کی تقلید کو کافر و کفر کی تقلید پر منطبق کر کے شرک و  
کفر قرار دیتے ہیں وہ سنت ظہری اور جماعت میں مبتلا ہیں اس موضوع پر حضرت مولانا  
فتحی عثمانی دامت برکاتہم نے اپنی کتاب تقلید کی شرعی حیثیت میں بہت ہی مفصلانہ  
بحث کی ہے اس باب میں حضرت کی کتاب سے کافی استفادہ کیا گیا ہے۔

تقلید کی حقیقت | ادنیٰ کی اصل دعوت صرف ایک اللہ واحد لا شریک کی عبادت و  
اطاعت کی طرف ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی  
اسی لئے واجب ہے کہ آپ نے اپنے اقوال و افعال سے اللہ کے احکام کی ترجمانی

فرمانی ہے، حلال و حرام اور جائز و ناجائز کو واضح فرمایا۔  
قرآن و سنت میں بعض احکام اور باتیں تو ایسی ہیں جنہیں ہر ایک شخص انسانی  
بکریا ہے مثلاً۔

وَلَا تَقْرَأُوا الْبُحْرَانِ وَلَا تَقْرَأُوا الْبُحْرَانِ وَلَا تَقْرَأُوا الْبُحْرَانِ  
معمولی گھاس پھوس اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ممانی جانے لگا  
یا شفا سوسر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَقْرَأُوا الْبُحْرَانِ وَلَا تَقْرَأُوا الْبُحْرَانِ وَلَا تَقْرَأُوا الْبُحْرَانِ  
یہ ارشاد بھی بالکل آسان اور واضح ہے اور اس میں بھی کوئی پیچیدگی یا الجھی نہیں  
لیکن قرآن و سنت کے بہت سے احکام ایسے ہیں جن میں باہم لاپایا جاتا ہے۔ کچھ  
ایسے بھی ہیں جو دوسری آیت یا آئینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی دوسری حدیث سے  
متعارض نظر آتے ہیں مثلاً۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ  
اور جو عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہو وہ تین قزو  
گزرنے تک نہ نکاح کرے گی۔

یہ مطلقہ عورت کی حدت کا بیان ہے جس کی حدت میں قزو بیان کی گئی ہے قزو  
کا لفظ عربی زبان میں حیض یا بھوری کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور ٹھہراؤ کے لئے  
بھی اگر یہ معنی لیا جائے تو مطلب یہ ہو گا کہ تین مرتبہ یا مابھوری گزر جائیں مگر دوسرے  
معنی ہے بائیں تو تین قزو گزرنے پر حدت پوری ہو گی اب سوال یہ ہے کہ کس معنی کو  
لیا جائے۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔  
مَنْ كَانَ لَهُ امْرَأَةٌ فَهِيَ بِلَهْمِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ  
قراۃ۔

دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے۔  
لَا صَلَواتَ لِمَنْ لَمْ يُقْرَأْ بِهَا نَحْوُ

الکتاب۔ نہیں ہوگی۔

اب دواہوں حدیثوں کو دیکھتے ہوئے یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلی حدیث طریف کو نیا دہنا کر دوسری حدیث کا مطلب یوں لیا جائے کہ یہ منقولہ ایک نیا ہی کہتے ہے۔ یا دوسری حدیث کو اصل مان کر یوں کہیں کہ پہلی حدیث میں قلمات سے مراد سورتہ فاتحہ کے سوا کوئی دوسری جہت ہے اور سورتہ فاتحہ اس سے مستثنیٰ ہے؟

اب صاف ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث سے احکام نکالنا کوئی آسان کام نہیں۔ اب ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ہم اپنی جگہ کو راہنما بنا کر اس قسم کے احکام میں فیصلے کرنے لگیں۔ اور دوسرے طریقے یہ ہو گا کہ ہمارے جلیل القدر اسلاف اور بزرگوں نے ان آیات و احادیث کا کیا مطلب لیا ہے۔ ظاہر ہے کہ پہلا طریقہ نہایت خطرناک ہے اور دوسرا طریقہ بہت محتاط ہے۔ یہ بات ناقابل انکار ہے کہ لغو و فہم، تقویٰ و پرہیز گاری، دینی و دنیاست، ذکاوت و محافظہ کے لحاظ سے ہر لوگ قرآن کو اپنی اے ملا۔ کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔ پھر وہ لوگ قرآن و سنت کو سمجھتے ہی سمجھتے کہ یہ جو نزول قرآن کے زمانے کے قریب تھے اور اس زمانے کی معاشرت، مہر و گشتگو، قرآن و حدیث کے صحیح پس منظر اور نزول کے ماحول سے مکمل واقف تھے۔

اب اگر ہم اپنی جگہ پر اعتماد کرنے کہ ہم نے قرآن و سنت کے احکام میں اس مطلب و مفہوم کو اختیار کر لیں جو ہمارے اسلاف میں سے کسی عالم نے مجھاسے قبول کیا جائے گا کہ ہم نے ظاہر مالک کی تقلید کی ہے۔

**تقلید کی ضرورت** | یہ بات صاف ظاہر ہے کہ تقلید کی ضرورت وہاں پیش آئے گی جہاں قرآن و سنت کے کسی حکم کو ہم ٹھیک طرح نہ سمجھیں خواہ اس جگہ پر کہ کسی جہت کے ایک سے زیادہ معنی نکل سکتے ہوں یا اس میں تفصیل نہ ہو دہرا اس کے متعارف دہل موجود ہو۔ تقلی احکام میں کہنے میں کوئی خشک نہ ہو، میں کسی عالم یا مجتہد کی تقلید کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ مشہور حنفی عالم علامہ عبد الغنی باہجی فرماتے ہیں۔







آئمہ تشیع پر حملہ کرنے کا تعلید کتے ہیں۔

**تعلید کا ثبوت آیات قرآن سے** | تعلید کی حقیقت کے بارے میں قرآن کریم میں اصولی دایات موجود ہیں اللہ تعالیٰ کا ہر شار ہے۔

لَا يَأْتِيهَا الْبُزْنُ أَتَيْنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ  
اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اچھے آپ میں سے اطاعت کرو۔  
(سورۃ النساء: آیت ۵۹)

”اولوالامر سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک مسلمان حکام ہیں۔ اور حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عمار، حضرت عثمان بن ابی رباح، حضرت عطاء بن ابی اساب، حضرت حسن بصری، حضرت ابو سعید خدری اور دوسرے دست سے مفسرین نے اس کا مطلب طلب طلبہ اور فقہاء لیا ہے۔ اور امام ہانفی نے اسے تخریج دی ہے اور علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مراد کی اطاعت کا یہ تہرہ بھی باقہ طلبہ ہی کی اطاعت ہے کیونکہ اصل میں شرعی معاملات میں علماء کی اطاعت کے پابند ہیں۔

بہر حال اس نایت مبارک میں مسلمانوں کو لگایا ہے کہ اللہ و رسول کی اطاعت کریں اور ان طلبہ اور فقہاء کی اطاعت کریں جو اللہ اور اس کے رسول کے کلام کی تشریح کرنے والے ہیں۔ اسی اطاعت کا اصطلاح میں تعلید کہتے ہیں۔ آگے اللہ پاک فرماتے ہیں:

فَإِنْ تَنَادَوْا فَقُولُوا هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَإِنْ تَنَادَوْا فَقُولُوا هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ  
اللَّهُ وَالرَّسُولُ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأَطِيعُوا أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ  
اگر آپ میں سے اختلاف ہو تو کہیں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے کلام کی تشریح کرنے والے ہیں۔

اس جملہ میں تشیع کی خطاب کیا گیا ہے اور امام ابو جبر جصاصؒ نے اولوالامر کا مطلب طلبہ لیتے ہیں اور کہتے ہیں۔

وَقَوْلُهُ تَعَالَى حَتَّىٰ ذَٰلِكَ فَأَمَّا تَعَالَىٰ  
فَإِنْ تَنَادَوْا فَقُولُوا هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ  
اور اولوالامر کی اطاعت کا حکم دینے کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمایا کہ اگر کسی معاملے میں اختلاف ہو تو کہیں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے کلام کی تشریح کرنے والے ہیں۔



جملہ میں امام مومنین کو تقلید کا حکم ہے اور دوسرے جلاسی مستخرج علماء کو اجتناد کا۔  
(۲) قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ لَعْنَةُ اللَّهِ لَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ  
أَوْ الْكُفْرَ أَذْ أَعْلَوْا بِهِمْ ذُوقُوا عَذَابَ اللَّهِ  
إِنَّ الْكَافِرِينَ وَاللَّيْئِلِينَ أُولَىٰ عَذَابٍ مُّنتَهٍ  
لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ  
وَالَّذِينَ هُمْ يَأْتِيهِمُ الْبُيُوتُ فَخَرُّوا عَنْهَا  
وَالَّذِينَ هُمْ يُنَادُّونَهَا مُتَّقِفِينَ عَلَيْهَا  
وَالَّذِينَ هُمْ يُنَادُّونَهَا مُتَّقِفِينَ عَلَيْهَا  
(نساء آیت ۸۲)

وہ جس کے ساتھ لکھا کہ ایسی ہی اس کی حقیقت۔  
کتاب مسلم کہہ لیتے۔

اس آیت سے یہ اصولی ہدایت ملتی ہے کہ جو لوگ گری نظر اور تحقیق کی قابلیت  
نہیں رکھتے، انہیں اہل استنباط اختیار بجمہوری کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور وہ اپنی  
ہدایت سے جو راہ عمل متبعین کریں اس پر عمل کرنا چاہیے، اسی کا نام تقلید ہے۔ چنانچہ  
امام رافضی اجماعیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

فثبت ان الاستنباط حجة، والتقليد  
اما استنباط او داخل فيه فوجب ان  
يكون حجة اذا ثبت هذا فنقول، اولا  
حالة على امور اختلف فيها في الاحكام  
حوادث مالا يعرف بالنسب بل بالاستنباط  
وثانيا ان الاستنباط حجة، وثالثها  
ان العام يجب عليه تقليد العلماء في  
احكام المخدرات.

یہ تفسیر ہے کہ عام آدمی پر عداہ ہے کہ وہ چیزیں آنے والے مسائل و احکام کے بارے میں علماء کا  
تقلید کرے۔

مذہب کبیر ص ۲۸ ص ۲۰۱۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ آیت جنگ کے مخصوص حالات کے لئے ہے  
 ہے امام مالکی اس کے جواب میں لکھتے ہیں۔

ان قوله قَدْ اَجَلَتْ حَتُّهُ اَمْرٌ مَجْهُدٌ  
 الْاَمْنُ يَكُونُ الْخَوْفُ حَامٍ فِي كُلِّ مَا يَتَّصِلُ  
 بِالْحَرْبِ وَغِيَا يَتَّصِلُ بِاَثَرِ الْوَقَاتِ  
 بِشَرْعِيَّةٍ. وَانِ الْاَمْنُ وَالْخَوْفُ حَامِلٌ  
 فِي كُلِّ مَا يَتَّصِلُ بِآبِ الشَّكْلِ نَقَبَتْ  
 اَنْدَلِيسَ فِي الْاَيَّةِ مَا يُلْجِبُ تَخْصِيصَهَا  
 بِامْرِ الْحَرْبِ.

اذا تاملنا کہ یہ شان کو جب ان کے سامنے اس  
 یا خوف کا کوئی سائل آتا ہے انہی کے سامنے ہے  
 جس میں جنگ کے حالات بھی داخل ہیں اور تمام  
 شریعی مسائل بھی اس لئے کہ اس میں خوف کی حالت  
 میں کہ شریعت کے فرقہ کہ اس حکام کا کوئی باب  
 ان سے باہر نہیں لے لے ثابت ہوا کہ آیت میں کوئی  
 لکھا یا نہیں ہے جو اسے صرف جنگ کے  
 حالات سے مخصوص کر دے۔

اہل حدیث عالم نواب صدیق حسن خاں صاحب فرماتے ہیں۔  
 فی الایة اشارۃ الی جواز القیاس  
 وان من العلل۔۔ ما یدلک بلا شکی  
 اس آیت میں قیاس کے باوجود اس کے خلاف  
 اشارہ ہے اور بہن علم ایسے ہیں جی کا ادماک  
 حاصل کرنا مستحب اور یہ ہوتا ہے۔

رحمہ اللہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔  
 تَلَوْا تَنْفَرُوا مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ  
 طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ  
 وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوا  
 اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔  
 پس کیوں نہ نکل چے ان کی ہر فریق جماعت  
 میں سے ایک گروہ تاکہ لوگ وہیں میں تفقہ  
 اور حاصل کریں تاکہ لوٹنے کے بعد اپنی  
 قوم کو ہشید کریں شاید کہ وہ لوگ دفعہ کی تکرار  
 سے ناہم ہیں۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ علم حاصل کرنے والی جماعت پر یہ واجب  
 ہے کہ وہ دوسروں کو شریعت کے احکام سے باخبر کرے اور دوسروں پر واجب ہے

نہ تفسیر کبیر ۲۶ ص ۱۰۲ نہ فتح البیان ۲۵ ص ۲۳۰

کہ اللہ کی نافرمانی سے بچنے کے لئے ان کے تعلق سے ہوتے احکام پر عمل کریں اسی کا نام تقیہ ہے اس پر تمام جہان گنگو کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

فأوجب الحذر بآذارهم و الزم المنذرین قبول قولہ۔  
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے علم لوگوں پر واجب کیا ہے کہ جب علماء میں کوئی حکم شریعت بتا کر ہو شاید کریں تو وہ اللہ کی نافرمانی ہے یہی اور علماء کی بات نہیں۔

(۴) اللہ فرما رکھا ہے

فَأَسْلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ  
اگر تم میں سے کوئی شخص علم نہ ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔  
اس آیت شریفہ میں یہ اصول بتلایا گیا ہے کہ جو لوگ عالم نہ ہوں وہ علم لوگوں کے ماہرین سے پوچھ کر عمل کیا کریں اسی کو تقیہ کہتے ہیں۔ پھر خطیب بغدادی لکھتے ہیں۔  
امامین یسوعیہ بالتقلید فہو العلم الذی لا یعرف طرق الامام الشریعۃ فی جوفہ ان یتطلب حالتہ و یعمل بقولہ قال اللہ تعالیٰ فَأَسْلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔  
راہ سنت کو تقیہ کسی کے لئے جائز ہے سرور عالم کی شخصیت جو احکام شریعہ کے طریقے نہیں جانتا اس کی اس کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی عالم کی تقلید کرے اور اس کے قول پر عمل کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عمرو بن تیس کا قول نقل کیا ہے کہ آیات بالا میں اہل الذکر سے مراد اہل علم ہیں۔

**تقلید کا ثبوت حدیث شریف سے**  
قرآن کریم کے علاوہ حدیث شریف سے بھی تقیہ کا جو اثر ثابت ہوتا ہے

۱۱۔ عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ادری ما یأتی من حکم الا انما یجوز علی ما یأتی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ما یأتی من اہل الذکر۔  
حضرت مزین الدینی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے خدا کا حکم الا انما یجوز علی ما یأتی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ما یأتی من اہل الذکر۔  
سورہ براءہ ۱۶۹-۱۷۰۔

نیکو، فاقہ و ابالذین من بعدی ابیکم و احسنہ  
 معلوم نہیں میں کتنا دور تارے دریا پہن  
 ایک ابیکم و احسنہ

مریٹ شریف میں لفظ اقتدا آیا ہے جو دینی امور میں کسی کی پیروی کے لئے  
 استعمال ہوتا ہے عربی لغت کے مشہور عالم ابی منظور لکھتے ہیں۔ الْقَدْوةُ دَالِقَةٌ وَ  
 مَا نَسَفَتْ ہب یعنی قدوة اس شخص کو کہتے ہیں جس کی سنت پر تم عمل کرو اور القدوة کا  
 قدوة کے معنی ہیں اسوۃ یعنی نمونہ قرآن کریم میں بھی یہ لفظ دینی امور میں انبیاء علیہم السلام  
 اور صلحا کی پیروی کے لئے آیا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِمْ (سورہ صافات آیت ۲۰)  
 یہی لوگ ہیں جن کا اللہ نے ہدایت دی ہے پس  
 تم ان کی ہدایت کا اقتدا کرو۔

پس مندرجہ بالا حدیث شریف میں لفظ اقتدا استعمال کیا گیا ہے جو کہ دینی امور  
 میں کسی کی پیروی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور یہاں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کی  
 اقتدا کا حکم دیا گیا ہے اور اس کا نام تقلید ہے۔

۱۲۱ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے ارشاد فرمایا۔

من افقی بغیر علیہ کان اثمہ  
 جو شخص بغیر علیہ کے فتویٰ دے گا اس کا گناہ  
 علی من افشاہ۔  
 فتویٰ دینے والے پر ہوگا۔

اس حدیث شریف سے صاف ظاہر ہے کہ تقلید جائز ہے اور علم کے فتویٰ  
 پر دلیل کی تحقیق کے بغیر عمل جائز ہے۔ کیونکہ سارا گناہ ہے علم کو ہوگا جو فتویٰ دے۔  
 اگر فتویٰ کی تحقیق کے بغیر عمل جائز نہ ہوتا تو سوال کرنے والے کو بھی اس بات کا گناہ ہونا  
 چاہیے تھا کہ اس نے فتویٰ کی صحت کی تحقیق کیوں نہیں کی۔ پس حدیث شریف سے صاف  
 ہو گیا کہ جو شخص خود عالم ہو اس کا طریقہ صرف اس قدر ہے کہ جو شخص اس کی مسلمات

کو مرقاۃً تالیف ج ۵ ص ۵۶۶ باب مناقب ابی بکر و غیرہ۔

کے مطابق قرآن و سنت کا علم رکھتا ہو مسئلہ پوچھ لے، اگر وہ غلط ثابت ہو تو گناہ عالم پر ہو گا یا چھپنے والے پر نہیں۔

۱۴) حضرت ابراہیمؑ ہی بعد از جنی العذر شی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر۔۔

یجعل هذا العلم من كل خلف حدوہ ہر آنے والی نسل کے لئے تو ک اس علم میں کے  
یمنعون عنه تعویف الغالین و مائل ہوں گے جو اس سے غلو کرنے والوں کی  
انتحال البطلین فتأویل الجاہلین تحریم کو باطل پرستوں کے جھوٹے دعووں کو  
ارواء البیعتی فی اللیلۃ صیاحوں کی تاویلات کو دھڑکریں گے۔

اس حدیث شریف میں مائلوں کی تاویلات کی مذمت کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان تاویلات کی تردید علماء کا فرض ہے اور تاویلات بھی وہی آدمی کر سکتا ہے جو طردی اور عمل کی شدت رکھتا ہو، لیکن ایسے شخص کو بھی سریت میں باطل قرار دیا گیا، اس کی تاویل کی مذمت کی گئی، پس جو لوگ جہتہ نہ بصیرت نہیں رکھتے انہیں قرآنی و حدیث کے صحیح مطلب کو سمجھنے کے لئے اہل علم کی طرف رجوع کرنا لازمی ہے اسی کو تعلیہ کہتے ہیں۔

صحابہ کے زمانے میں تعلیہ | صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں تعلیہ پر بھرت  
عمل ہوتا رہا ہے جو کما ہر تحصیل علم میں زیادہ وقت  
نہیں لگا سکتے تھے وہ فقہاء صحابہ سے پوچھ پوچھ کر عمل کرتے تھے اور کما ہر کراؤم سے  
تعلیہ مطلق اور تعلیہ شخصی دونوں ثابت ہیں۔ ان روایات جن سے تعلیہ کا ثبوت ملتا ہے  
سے قبل تعلیہ مطلق اور تعلیہ شخصی کے فرق کو سمجھ لینا چاہیے۔

تعلیہ مطلق | اگر ایک مسئلہ میں ایک عالم کا مسلک یا باتے اور دوسرے مسئلہ میں  
کسی دوسرے عالم کی رائے قبول کر لی جائے تو اس کو تعلیہ مطلق یا تعلیہ  
عام یا تعلیہ غیر شخصی کہیں گے۔

نہ ضغوة المسایح کتاب العلم الفصل الثانی ص ۱۸

**تقلید شخصی** اگر تقلید کے لئے کسی ایک بہت مد عالم کو اختیار کیا جائے اور ہر مسئلہ میں اسی کے فیصلہ کو کیا جائے تو اسے تقلید شخصی کہتے ہیں۔  
پہلے تو سماج کے دور میں تقلید مطلق کی مثالیں ملتی ہیں۔

۱۱۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما قال خطب عمر بن الخطاب الناس بالجباية وقال يا ايها الناس من اراد ان ليسل من امته ان ياتوا به من كعب ومن اراد ان ليسل من افقرهم فليات زبيد بن ثابت ومن اراد ان يسأل عن الفقه فليات معاذ بن جبل ومن اراد ان يسأل من المال فلياتني فان الله جعلني له وليا وقائما۔  
(رواه الطبرانی في معجمه وسننہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے خطبہ کے تمام چٹیلہ دیاجو فرمایا اسے لوگو! جو شخص قرآن کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہو وہ اہل ہی کعب کے پاس جائے جو میراث کے احکام کے بارے میں پوچھنا چاہے وہ زبیر بن ثابتؓ کے پاس جائے اور جو شخص فقہ کے بارے میں پوچھنا چاہے وہ معاذ بن جبلؓ کے پاس جائے اور جو شخص مال کے بارے میں سوال کرنا چاہے وہ میرے پاس آجائے اس لئے کہ اللہ نے مجھے اس کا ولی و قائم بنوایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی اس تقریر میں لوگوں کو تفسیر و فرائض اور فقہ کی معلومات حاصل کرنے کے لئے ماہر اور متماثر صحابہؓ کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کی کہ لوگ ان کے بتاتے ہوئے مسائل پر عمل کریں، یہی تقلید ہے۔

۱۲۔ عن عبد الرحمن قال سألت محمد بن سيرين عن دخل الهام فقال كان عمر بن الخطاب يكرهه۔  
عبد الرحمن فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن سيرينؒ سے پوچھا کہ وہل کے لئے ہام میں داخل نہ کرنا توجہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ اسے مکروہ کہتے تھے۔  
دیکھئے یہاں محمد بن سيرينؒ نے صرف اتنا کہا کہ حضرت عمرؓ اسے مکروہ کہتے تھے۔ اس کی کوئی دلیل نہیں بتاتی۔

صحابہ کرامؓ میں سے بھی جو حضرات خود کو اہل اجتہاد یا اہل استنباط نہیں سمجھتے تھے وہ فقہاء سماج کے پوچھتے وقت دلائل کی تحقیق نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ اھلکد کے لئے سال

نہ اطر برسند و خطاب بھایہ علمائے اہل حق و جہاد اس ۱۱۰ حدیث منہجہ ۱۱۰



## پر عمل کرتے تھے۔

(۳) ابن سلیمان بن یسار ابن ابی ایوب  
 عن نصار بنی خرج حانبا حقن اذا كان  
 بالنزاة من طريق مكة اخل بوطله  
 وانه قدم على عمر بن الخطاب يوم الغزو  
 وذكر ذلك له فقال عمر بن الخطاب  
 احسن ما لعنم المعتصم ثم قد حلت  
 فاذا اوركك الحج فابا فاصبح  
 واحد ما استيسر من الهدى  
 حضرت سلمان بن یزید فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ  
 انصار بنی خراج کے دوست سے بیچ بپسوا کر  
 کے راستہ میں نازیکہ کے مقام تک پہنچے تو کسی سوایا  
 کم ہو گئیں اور وہ یوم النزال کو ہیں جب صبح  
 ہو چکا تھا حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے تو اس سے  
 یہ واقعہ ذکر کیا حضرت عمرؓ نے فرمایا تم جہاد کو  
 کرو جو لوگوں کو اس کے ذریعہ طواف کئے اس  
 طرح تمہارا احرام مکمل ہائے گا۔ پھر اگلے سال جب  
 حج کا نذر آئے تو دوبارہ حج کرو اور قربانی میں سربو نہ کر۔

اس مثال میں بھی حضرت ابو ایوبؓ نے منے کی دلیل پر بھی حضرت عمرؓ سے  
 منے نہ بنائی انہوں نے فقط حضرت عمرؓ کے علم و فہم پر یقین کرنے کے عمل فرمایا اسی کو  
 تسلیم کئے ہیں۔

(۴) ابن مصعب بن سعد کان ابی  
 اذ صلی فی المسجد فجوز واقعد کر ۲  
 والیسجد والصلوة قلت یا ابتلا اذا  
 صلیت فی المسجد جوزت واذا صلیت  
 فی البیت طلت؟ قال یا ابن انا انما  
 یقتدی بنا رسولہ العزیز فی الکبر ورجاء  
 رطل الصبر  
 حضرت مصعب بن سعد فرماتے ہیں کہ میرے والد سے  
 بنی ہاشم کا ایک آدمی مسجد میں نماز پڑھتے تو مکہ سے  
 ہجرت تو پھر کر اپنے غزوہ سے کم پڑھتا تھا  
 گھوڑی نماز پڑھتے تو نہ کہ سجدہ اور نہ کہ کھڑے  
 ارکان طویل فرماتے ہیں نے عرض کیا یا ابنا  
 جب مسجد میں نماز پڑھتے ہیں تو انشاء سے کم  
 پڑھتے ہیں اور جب گھوڑی نماز پڑھتے ہیں تو طویل نماز

پڑھتے ہیں حضرت سہلؓ نے جواب دیا کہ بیٹے ہم دونوں کے امام ہیں تو اگر پہلی واقعہ ارکب نے ہی دیکھی  
 تو ان میں طویل نماز پڑھتے تو رکھیں گے تو اتنی لمبی نماز پڑھنا سہل ہی نہیں گے اور جادو ہے اس کی پابندی  
 یہ حدیث امام شافعیؒ سے ۱۱۴۱ ہجری میں نقل کی گئی ہے صحیح الترغیب والترہیب ۱/۲۸۱ باب ما یجوز من التذلل والافتقار۔



فائقہ و ابہما و اسمعوا من قولہما۔ پس تم ان کی آفتاب کرو اور ان کی بات سنو۔  
 (۷) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قضا کے اصول بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:  
 فمن حرم من لم منکر قضا بعد الیوم۔ آج کے بعد میں شخص کو قضا کا مسئلہ پیش کرتے  
 فلیقض بما فی کتاب اللہ۔ فان جاءہ امر۔ اسے چاہیے کہ کتاب اللہ سے فیصلہ کرے پھر  
 لیس فی کتاب اللہ فلیقض بما قضی بہ۔ اگر اس کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ آجائے جہاں پہ  
 نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم کان جائداً۔ میں نہیں ہے تو نبی کریم نے جو فیصلہ کیا ہو اس کے  
 لیس فی کتاب اللہ ولا قضی بہ نبیہ۔ مطابق فیصلہ کرے۔ پھر اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش  
 صلی اللہ علیہ وسلم فلیقض بما قضی۔ آجاتے ہو: کتاب اللہ میں ہو اور اس میں نبی کریم  
 بہ الصالحین فان جاءہ امر لیس فی۔ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ ہو تو صالحین نے جو  
 کتاب ولا قضی بہ نبیہ صلی اللہ علیہ۔ فیصلہ کیا ہو اس کے مطابق فیصلہ کرے۔ پھر اگر ایسا  
 وسلم ولا قضی بہ الصالحین فلیجتہد فیہ۔ مسئلہ پیش آجائے جو نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ  
 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں کوئی فیصلہ کیا ہو اور نہ صالحین نے تو اپنی رائے سے اجتہاد کرے۔  
 اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث کی تشریح میں صالحین کا  
 اتباع ضروری ہے یہی تقلید کا مقصد و مطلب ہے۔ پھر یہ حدیث قاضی اور عالم کو ہوتا  
 کرتی ہے کہ وہ اپنی جہت راوی راستے پر صالحین اسلاف کے فیصلے کی طرف رجوع کرے۔  
 یہ چند مثالیں سرسری طور پر بیان کر دی گئی ہیں اور کتب آثار اے واقعات  
 سے بھری چڑی ہیں۔ اس کے علاوہ صحابہ کے زمانے میں غرضی تقلید کی مثالیں بھی ہیں۔  
 صحابہ کے زمانے میں تقلید غرضی

عز سے روایت ہے۔

ان اهل العلم یسألون ابن عباس عن اهل  
 مدینہ عنہما من اسواء طافت شہ  
 احسن قال لیسوا تنفر قالوا لا یأخذ  
 ابن عباس عن ابن عباس عن اهل مدینہ عنہما من اسواء طافت شہ  
 احسن قال لیسوا تنفر قالوا لا یأخذ

اسی کے ساتھ کہ اب ہا قاضی العزم باقی اہل علم و سنتی طرزی م اس د مقرر







جواب دیا۔ اور لوگ ان کی تقلید کرتے تھے۔ صرف اہل یمن نہیں بلکہ دوسرے صحابہ بھی ان کی تقلید کرتے تھے۔ چنانچہ ابو مسلم خولانی کی روایت میں ہے کہ اہل دمشق کی ایک مسجد میں ایک ملتزمین اور حلیہ کے صحابہ کو ہم موجود تھے۔ درمیان میں ایک جوان شریکین آنکھوں والے اور چمکدار روایت والے صحابی تھے جب صحابہ میں کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو وہ فیصلہ اسی جوان صحابی سے کرتے۔ مولانا نے اپنے ہم نفسین سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ مساذ بن جبلؓ ہیں۔

یہ چند مثالیں تقلید شخصی کی نظیر ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقلید کی دونوں قسمیں تقلید شخصی اور غیر شخصی، پر صحابہ کرامؓ کے عہد مبارک میں عمل ہوتا رہا ہے اور حقیقت یہی ہے کہ جو شخص قرآن و سنت سے براہ راست احکام نکالنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اصل کے اعتبار سے اس کے لئے تقلید کی دونوں قسمیں جائز اور درست ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

اور تقلید کی ذمت میں جو باتیں کہی گئی ہیں، ان کا اطلاق اس شخص پر نہیں ہوتا جو انصرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کے قول کو حجت نہیں مانتا، اور جس کا اعتقاد یہ ہے کہ طلاق صرف وہ ہے جسے اللہ اور اس کے رسولؐ نے طلاق کر دیا اور صرف وہ ہے جسے اللہ اور اس کے رسولؐ نے حرام کر دیا، لیکن جو محاسن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کا علم نہیں ہے، وہ وہ آپ کے کلام میں سے مشافہہ ماوریت کی تطبیق کے طریقے سے واقف ہے اور نہ آپ کے کلام سے استنباط احکام کے طریقے جانتا ہے، اس لئے وہ کسی ہدایت یافتہ مالک کی اس بنا پر اتباع کر لیتا ہے کہ یہ عالم اپنے علم و فتویٰ کے مشفق اور اپنے اقوال میں صاحبِ درست ہے۔ گا اور ظاہری طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا تبع ہو گا۔ چنانچہ اگر اس کا یہ گمان غلط ثابت ہو جائے تو وہ کسی ہدایت داسرار کے بغیر اس کی تقلید سے دستبردار ہو جائے گا تو اس قسم کی تقلید سے کوئی کیسے انکار کر سکتا ہے جبکہ فتویٰ پوچھنے اور فتویٰ دینے کا سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے چلا آتا ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ انسان ہمیشہ ایک ہی شخص سے فتوے پوچھا

کے جسے تقلید شخصی کہتے ہیں، یا کسی ایک شخص سے اور کسی دوسرے شخص سے  
 پر چھارے (جسے تقلید مطلق کہتے ہیں) جب کہ اس میں مذکور بالا شرائط جمع ہوں۔  
 پس فی الحقیقت تقلید شخصی ہو یا مطلق اصلاً جائز ہے۔  
 تقلید شخصی کی وجہ | اب علماء و فقہائے لوگوں کو صرف تقلید شخصی پر عمل کرنے کے  
 لئے کیوں فتویٰ دیا؟

فقہائے کرام نے موسیٰ کیا کہ لوگوں میں دیانت کا میار روز بروز گھٹ رہا ہے  
 اعتدال اور تقویٰ لٹھٹے جا رہے ہیں، ایسی صورت میں اگر تقلید مطلق کا رد وان کھلے رہا  
 تو بہت سے لوگ ہاں بوجھ کر اور بہت سے غیر ضروری طور پر خواہش پرستی میں مبتلا ہو  
 جائیں گے، مثلاً ایک شخص کا سردی کے موسم میں خون نکل آیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک  
 اس کا وضو ٹوٹ گیا اور امام شافعیؒ کے نزدیک نہیں ٹوٹا، وہ اپنی سہستی کی وجہ سے  
 اس وقت امام شافعیؒ کی تقلید کر کے ہا وضو نماز پڑھ لے گا پھر اگر اس نے کسی محنت  
 کو چھوڑ لیا تو امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا وضو باطل رہا، لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جہز  
 ہے۔ اب اس کی تصانیف اس کو ابوحنیفہؒ کی تقلید پڑائے گی مگر من میں امام کے قول میں  
 اسے فائدہ اور تلام نظر آئے گا اسے سے لے گا اور جہاں کسی کے قول میں اتصال یا توکل  
 نفس کی قرانی دکھائی دے اسے چھوڑ دے گا جس سے احکام شرعیہ انسانی خواہشات  
 کے احمول میں کھلنا ہی کر رہ جائیں گے، یہ چیز بڑا اختلاف حرام ہے، اسی چیز کی غریبوں  
 کو خارج کرتے ہوئے امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

امام احمد وغیرہ نے تصریح فرمائی ہے کہ کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ حسن  
 اپنی خواہشات نفس کے زیر اثر ایک چیز کو پہلے موافق واجب سمجھے اور پھر اسی کو جائز یا  
 حرام قرار دے دے، مثلاً وہ خود کسی کا پڑوسی ہو اور شفعہ کا دعویٰ کرنا چاہتا ہو تو امام  
 ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق، یہ مذہب اختیار کر لے کہ شفعہ کا حق پڑوسی کو ہوتا ہے  
 پھر جب کوئی دوسرا شخص پڑوسی کی وجہ سے اس پر شفعہ کا دعویٰ کرے تو امام شافعیؒ

نہ بوجھ کر اور نہ بوجھ کر شفعہ کا دعویٰ کرے اور نہ ہی اس پر شفعہ کا دعویٰ کرے۔ (مجموع الفتاویٰ، ج ۱۰، ص ۱۰۰)



کے مذہب کے مطابق، یہ قول اختیار کرنے کے کشف کا حق پڑوسی کو نہیں ہے یا اختلاف ایک شخص کسی مرنے والے کا بھائی ہوا اور میت کا دادا بھی موجود ہو تو یہ مذہب اختیار کرنے کے بھائی میراث میں دادا کے شریک ہوتے ہیں اور جب خود دادا اپنے اہل اس کا پوتا بنے بھائی چھوڑ کر مر جائے تو یہ مذہب اختیار کرنے کے دادا کی موجودگی میں بھائی وارث نہیں ہوں گے۔

مجاہد اور تابین کے زمانے میں چونکہ خوف خدا اور فکر آخرت کا غلبہ تھا اس لئے اس وقت تعلیم مطلق میں کوئی برائی نہیں بھی گئی۔ اب چونکہ دیانت ختم اور نفسانیت کا غلبہ ہے، اس لئے علماء نے انتظامی مصلحت کے بنا پر یہ فتویٰ دیا کہ اب صرف تعلیم شخصی جائز ہے اور آزاد تعلیم (یعنی تعلیم مطلق) کا طریقہ ترک کر دینا چاہیے اگر ہر شخص کو اختیار ہو کہ جس مسئلہ میں چاہے جس جہد کی تعلیم کرے تو مذکورہ بالا اشعار کی طرح ایسے اقوال کا ایک مجموعہ تیار ہو جائے گا جو کہ شیطان اور نفس کا مذہب ہو گا دین کا خواہشات کے تابع ہونا کسی کے اہل جائز نہیں ہے بلکہ فقہائے کرام تو اتنے متلاطم تھے کہ اپنا مقام کے طبر مشورہ اقوال پر بھی فتویٰ نہیں دیتے تھے کہ لوگوں میں فتویٰ کی کمی ہے اور مختلف مذہب سے آسانیاں تلاش کر کے ان پر عمل کی خواہش رکھتے ہیں۔ علماء ابن خلدون فرماتے ہیں۔

اور تمام شہروں میں تعلیم ان ائمہ اربعہ میں محصور ہو گئی جو سرے ائمہ کے متقدمین ختم ہو گئے اور لوگوں نے ان ائمہ سے اختلاف کا دروازہ بند کر دیا جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ علوم کی اصطلاحات پیچیدہ ہو کر پھیل گئی تھیں اور اس کی وجہ سے اجتہاد کے مرتبہ تک پہنچنا سخت مشکل ہو گیا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ اجتہاد ائمہ کے قبضہ میں نہ چلا جائے اور ایسے لوگ اسے استعمال نہ کرنے لگیں جن کی راستے اور دین پر احکام و نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا علماء نے اجتہاد سے محض کا اعلان کر دیا اور لوگوں کو ان ائمہ اربعہ کی تعلیم شخصی کی طرف لوٹا دیا اور اس بات

لہذا فتاویٰ ماہگیری و ہیبتیہ ج ۲، ص ۲۳ مطبوعہ دارالکتب المصریہ۔

کو منوع کر دیا کہ ابن اُمّہ کی چل کر تقلید کی جائے۔ کیونکہ یہ طریقہ دین کے کلونا بن جانے کا سبب ہو جائیگا۔

اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

”بلاشبہ یہ چار مذاہب جو مدون ہو کر تحریری شکل میں موجود ہیں۔ ان کی تقلید کے جائز ہونے کا تمام امت کا اجماع ہے اور اس میں جو مصلحتیں ہیں وہ پوشیدہ نہیں بالخصوص اس زمانے میں جب کہ حدیث پست ہو چکی، میں خواجش پرستی لوگوں کی ٹکسی میں پڑ گئی ہے اور ہر ایک صاحب دانتے اپنی دانتے پر گھنڈہ کرنے لگا ہے۔“

**تقلید شخصی کی ایک بڑی مثال** | حنہ میں جمع قرآن کا واقعہ ہے حضرت عثمان غنیؓ نے باجماع صحابہ قرآن کے سات لغات یا سات کثروف میں سے صرف ایک حرف کو مخصوص کیا، مگر چاروں حروف قرآن ہی کے تھے اور جبریل امین کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواجش کے مطابق نازل ہوئے مگر جب قرآن مجید علم میں پھیلا اور مختلف لغات میں پڑھنے سے تحریف قرآن کا خطرہ محسوس کیا گیا تو باجماع صحابہ مسلمانوں پر لازم کر دیا گیا کہ صرف ایک ہی لغت یا حرف میں قرآن لکھا اور چرما جائے، مصلوں نے اسی ایک حرف کے مطابق بہت سے نسخے لکھ کر اطراف عالم میں بھجواتے اور حج تک پوری امت اسی کی پابند ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اتنی دوسرے حروف حق نہیں تھے بلکہ انتظام دین اور حفاظت قرآن کی خاطر ایک لغت کو اختیار کیا گیا۔ اسی طرح ائمہ مجتہدین سب حق ہیں اور تقلید شخصی بدعت نہیں کیونکہ عثمانؓ کا واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر امت کو کسی معاملہ میں کئی امور کا اختیار

نہ دیا جائے تو ضرور منہ ۲۴ مطبوعہ مکتبہ حمادیہ کبریٰ مصریہ باب ۲ فصل ۱۔

۲۔ حوزۃ الشریعہ ج ۱ ص ۲۵۱ باب حکایۃ اہل الناس قبل الامامیۃ الرازیۃ ولیدہ۔

۳۔ اس مسئلہ کی پوری تحقیق حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ کی کتاب علوم القرآن میں ملے گی۔

۴۔ تفسیر صارف القرآن ص ۳۲۵ ج ۵ مع تفسیر لیسز

ملاحو کر زمانے کے فساد کے پیش نظر ان میں سے کسی ایک طریقے کو اختیار کر کے باقی طریقوں کو چھوڑ سکتی ہے اور تقلید فحشی کے معاملہ میں اس سے کچھ زیادہ نہیں ہوا۔

**انکر اربعہ کی خصوصیت** | اس سوال یہ کہ مجتہدین قوسیت سے غور سے ہیں۔ مثلاً سفیان ثوریؒ، امام اوزاعیؒ، عبد اللہ بن مبارک، اسحاق بن راہویہؒ، اہلم بخاریؒ، ابی الیٰلیٰؒ، ابی شبرہؒ، جن بن صالحؒ وغیرہ وغیرہ۔ ان چار اماموں کی کیا خصوصیت ہے، کسی بھی مجتہد کو تقلید کے لئے مقرر کر سکتے ہیں بات دراصل یہ ہے کہ ان حضرات کی تقلید نہ کرنے کی وجہ ایک مجہدی ہے اور یہ کہ ان کے مذاہب مدون شکل میں محفوظ نہ رہ سکے، مگر ان حضرات کے مذاہب بھی انکر اربعہ کے مذاہب کی طرح مدون و مرتب ہوتے تو جاشع بن انس سے کسی ایک کو تقلید کے لئے اختیار کیا جاسکتا تھا۔ لیکن نہ تو ان حضرات کے مذاہب کی تفصیل مدون مدون ہیں نہ ان کے مذاہب کے علماء پاسے جاتے ہیں، اس لئے ان کی تقلید ناممکن ہی گئی ہے۔ اگرچہ صحیح افتقاد یہی ہے کہ سب حضرات ہر جاہلیت پر ہیں۔

حضرت شامہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر طویل بحثیں کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔

۱) شریعت کو بکھنے کے لئے اسلاف پر افتقاد کئے بغیر ہمارے نہیں، لیکن سلف کے اقوال پر افتقاد اسی وقت کیا جاسکتا ہے جب کہ وہ صحیح اور مشہور کتابوں میں مدون ہوں یا صحیح سند کے ساتھ ہم تک پہنچے ہوں۔ نیز بعد کے علماء نے ان کی تشریح و توضیح کی خدمت کی ہو مگر ان اقوال میں کئی معانی کا احتمال ہو تو ان پر بحث کر کے راجح صحیح کو معین و مقرر کیا گیا ہو۔ بعض مرتبہ کسی فقیر کا قول زیادہ عام ہوتا ہے لیکن اس سے کوئی خاص صورت مراد ہوتی ہے اسی لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس مذہب کے علماء نے ایسی صورتوں کو واضح کر دیا ہو اور اس کے احکام کی عینیں بھی بتادی ہوں جب تک کسی مجتہد کے مذہب کے بارے میں ایسا کام نہ ہوا ہو اس پر امتداد کرنا درست نہیں اور یہ صفات ہمارے نکلنے میں مذاہب اربعہ کے سوا کسی مذہب

میں نہیں پائی جاتیں۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اَقْبِعُوا السَّوَادَ لَا عَظْمَ۔ یعنی سودا غنم و عطا کی حالت کثیر کی پیروی کرو

سب اب چار مذاہب کے سوا دوسرے برحق مذہب نابود ہو گئے تو اب انہی چار مذاہب کا اتباع سودا غنم ہے۔

(۳) اگر مذاہب اربعہ سے باہر بھی کسی مجتہد کے قول پر فتویٰ دینے کی اجازت ہو جائے تو خواہشات نفس سے مغلوب علماء شواہد اپنے کسی بھی فتویٰ کو سلف کے کسی مشہور عالم کی طرف منسوب کر دیں گے کہ یہ بات خلا امام کے غلام قول سے ثابت ہے۔ جس امام کے اقوال کی تشریح میں علماء حق کی ایک کثیر تعداد مصروف رہتی ہے اس کے مذہب پر عمل کرنے میں تو خطرہ نہیں۔ لیکن جہاں یہ بات نہ ہو بلکہ کسی مجتہد کے جملہ اقوال جیسے ہندو ان مگر ہی کا سنت اندیشہ ہے کہ کون کونساں اس مجتہد کی بات کو غلط سمجھتا ہے اس سے من مانے نتائج نکال لیں گئے۔

**ایک عجیب اعتراض کا مدلل جواب** | بعض حضرات نے اس بات پر تعلق

ہے کہ ائمہ سن کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پاکستان میں کثرتِ حضراتِ اہناف کی ہے اور جتنے دھرم کے کلب موجود ہیں ان کے قتلِ سننی حضرات ہیں۔ اگر تقلید شخصی ہو اور شیروں کا طعن ہے تو آج ہر پارٹیوں کے بے عمل جا بجا کیوں موجود ہیں۔

اس کے جواب میں اب کے ساتھ گزارش ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی کٹلی نالہ لائی کا عزم کر لیا ہے اور گناہ گوشتاہ سمجھنے کے باوجود خواہش پرستی کی وجہ سے اس کا مذہب ہو رہا ہے اس کا طعن نہ تقلید میں ہے اور نہ ترک تقلید میں۔ یہاں یہ خواہش پرستی زیر بحث نہیں بلکہ یہاں مشکل اس سنگین خواہش پرستی کی ہو رہی ہے جس نے آج سودا غنم و عطا بے پردگی کا مذہب بنا

۱۷۵ نمبر ۲۱ ۲۲۔

کے منکرات کو شرعی طور پر قرآن و سنت سے طلال ثابت کرنے کے لئے اپنی چوٹی کا زور لگا کر کہا ہے۔ آج پورا عالم اسلام اس جھگڑا اور اہمیت پسندی کی لپیٹ میں ہے جس نے اجتہاد اور ازدی فکر کے نام پر دینی کو ختم کرنے کی قسم کھائی ہوئی ہے۔ یہ لوگ قرآن و حدیث کے حوالوں سے مضامین لکھتے ہیں اور حرام و ناجائز کو حلال اور جائز ثابت کرنے کے لئے علمی ادارے قائم کر رکھے ہیں۔ یہ سب حضرات تقلید شخصی کو حرام قرار دے کر ہی آگے بڑھے ہیں۔ ان کا پسلاؤ اس تقلید پر ہوا ہے جس نے اس قسم کے اجتہادات کا راستہ روک رکھا تھا اور ان کو سب سے زیادہ مدد اسی پر دی گئی ہے جس سے علی ہے کہ اگر کی تقلید حرام اور شرک ہے اور اسلام نے تقلید کی بجائے ازدی فکر کا درس دیا ہے۔ ان صاحبوں نے ہمارے ان اسلاف کی دور بین نگاہوں کی پوری پوری تصدیق کر دی ہے جنہوں نے نفس پرستی کے سد باب کے لئے تقلید شخصی کو لازم کیا تھا۔ جب ہم عالم اسلام میں تقلید شخصی کا دواغ تھا اس وقت تک دین کے قطعی احکام اور مسلمہ مسائل کسی لمبید کی تحریف کا شکار نہیں بنے تھے۔ لیکن جب سے یہ پروپیگنڈا شروع ہوا ہے کہ تقلید حرام و شرک ہے تو اجتہاد کے نام سے ہر شخص نے قرآن و سنت پر مشق ستم شروع کی ہے اور اس پروپیگنڈے کے بعد سے لے کر آج تک جتنے گروہ اور طائفہ فرقے سامنے آئے ہیں۔ ان میں سے اکثر نے اپنی مشق کا مادہ اس خود رانی اور نزاکہ تقلید سے کیا ہے۔ جتنی کہ یہ بات ظہر منظر علماء کو بھی محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم جناب مولانا قاضی عبداللہ صاحب فائز دہلیؒ اس خود رانی پر خصوصاً کو حق پر کرتے ہیں۔ پس اس زمانے کے جھوٹے اہل حدیث قبیلہ میں مخالفت سلف صالحین جو حقیقت بابا۔ الرسول سے جا مل ہیں وہ صفت میں حادث اور غلط ہوئے ہیں۔ شیعہ و روافضی کے مسمیٰ جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب و دلیل کو روافضی کے تھے اور غلغلہ اور روافضی ملاحدہ اور مذاق کے تھے اسلام کی طرف اسی طرح یہ جاہل بدعتی اہل حدیث اس زمانے میں باب اور دلیل اور غلغلہ میں ملاحدہ اور مذاق روافضی کے مثل اہل تشیع کے الیٰ الٰہ تعالیٰ مقصود یہ کہ رافضیوں میں ملاحدہ و تشیع ظاہر کر کے حضرت

علی اور حسین رضی اللہ عنہم کو غلو کے ساتھ تعریف کر کے، سلف کو ظالم کہہ کر گالی دے دیں اور پھر جس قدر اہل اود زندقہ پھیلاتیں کچھ پرواہ نہیں اسی طرح ان جہال بدعتی کا ذب اہل حدیثوں میں ایک دفعہ رفع یدین کر کے، تقلید کا رد کرے اور سلف کی جھک کرے مثل امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی، جن کی امامت فی الفقہ اجماع امت سے ثابت ہے اور پھر جس قدر کفر اعتقادی اور الحاد اور زندقیت ان میں پھیلا دے بڑی خوفی سے قبول کرتے ہیں اور ایک ذوق چین بچین بھی نہیں ہوتے۔ اگرچہ علماء اود فقہ اہل سنت ہزار و ہزار ان کو تشبیہ کریں ہرگز نہیں سنتے۔ سبحان اللہ تعالیٰ ما شہر اللیلۃ بالبارۃ اور ہر راز اس کا یہ کہ وہ مذہب و حقانہ اہل سنت و الجماعت سے منحل کر اجماع سلف سے مستغنی دینی سلف کو حقیر کہہ کر ان کی اتباع سے روگردانی کرنے والے اور منکبر ہو گئے ہیں۔ فافہم و متذہب الی ان قال: پھر علامہ مزار شیعہ کا یہ نکلے تو انہوں نے بھی انہی کے باب اور دلیل اور عقل سے داخل ہونا اختیار کیا۔ اور جماعات کثیرہ کو ایمان سے مترد اور متعلق بنایا اور جب زندقہ بکثرت اور نکلے تو بھی انہی کے دلیل و دروازہ سے داخل ہوئے اور ایک خلق کو ان سے مترد بنایا اور جبروت۔۔۔۔۔ خاتمہ الملکین نکلا تو بھی انہی جہال الجھیش کے باب اور دلیل سے داخل ہو کر کیا جو کچھ کیا یعنی پہلے اس نے سیرتین اور حسن حصین اسلام کو اجماع امت مرحومہ اور اجماع سلف صالحین سے کفر و نفی قرار دیا اس کو توڑا۔ پھر اسلام میں کفر و نفاق کو داخل کیا اور تحریف کلام الہی و قرآن مجید کی، مذہب علامہ زنادقہ کی طرح ایسی کئی کئی باتوں سے بھی بڑھ گیا اور الحاد و جبر اور غیرہ اور کفریات و فلسفہ دہریہ کو اسلام میں بذریعہ مکر و فریب اور تحریف کے داخل کیا ۱۱ جلفظ کتاب التوحید و التمسک فی رد اہل الحاد و البدع ص ۱۱۳ ۱۱۳

اسی طرح مشہور غیر متقلد عالم مولانا محمد حسین بنالوئی اپنے جیسے سالہا تجربہ کے بعد فرماتے ہیں کہ جیسے برس کے تجربہ سے ہم کو کئی بات معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ نے علی کے ساتھ مجتہد مطلق (ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں)، اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ اگر اسلام کو مسلم کہہ رہے ہیں، کفر و ارتداد کے اسباب اور بھی بجزرت موجود ہیں، مگر

دینداروں کے بے دین ہوجانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترک تعلیم و سہل و سب ہے۔ گروہ ائمہ شیخ میں جو بے علم یا کم علم ہو کر شرک مطلق تعلیم کے مدعی ہیں وہ ان نفع سے ڈریں ماس گرہ کے عوام کمزلا اور غور و خفاار صحابہ تھے ہیں «ثالثہ السنۃ» و «رابعہ السنۃ»  
**تعلیم کے درجات** | تعلیم کی حقیقت اور تعلیم شخصی کا معزوری ہونا ثابت ہو چکا۔ اب ایک معزوری بات ہے کہ فقہار نے تعلیم کر لے والوں کے پر درجات کی تشریح کی ہے۔

(۱) ۱۔ پچھلے درجہ عوام کی تعلیم کا ہے، عربی زبان نہ جاننے والے، اسلامی علوم بالکل ناواقف، خواہ دوسرے علوم و فنون میں بہت ماہر اور تعلیم یافتہ ہوں۔  
 ۲۔ ایسے لوگ جو عربی جانتے ہوں اور عربی کتابیں پڑھ سکتے ہوں لیکن تفسیر حدیث و فقہ وغیرہ علوم پر قاعدہ اساتذہ سے نہ پڑھے ہوں۔

(۲) ایسے حضرات جو کسی طور پر اسلامی علوم سے غافل و غافل ہوں یہ بھی علوم ہیں کے اصولوں میں اچھی استعداد اور بصیرت سے عاری ہوں۔  
 ۳۔ سب لوگ عوام میں داخل ہیں، اس قسم کے لوگوں کے لئے تعلیم محض کے سوا کوئی چارہ نہیں، کیونکہ یہ لوگ براہ راست کتاب و سنت کو نہیں سمجھتے اور احکام کے دلائل میں لطیف و تدریج کا فیصلہ کر سکتے ہیں تو کسی نام کا ماس معزوری پکڑیں گے۔  
 اب، دوسرے درجہ متقدم عالم کی تعلیم کا ہے، ایسا آدمی ہو کہ درجہ اجتناب تک نہ پہنچا ہو اگرچہ اسلامی علوم کو ماہر اساتذہ سے حاصل کر کے عرضہ دراز تک ان کی درس و تدریس اور تصنیف کی خدمت میں فقہاء کے زیر نگرانی مشغول رہا ہو، اس قسم کا عالم مذہب کے دلائل سے بھی واقف ہوتا ہے اور بحیثیت مفتی اپنے مذہب کے مختلف اقوال میں سے اپنے زمانے اور عرف کے مطابق کسی ایک قول کو اختیار کر لے ماس مذہب کی تشریح کرنے کا اہل ہوتا ہے۔

(ج) تیسرے درجہ متقدم فی المذہب کی تعلیم ہے، یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو استدلال اور استنباط کے فیاضی اصولوں میں کسی مجتہد مطلق کے پر ہو جاتے ہیں، لیکن معزوری

مسائل کو براہ راست قرآنی وسنت اور آثارِ صحابہ سے اخذ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں ایسے حضرات اپنے امام سے فروعی احکام میں اختلاف رکھ سکتے ہیں لیکن اصول و عقائد ہی جوتے ہیں، خلافتِ طہنی میں امام ابو یوسف اور امام مالک، فقہ شافعی میں امام مزیٰ شافعی اور امام ابو ثور، فقہ مالکی میں ابن القاسم اور فقہ حنبلی میں ابو یوسف اور ابو حنیفہ۔

۱۰۔ آخری درجہ مجتہد مطلق کا ہے وہ شخص جس میں تمام شرائط اجتہاد پائی جاتی ہوں وہ اپنے علم و فہم کے ذریعے اصول، استدلال بھی خود فکر و سنت سے اخذ کر لے پر قادر ہو اور ان اصول کے تحت تمام احکام شریعت کو قرآنِ کریم سے مستنبط بھی کر سکتا ہو جیسے امام ابو حنیفہ، امام شافعی وغیرہ۔ یہ حضرات مگر یہ اصول و فروع دونوں میں مجتہد ہوتے ہیں لیکن ایک طرح کی تقلید ان کو بھی کرنی پڑتی ہے۔ جن مسائل میں قرآن وسنت میں کوئی تصریح نہیں ہوتی وہاں یہ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ قیاس اور خالصہ اپنے دماغ کی بجائے صحابہ یا تابعین کے کسی قول کی تقلید کریں۔

ہرگز نہیں جس طرح امام آدمی اپنے ملک کا قانون براہ راست نہیں سمجھ سکتا اور کسی ماسر قانون کا مشورہ لیتا ہے اسی طرح امام لوگوں کو اپنے امام کی تقلید ضروری اگرچہ وہ بلاشبہ کہیں کسی حدیث کو فقہ سے متعارض پائیں کیونکہ وہ احادیث کی تطبیق کو نہیں سمجھتے

تقلید جامد کی خدمت | ایک ضروری بات یہ ہے کہ شریعت کے احکام میں خود رانی اور تقلید کی مخالفت قبیح ہے اسی طرح تقلید میں جمود اور مبالغہ بھی بڑا ہے اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ خلافتِ ائمہ مجتہدین کو خود بخود شارع یا نبیاء علیہم السلام کی طرح مصوم سمجھنا۔

یہ بعض علماء کے نزدیک امام ابو یوسف و امام محمد و امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ اجتہاد مطلق کے منصب پر فائز ہیں۔ انہوں نے اصول میں بھی یہ عقائد سے اختلاف کیا، چونکہ خود اور اصول بہ نسبت فروع و جزئیات کے عقید میں اس لئے اصول میں اختلاف قائم یا مذہب کا جتنا کہ فروع میں ہوا فقہ وہاں حضرات کا اختلاف حضرت امام سے ایسا ہے جیسا کہ خود امام کا اختلاف اپنے استاد حضرت مالک یا اس کا استاد حضرت براء بن یزید سے ہے جیسا کہ بعض اہل تحقیق نے ذکر کیا۔



۲۱) کسی صحیح حدیث پر صرف اس لئے عمل نہ کرنا کہ اس بارے میں ہمارے امام سے کوئی حکم ثابت نہیں۔

۲۲) کسی متبر عالم کو یقینی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ امام کا قول صحیح حدیث کے خلاف ہے اور حدیث کے مقابل کوئی دلیل نہیں۔ پھر بھی حدیث کو قابل عمل نہ سمجھنا یہی تقلیدِ جاہد میں شامل ہے لیکن فیصلہ کو انکار امام کا قول حدیث کے خلاف ہے اور اس پر اس سے بڑھ کر قوی دلیل موجود نہیں بڑا دشوار امر ہے اور یہی منزلہ الاقدام میں سے ہے خصوصاً آج کل جبکہ نفسانی خواہشات کا اندسہ ہے اور اکثر لوگ دین سے اخلاقی چند ہمدردی کے رسلے پڑھ کر یا زیادہ سے زیادہ قرآن و حدیث کے چھپے ہوئے تہے دیکھ کر اپنے آپ کو اس بات کا حق دار سمجھنے لگ گئے اور مسائل میں جہتہذاۃً انفرادی رائے زنی کر کے اس صحیح حدیث کے مصداق بن گئے ہیں کہ خنود و اہل بیت وہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے علماء کرام کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس کے لئے بھی چند مستول شرائط مقرر کی ہیں تاکہ دین فلس پرستوں کے اقصوں بکھلوانا نہ کر دیا جائے وہ شرائط یہ ہیں۔

۱) اور عالم ایسا شخص ہو جو اگرچہ رتبہ اجتماع تک نہیں پہنچا ہو لیکن اسلامی علوم کو باقاعدہ ماہر یا سائنسہ سے حاصل کرنے کے بعد علوم کی تدیس و تصنیف کی خدمت میں اکابر علماء کی زیر نگرانی و سرور و از ہمک مشغول رہا ہو۔ تفسیر و حدیث، فقہان کے اصول سے مستفہ ہوں اور کسی کی تحقیق میں اسلاف کے افادات سے بخوبی فائدہ اٹھا سکتا ہو اور ان کے طرز تصنیف و استدلال سے مزاج شناس ہونے کی بنا پر ان کی صحیح مراد تک

---

۱) شہنشاہی شہان اسلام کہتے ہیں شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا بہت سی حدیث سے نبوت ہے لیکن بعض لوگوں نے اس سنت سے محض یہ بنا۔ پرانہ کہ اگر امام ہو نیز اس کے بارے میں کوئی قول منقول نہیں رہے بعض لوگوں کے ذہن کے مطابق کہ ان سناں سے امام علم کا قول موجود ہے دیکھتے اور فیض الشریعہ و فیض الصالح منہ الشہرہ علیہا جزا بہ ماہرین و عوام

پہنچ سکتا ہو۔

۱) اس حدیث کی بنا پر وہ امام کا قول ترک کر دے اور اس کے بارے میں یہ ایمان نہ ہو کہ وہ علامہ حدیث کے نزدیک صحیح ہے۔ کیونکہ بعض اوقات کسی حدیث کی تصریح میں مجتہدین کا اختلاف ہوتا ہے جو حضرات اسے صحیح سمجھتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں اور جو حضرات اسے ضعیف سمجھتے ہیں اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر مجتہد نے اس حدیث کو چھوڑا تو ضعیف قرار دے کر چھوڑا ہے۔

۲) اس حدیث کے معارض کوئی آیت قرآنی یا کوئی دوسری حدیث موجود نہ ہو۔

۳) اس حدیث کا مطلب بالکل صاف اور واضح ہو اور اس کا کوئی دوسرا ایمان نہ ہو کہ مطلب نہ نکل سکتا ہو کیونکہ بعض اوقات ایک حدیث میں کسی معنی کا احتمال ہوتا ہے۔ مجتہد اپنی بصیرت بتلا دے اس کے ایک معنی کو متبیین کر دیتا ہے اور اس کے مذہب کو حدیث کے مخالف نہیں کہا جاسکتا۔

۴) اپنا چوں بات یہ بھی ضروری ہے کہ اس طرح حدیث کی بنا پر جو نقل اختیار کیا جائے وہ ائمہ اربعہ کے اجماع کے خلاف نہ ہو۔

۵) واضح احادیث کو توڑ مروڑ کر اپنے مذہب کے مطابق بنانے کے لئے ایسی عجیب و غریب تاویلات کرنا جس پر اپنے دل میں بھی شک و شبہ ہو۔

۶) کہنا کہ صرف میرے امام کا مسلک حق ہے اور دوسرے مذاہب غلط باشند باطل ہیں یہ بھی تقلید یا تعصب میں غلو ہے۔

۷) بہت سے مسائل ایسے ہیں جس میں امام کے دو بیان صرف تضلل اور غیر تضلل کا اختلاف ہے، اطلاق و حرام کا اختلاف نہیں مثلاً آئین کا ہستہ کی جائزہ اور سہ رکوع کے وقت اترا اٹھانے باتیں یا نہیں۔ اتھینے پر ہاتھ سے جائیں یا ناف پر نصیب ملام مذہب کے مختلف عقول میں سے اپنے نافرمانی کے مطابق ایک لال کو اختیار کرے یا نہ کرے کی تصریح کر کے قابل ہوتا ہے نیز یہی مسائل کا تفریح کتب مذہب میں نہیں ہے بلکہ ابواب مذہب کے اصول و قواعد سے جملائے کا وہ بھی اس کو حاصل ہے۔

یہ سب طریقے جائز ہیں اختلاف محض اضلیت میں ہے، ان اختلافات کو طلالِ حرام کی مذہبک پنچا کر امت میں انتشار پیدا کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔  
 یہ جہاں قدر میں جائز و ناہائز کا اختلاف ہے وہاں بھی اختلاف کو طلی حدود کی حد تک نہ ضروری ہے اسے جنگ و جہل کا ذریعہ بنانا، ایک دوسرے کے خلاف ہندوانی، عیب جوئی اور جنگجائی کسی امام کے مذہب میں جائز نہیں۔

**تمشددین کی خدمت میں گزارش** مسئلہ تقلید پر جو کہ نقل کیا گیا اس کا نقطہ نظر واضح کرنا تھا، بعض حضرات جب توحید و شرک پر کوئی کتاب لکھنے بیٹھتے ہیں تو بعض فردی مسائل جیسے توسل اور تقلید ائمہ قبویں وغیرہ میں اختلاف کو کفر اور اسلام کا اختلاف بنا کر اچھے غلط مسلمانوں کو کفار اور مشرکین کی صف میں لاکھڑا کر دیتے ہیں، بہر حال اگر کسی کو اس نقطہ نظر سے اختلاف ہو تو وہ اپنے موقف پر قائم رہے لیکن ائمہ مجتہدین پر شریعت سازی یا متقدمین پر کفر و شرک کے الزامات مائیکرنا نہایت ہی خطرناک طرز عمل ہے جس سے اللہ کی پامالنگی پاجیسے مسلمانوں کی شان و شوکت اور حیثیت و عظمت کو ہمیشہ آپس کی خانہ جنگی نے تباہ کیا ہے اور فردی مسائل پر لڑائیوں سے ہمیشہ اسلام دشمن لوگوں نے فائدہ اٹھا یا ہے۔ تمشدد غیر متقلدین کے لئے مشہور اہل حدیث عالم نواب صدیق حسن خاں کی یہ تحریر مشعل راہ ہے۔

ایک منت نہ اکی بوجہ ہے کہ میں فقط جامعیت اہل سنت کو فرقہ ناجر جانا ہوں، خنئی ہوں یا شافعی، مالکی ہوں یا حنبلی، یا ظاہری یا اہمادیث، یا اہل سلوک اور عسک کے حق میں، ان میں سے گمان جو نہیں رکھتا، اگرچہ مجھ کو یہ بات معلوم ہے کہ ہر گروہ کے اندر ان میں سے کچھ مسائل خلافِ دلائل بھی ہیں اور بعض موافقِ نصوس، بعض فتوے ان کے صحیح اور بعض ضعیف یا مردود ہیں۔ اس لئے حکم اکثر کو ہے ذالعل کو اور ائمہین سے عمل یعنی احادیث میں متروک ہو گیا ہے اس کے آپس میں جو کتب طلبِ منفعت میں لکھے گئے ہیں، ائمہ سلف پر مبنی مخالفت سنت کا کرنا انصاف کا قانون بہانا ہے

لے ۱۰۰ احادیث کے الفاظ کے بارے میں طبعی ان تمام اس قبچہ کا رسا اور شیخ الاسلام بھی

قابلی درجہ ۱۲

اے جو متقدمان کے بعد و خروج دلیل کتاب و سنت کے تعلیم دیتے بھت پر جاہ  
ہیں ان کو غلطی سمجھتا ہوں لیکن گمراہ بھت نہیں جانتا، اذان کی جیسے نماز پڑھنے  
سے انکار کرتا ہوں نہ صلاۃ اللہ ان کو کافر کہوں۔

مسائل و عبادات و معاملات میں اختلاف اہل علم مکلف نہیں ہوتا ہے غایۃ  
ما فی الباب یہ ہے کہ غلط فی الاجتناب یا غلط فی الغنم ہوئی ہے جس کو علماء پہچانتے  
ہیں۔ اللہ سے امید کرتا ہوں کہ اگر قائل و فاعل اس غلطی کا اپنے قصد میں غفلت  
غیر متعصب تھا اور کسی وجہ قوی سے مشہر میں گرفتار ہو گیا تو وہ غلط اس کی معاف  
ہو جاوے گا اور اگر بعد اس غلطی پر عدا براہ اتفاق و اشتقاق خدا اور رسول کے ہے تو  
عمل نہایت کا اندیشہ ہے، لیکن کسی مسلمان راجی و مخالف کی نسبت ایسی جگہ لائی کرنا کچھ  
منزوری نہیں ہے۔ نئی حکم بانگو اور اللہ اعلم بالسریر۔

---

لغات العربیہ لغت، المصنف مولانا محمد فاروقی (۱۹۶۳)، تعلیم کی شرعی حیثیت،

## باب ششم

# مشرک کی مذمت

## باب ششم

## شُرک کی مذمت

انسان فطری طور پر حقیر و محتاج ہے اور زندگی کی ہر شکل میں خطرۂ ایک اللہ کی طرف مائل اور متوجہ ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے نفع و نقصان پر اسباب و عوامل کا پردہ ڈال رکھا ہے اس لئے انسان اسباب و اشیاء کو نفع و ضرر کا مالک حقیقی سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ اور جب اس کی توجہ اور میلان مخلوق کی طرف منکمل اور تمام جاتا ہے تو اسی کو ایسا رب مان لیتا ہے۔ اس کو مستقل طور پر نافع اور ضرر ریں سمجھ کر اپنی مابیات پوری کرنے کے لئے اس مخلوق سے مدد طلب کرتا ہے اور یہی چیز اس کو غیر مشرک کے آگے سجدہ ریز کر دیتی ہے۔ پھر خداوند سے محبت اور غیر مشرک کی عبادت اس کی زندگی کا مقصد بن جاتی ہے۔

اگرچہ ایسا انسان بعض اوقات زبان سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت کا اعتراف کرتا ہے لیکن اس کا دل کبھی ایک اللہ کے ذکر اس کی حمد و ثناء۔ اسے مالک اور مشرف ماننے سے محوش نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے ساتھ دوسرے جوئے مسمودوں کے مالک اور مشرف ہونے کا ذکر نہ کیا جائے۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مشرکین کی یہ حالت بیان کرتے ہیں۔

وَلَا تَذْكُرُ اللَّهَ وَحْدَهُ شَأْزَاتٍ  
فَلْيُذَكِّرِ الَّذِينَ لَا يَلْمِزُونَ بِالْأَفْخُورِ  
وَإِذَا ذُكِّرُوا الَّذِينَ مِنْ قُدْرِهِ إِذَا غُورِ  
يَسْتَبْشِرُونَ (زمرا آیت ۱۳۵)

جب صرف ایک اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے وہ  
بہ شکریت غیر تمام کائنات کا مختار و مالک  
متصف ہے تو ان لوگوں کے دل متعجب ہو  
جاتے ہیں اور جب اس کے سواں دلی کا ذکر

کیا جاتا ہے تب مغوشیاں مٹانے لگتے ہیں۔

مشرکین کی ایک عام صفت | ان فرض مشرکین کے سب گروہوں میں یہ بات  
شکر و غور پر پائی جاتی ہے کہ مخلوق میں سے

جس شے کی بھی پرستش یا اعادت کرتے ہیں وہ اسل اس چیز کو نفع و نقصان پہنچانے والی خیال کر کے ہی اس کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ عمل ایک عظیم جرم ہی نہیں کو کفر و کائنات کے خلاف بناوت بھی ہے۔ اللہ کی فرماں برداری اور اس کے ملک میں کسی کو شریک کرنا، اس کی بادشاہی میں کسی کو مستقل طور پر متصرف ماننا، اور حقیقت یہ اللہ تعالیٰ کو احکام الملکین اور رب العالمین دمانے کے برابر ہے۔ دنیا کے مجازی حکمران محنت سے محنت جرم کو صاف کر دیتے ہیں لیکن باغیوں کے ساتھ نرمی نہیں کرتے جب ان عارضی حکم کی حکومت سے انکار کرنا اتنا بڑا جرم ہے تو پھر خالق کائنات اور مالک حقیقی کے باغیوں کا انہام کیا ہوگا؟ سوچ اور عبرت کا مقام ہے کیونکہ کفر و شرک کی حالت میں مارے دائے ہرزہ نہیں بجھتے جاتیں گے، ان کی سزا نامی ہوگی۔ اللہ کفر و شرک کے سوا دوسرے گناہ چھوٹے ہوں یا بڑے، سب قابل معافی ہیں اور اللہ تعالیٰ جس کو پاس ہے کچھ عذاب دے کر بلا عذاب اس کے سارے گناہ بخش دے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغْنِيكَ أَنْ تُشْرِكَ بِهِ  
وَلَا يُغْنِيكَ مَا قُوْنَ ذَلِكَ لِمَنْ يُشْرِكُ  
وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ خَلْقًا  
كُلِّيًّا. (النساء آیت ۱۱۶)

بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشا اس جرمِ عظیم  
کو شریک عطا ایات اس کے ساتھ اور غنی  
دینا اس کے سوا اور ہم چاہے جتنے ہوں اور  
جس نے شرک عطا کر دیا کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ  
تو وہ بڑی درد کی گراہی میں جا پڑا

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے۔

أَتَحْسِبُ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا  
عِبَادِي مِنْ ذُنُوبِهِمْ آلَاءًا يَتَّقُونَ  
جَنَّتْ لَكُمُ الْكُفْرُ إِنَّهُ تَبَتَّلَ

کیا لگتا کرتے ہیں کفار کہ وہ جاتیں گے میرے بندوں  
کو میرے سوا اور مانے بے شک یہ نے جرم کو کفار  
کی لگلا کے تے تیار کر رکھا ہے۔

جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی مخلوق کے سامنے جلتا ہے۔ اللہ جل شانہ کی  
بے نیالزات کی طرف سے اس پر حقیقی نصرت و برکت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں

اور یہ شخص کل قیامت کے دن بے کسی، شرمندگی اور رسوائی کی حالت میں ہوگا  
جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

لَا تَحْمِلْ نَمْلَ اللَّهِ إِلَیْهَا أَشْرَ فَقَعْدُ  
مَذْمُومًا مَحْمُودًا وَلَا ذَرْبًا مَرْتَدًّا آیت ۲۲  
دشمنی کے ساتھ کرتی اور مسجد و مشرک پر دم  
پیشمان اور خود ہو کر پیٹے رہو گے۔  
دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

فَتَلَقَىٰ فِي جَهَنَّمَ نَمْلًا مَذْمُومًا  
وَرَجُلًا مَرْتَدًّا  
دشمنی کے ساتھ کرتی اور مسجد و مشرک پر دم  
دشمنی کی حالت و مسجد کے بچے جیسا کہ

حضرت عثمان علیہ السلام نے اپنی قوم اور تمام اناس کو کتنی نصیحتیں کی ہوں گی  
لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے صرف ان اقوال کو بیان کر لیا ہے جو انہوں نے اپنے  
بچے کو فرماتے۔ کیونکہ باپ اپنے بچے کو جو نصیحت کرتا ہے وہ سراسر سچائی اور فلاح  
ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

وَأَوْثَالَ لِقَاءِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يُبْطِلُونَ  
يَلْقَىٰ كُتُوبًا بِاللَّهِ إِنَّ الشَّيْءَ  
لَفِي عِلْدٍ عَالِيَةٍ وَاسْمَاءُ آیت ۳۰  
اور جب عثمان نے اپنے بچے کو نصیحت کرتے  
ہوئے کہا اے میرے بچے کسی کو مشرک نہ  
دشمنی، شرک بہت بھاری آفت ہے۔

اس سے بڑھ کر انسان کیا ہوگی کہ عاجز مخلوق کو خالق مختار کا درجہ دیا جائے اور  
اپنی جان پر اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا کہ اشرف المخلوقات ہو کر عاجز مخلوق کے  
سامنے سر بسجود ہو جائے۔

جب نصاریٰ نے مسیح کی تعلیمات کے زیر اثر جینی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا  
بیٹا اور خیر قرار دیا تو قرآن مجید میں ان کے عقیدہ کی تردید یوں نازل ہوئی۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ  
ابْنُ مَرْيَمَ وَتَالِ اللَّهُ عَلَيْهِمْ  
ابن مریم ہے مسیح جو نے خود کو کہا ہے بخدا عزوجل  
بندگی کرو تم اس کے ہوسر اور خدا تاب ہے تم کو  
میں نے شرکیہ مشرکیت کے ساتھ احرام کی اس  
نیشتر کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خلیفہ



اَلْجَنَّةُ وَمَا فِيهَا اَتَّارٌ وَمَا لِلْكَلْبِينِ  
 مِنَ النَّعَارِ (۱۱) اللہ (آیت ۷۷)  
 پر اللہ نے جنت اور اس کا شکار دوزخ ہے اور  
 کوئی نہیں ہے انسانوں کا مدد کرنے والا۔

**مشکر کا انجام** اور جو بد بخت اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا کار ساز اور  
 شریک بنا لیا ہے اور ان سے یہ امیدواریاں کرتے ہوئے  
 ہیں کہ جب ان پر کوئی آفت آئے گی تو وہ اچھے مسعود انسانیں بن جائیں گے۔ ایسے  
 لوگوں کی مثال کو اللہ تعالیٰ نے کس خوبی سے بیان فرمایا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ  
 اَوْلِيَاءَ لَوْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ لَمَّا كُنْتُمْ  
 يَنْتَهِ اَوْ هِنَ الْيَسِيْرِ لَكُنْتُمْ  
 الْمُتَلَبِّثِيْنَ (نوم کا لڑا ایتھلوت)  
 ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور  
 حاکم بنائے ہیں بخوبی جیسی ہے کہ بنایا اس  
 نے جانے کا گھوڑا تم سب جانتے ہو کہ سب گھڑ  
 میں کڑی دھڑلے سے چلتے ہیں مگر بخوبی کا گھوڑا ہے کاش،  
 ان کو سمجھ جاتی۔ (سورۃ العنکبوت آیت ۲۵)

ان کی تو قمارت بھڑکی کے جانے سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔ وہ تو ہوا کے جھونکے  
 کو بھی برواقت نہیں کر سکتا چہ جائیکہ باد و باران یا طوفان سے ان کی حفاظت کرے  
 پس جو بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو بھاننے والا اور محافظ کہے گا اور اللہ تعالیٰ سے  
 تعلق توڑ کر غیروں کے ساتھ تعلق جوڑے گا یا ان پر مجبور نہ کرے گا۔ ان کی مثال کی  
 نادان مکرہ کی گئی ہے جو اپنے جانے کے تاروں پر مجبور نہ کرتی ہے اور امیدوں  
 کے کلمات گھبرا کر چاہتی ہے۔

جس شے بنائی کائنات کو چھوڑ کر کسی اور کو مسبود بنالیا اور اسے اپنا کار ساز  
 سمجھا انساناں جو بختی اور حماقت ہے کائنات میں موجود مخلوقات اور مصنوعات  
 میں جب کوئی حائل خور و مکر کرتا ہے تو سمجھ جاتا ہے کہ عالم کا پیدا کرنے والا باقی رکھنے  
 والا اس میں ہر قسم کے تصرفات کرنے والا صرف ایک اللہ ہی ہے۔ اس کے  
 دستِ قدرت میں سارے آسمان و زمین ہیں ہر چیز فرشتے، سورج و چاند اور جن و  
 انس سب اپنی ذات اور کمالات میں ہر دم اسی کے محتاج اور دستِ عمر میں پس ہمارے

کے واقعہ بھی بجز اس نے کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

اس کے علاوہ تمام انبیاء عظیم اسلام اور ایمان سماویہ توحید کی صحت اور شرک کے غلط اور باطل ہونے پر مشفق ہیں۔ اب بھی انی تحریف شدہ کتب معنی توہرات، انجیل زبور اور دیگر انبیاء عظیم اسلام کے صحائف میں ایسے جملے بکثرت ملتے ہیں جن سے انبیاء عظیم اسلام کا ایک اللہ کی بندگی اور عبادت کرنا اور اپنی اقوام اور امتوں کو ایک اللہ کی عبادت اور اسی پر مبرور کرنے کی دعوت دینا ثابت ہوتا ہے۔ انبیاء عظیم اسلام نے اپنے اقوال اور اعمال سے واضح کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرتے ہیں اور نہ ہی اس کے حکم کے مقابلہ میں کسی اور کی بات کو ترجیح دیتے ہیں بلکہ ہر نبی کو بذریعہ وحی بتایا گیا کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کی عبادت بھی کرے تو اس کی تمام نیکیاں ضائع ہو جائیں گی۔ اور شرک کا انجام حیران و حشران کے سوا کچھ نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُدَّ لَهُ مِنْهَا إِنَّا فَاتِكُمْ بِهَا عَذَابًا مُّزِيدًا  
يُفْلِكُ الْكَافِرُونَ (المعروفہ: ۲۰)

جو کوئی پکارے اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو  
جس کی اس کے پاس کوئی سند نہیں تو اس کا سبب  
اس کے سبب کے پاس ہے بے شک کا سبب  
نہیں بھول گئے انکار کرنے والے۔

اور سورہ انعام میں فرماتے ہیں۔

ذَٰلِكَ خُدَيَ اللَّهِ يَهْدِي لِبِئْسَ أَتَاكَ مِن بَنَائِهِمْ  
يَتَّبِعُونَ مَا وَحَّيْتُ إِلَيْكَ وَاللَّهُ يَهْدِي لِبِئْسَ أَتَاكَ مِن بَنَائِهِمْ  
عَسَاءَ مَا يَحْكُمُونَ

یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے اس پر چلنا ہے جو تم کو  
چاہے اپنے جہنم میں سے اور اگر وہ شرک کرتے تو  
مزدور ضائع ہو جاتے ان سے وہ اہمال جو کچھ  
انہوں نے کیا خدا

رسولہ الانعام آیت ۱۱۰

اسی طرح سورہ زمر میں ارشاد ہے کہ۔

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ آيَاتِكَ وَآلِيَ الَّذِينَ يَوْمَ تَبُوءُ  
تَبُوءُ لَكُمْ لَعَنَ الشُّرُكُوتُ لِيُخْطَبُنَّ عَمَلًا

بے شک وہی کی گئی ہے جو کہ اور جو حق ہے سچے  
تھے کہ اگر بدترین حال توڑنے میں شرک کا کیا

وَلْيَكُونُوا مِنَ الْخَاشِعِينَ ۝ يَلْجَأُونَ إِلَى اللَّهِ فَاعْتِذُوا  
 كُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ  
 حَقَّ قَدْرِهِ ۖ وَالْأَرْضُ جُنُحًا مَبْثُوثَةٌ  
 يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ وَالْأَشْمُوسُ مُنْقَلَبَتٌ  
 بَيِّنَاتٌ ۖ سُبْحٌ وَنَهْلٌ ۖ وَالْجِبَالُ كَافُورٌ ۝

(الزمر آیات ۶۵ تا ۶۸)

مٹھی میں چمکے قیامت کے دن اور سدا سخن پڑھتے ہوئے ہوں گے اس کے دعا کرنے والے۔ وہ  
 پاک ہے ہر عجب سے اور بہت بڑا (پہنچا) ہے اس سے جو کہ اس کا شریک بتلاتے ہیں۔

**حدیث شریف میں شرک کی مذمت** اگرچہ شرک کی نفی اور مذمت میں  
 بہت سی احادیث ہیں لیکن یہاں صرف  
 تین احادیث پر اکتان کیا جاتا ہے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

یا رسول اللہ ای الذنب اکبر عند اللہ؟  
 قال ان تدعوا باللہ مذابحاً وخلقک  
 (حدیث متفق علیہ مشکوٰۃ بہ کبار) اسے اللہ کے رسول اللہ کے نزدیک بڑا گناہ  
 کون سا ہے؟ فرمایا کہ اگر تو اللہ تعالیٰ کو شرک کرنے سے  
 ملاحضہ اس نے جو کہ پیدا کیا ہے۔

۲۔ ان اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وہاں تک نقل  
 کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اجتنبوا السبع الموبقات قالوا !  
 ما هن یا رسول اللہ؟ قال الشریک  
 باللہ، والسحر، وقتل النفس التي  
 حرم اللہ الا بالحق، واکل الربوا واکل  
 مال الیتیم، والتولی یوم الزحف  
 کسات چاک کرنے والی چیزوں سے بچو جو چھ گناہ  
 نفی اللہ عنہ نے عرض کیا اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، ناحق  
 قتل کرنا، سود کرنا اور خیم کھال کھانا، اللہ تعالیٰ  
 کے دن پیڑ پیڑ پر کر جنگ سے، جاگنا اور لڑنا

وَقَدْ فَتَنَ الْمُحْسِنَاتِ الْفَاسِقَاتِ (نکاح مہتر) پاکر اس بے خبر عورتوں پر رحمت لگایا۔  
(۱۳) اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس باتوں کے ساتھ وصیت کی ہے۔

قَالَ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا وَإِنْ قُتِلْتُمْ  
أَوْ خُزِفْتُمْ أَدْبَارَكُمْ (مسند احمد) غلبے قتل کیا جائے یا غلام رہا جائے۔

**مشرکانہ عقائد کے اثرات** حقیقت یہ ہے کہ مشرک عقائد ایسے کثیف اور دہیز پر دسے ہیں جو ہمیشہ صاحب عقیدہ اور اصل حقیقت کے درمیان حجاب بن جاتے ہیں۔ اور مشرک حقائق کے دریافت کرنے سے محروم ہو جاتا ہے۔ جب تک شخص کوئی غلط عقیدہ مان لیتا ہے تو اس کی عقل اور فکر اس عقیدہ پر مبنی رہتی ہے۔ اور اس کے انکار کی ترقی اور جدوجہد رک جاتی ہے۔ پھر وہ بہت سے غرامات کو مان لیتا ہے اور جتنی کمالات سے دور ذلت اور پستی کے گڑھ میں گر جاتا ہے۔ اس کی ساری زندگی وحشت، اداہم اور خوف و ہراس کی نند ہو جاتی ہے، حیوانات کی معمولی حرکت اور پرندوں کی چڑچڑاہٹ سے اس پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ غلط تصورات کی بدولت وہ دنیوی زندگی میں خوشحالی کے کافی وسائل سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور آخرت میں بھی دائمی عذاب اور پریشانی میں گرفتار رہے گا۔

**صحیح راستہ** اس لئے ہر شخص (خواہ انیس ہو یا چوبیس) پر فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرے۔ اسی ذات کو خالق کائنات، رب العالمین مانے، وہی ہمارا پیدا کرنے والا، ہمارے مصائب و مشکلات کو دور کرنے والا، ہماری حاجتوں کو پورا کرنے والا ہے۔ ہماری عزت و ولایت مرا لینا، اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہی علیم خبیر، عالم الغیب والشاہدہ اور کائنات کی تمام حقیقتوں کو جاننے والا ہے۔ وہی ذات ہے جس کے علم نے کائنات کے ہر ذرے کا اساطیر کیا ہوا ہے۔ کائنات کی ہر چیز کے ظاہر و باطن برآں دیکھنے اور جاننے والا ہے۔ کائنات

کا کوئی ذرہ مخلوقات کا مل و قول کوئی صبح و سوسا اور راز کی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَیَغْفِلُ خَلْقَ وَشَفِّیْ اِنَّ الَّذِیْ فِیْ الذُّنُوْبِ وَلاَ فِی السُّنْبِ اَیْ بے شک اللہ تعالیٰ ہے کوئی چیز پوشیدہ نہیں خواہ وہ زمین میں ہو یا آسمان میں۔ (آل عمران آیت ۱۵)۔

نیز ہم پر یہ بھی فرض ہے کہ تمام مخلوق عواذ بنس یا برسی، فرشتہ ہو یا نبی مرسل جلال ہو یا ولی، بلو شاہ ہو یا فقیر، حاکم ہو یا محکوم، جاندار ہو یا بے جان سب اس کے محتاج و غلام بنی ہیں ہر طرف سے کٹ کر صرف ایک اللہ تعالیٰ کے وفادار اور شکر گزار بننے سے نہیں اس کی عظمت اور جلال کو ہمیں اس کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیں۔ اور اپنی عبادات کو ہر قسم کی مشرکانہ آمیزش سے پاک کر کے دل و جان سے اس کی عبادت کریں اور اس کے احکام کے مطابق زندگی بسر کریں۔

بندہ پر فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اُن تقرب حاصل کرنے کے لئے یا سناٹا بنانے کے لئے بھی کسی مخلوق کی عبادت نہ کرے اور نہ ہی عبادت کی شکل و صورت اختیار کرے۔ کفار و مشرکین کا یہی طریقہ تھا۔ وہ اپنے خاتموں سے تراٹے ہوتے جنوں کی پرستش کرتے اور سب انہیں ٹوکا جاتا تو جواب میں کہتے کہ بے شک بڑا خدا تو ایک ہی ہے جس نے آسمان و زمین پیدا کئے ہیں۔ لیکن ہم ان چھوٹے خداؤں کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ ہم خدا نے داسد کے قریب ہو جائیں اور کہیں کہتے کہ یہ انسان و نبی عبادت سے غرض ہو کر شے خدا کے حضور میں ہماری سداش کریں گے اور ہماری عبادتیں اور دعائیں وہاں تک پہنچا دیں گے۔ تو ان مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلِیَغْفِلَ ذُوْنَ مِنْ ذُوْنَ اللّٰهِ مَا لَیَغْفِرُ لَہُمْ  
وَلَا یَنْفَعُہُمْ وَلَا یُزِکُّوْنَ خُلُوْا لَہُمْ سَمْعًا  
ہند اللہ شُحْنًا وَّلَا اَلٰی شُرُکُوْکَہٗ  
(سجہ ہوش آیت ۱۸)

(مسجد اتر ہا سے سنائی میں اُن کے نزدیک اس لئے ہم ان کی عبادت کرتے ہیں،  
دوسری جگہ ارشاد ہے

الذین آمنوا بالباطل والکذیب  
اتخذوا من دینہم اولیاءاً من قبلہم  
اولئقین لیس فی اللہ ذلک فی اللہ  
ینحلکو ینزلون فی النار فیکملون  
ان اللہ لا یغفل عن حق کذبت  
گناہ اور سعادۂ مرآت :۔  
اس کو جو ہر چیز میں دامن ہے

ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ مشرکین نبیوں کی عبادت، ان کو خالق و مالکِ حقیقی سمجھ کر نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کو خالق و مالکِ حقیقی اور کائنات میں تصرف مانتے تھے۔ لیکن کرب الہی، دعاؤں اور عبادات کو اللہ تک پہنچانے کے لئے مہتمم اور ہرگز، مشیوں کی موتیوں کی پہچا کرتے تھے۔ اسی لئے مشرکین ٹھٹھرتے گئے اور توحیدِ عالم سے معروم ہو کر دائمی خسارے میں پڑ گئے۔

البرہ و مالک درخواست کے لئے طلباء اور مسالین کی خدمت میں حاضر ہونا ہی سے بالکل بیزار ہے۔ کیونکہ جب کوئی مسلمان کسی اللہ والے صالح آدمی سے دعا کی درخواست کرتا ہے تو اس کی عبادت نہیں کرتا۔ اور مسلمان سے دعا کی درخواست کرنا قرآن و سنت اور امامانِ اہل سنت سے ثابت ہے جیسا کہ توشیح کے باب میں مفصل گزر چکا ہے۔

اسی طرح انبیاء علیہم السلام، اولیاء اور صلحا سے محبت رکھنا اور ان کی تسخیم و احترام کرنا اس ضمن میں شمار نہیں۔ اور نہ ہی یہ غیر اللہ کی عبادت ہے بلکہ ہم کو حق تعالیٰ سے محبت اور ان کی تکریم و تسخیم کا حکم ہے کہ اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔

**مشرکِ خفی** اگر کوئی عبادت یا دینی کام یا ایک عمل اس لئے کرتا ہے کہ لوگوں کے دل میں شکر و تحفی ملے جیسا کہ ایک ملک میں لوگوں کو ملانے کے لئے جس نے کیا ہے کہ وہ اسی طرح کامل کریں تو اس میں منافق نہیں بھی کیا کرنے سے کٹو گ۔ باقرہ ص ۱۰ میں بتا دیا جاتا ہے کہ اپنی یا دینی کام بھی نہیں ہوتا۔

انسان کی وقعت اور قدر و منزلت پیدا ہو جاتے، شرک منہی اور برباد کلاتا ہے اس کی گنتی قسمیں ہیں۔

۱۔ کوئی شخص نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہو نہ اس کے رسول یا صلی اللہ علیہ وسلم پر اور نہ ہی آخرت پر، لیکن لوگوں کو باور کراتے کہ وہ مسلمان ہے اور بظاہر دینی اعمال بھی کرتا رہے، یہ اصل ایمان میں ریاء ہے اُسے بھلائی کہتے ہیں اور اس کے کرنے والے کو منافق، پہلی اور عظیم شرک سے بھی زیادہ خطرناک ہے اور اس کا شکار دھشت میں دوسرے مشرکین و کفار سے زیادہ سخت اور اس کا شکار دھشت سے نیچے انتہائی خراب اور خرد ہے۔

بھلائی کی بھی کئی قسمیں ہیں، اول یہ کہ اندر سے اسلام کا بالکل منکر ہے لیکن مسلمانوں میں ماضی و حال انتشار پھیلانے اور فتنہ برپا کرنے کے لئے خود کو مسلمان ظاہر کرے اور ظاہری فرمانبرداری جیسے غار و ظیروں اور ان کے قدم پر یہ کہ اندر سے تو صاف منکر ہے لیکن مسلمانوں سے اپنے مفادات حاصل کرنے کے لئے یہاں وہ اسلام کا ظاہر کرے اگرچہ فتنہ انجیری کا خیال نہ ہو، ستم یہ کہ دلی سے اسلام کا صاف منکر تو نہ ہو لیکن اسلام کے برحق ہونے پر کامل یقین نہ ہو بلکہ کفر و ایمان میں متروک اور متذبذب ہو۔ لیکن صرف مسلمانوں کی جامعیت میں رہنے کی وجہ سے بظاہر اسلام کا نام لیا ہو، جب دنیا اور شہوات کے طلبہ لے لے اس کو ایسا دکھاتا دیا ہو کہ دنیا کی خاطر وہ اسلام اور مسلمانوں کی بربادی اور دین کے مذاق اڑانے کو مباح عمل کی طرح بجا شست کر لیتا تھا اور ایسے حالات میں بھی جہاد سے جی چڑا تا جو جب کہ اسلام اور مسلمانوں کو اس کی خدمت ضرورت ہو، تو ان جمیع نے مختلف مقامات پر ان مختلف قسم کے منافقین کی فتانہ بی کی ہے اور ایک بجز ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

لَا تَزِلُّوا التَّكْوِيْنَاتِ ۖ وَالسَّوْمِيَّاتِ	یہاں اس دنیا سے کے بدن جب کہ تم میری مروت
يَسْقَىٰ تُوْرُغُوْرٌ مِّنْ اَيِّدٍ مَّيْمُوْرٍ ۚ اَيُّهَا الَّذِيْنَ	اور تلوں کو کچھ لگے کہ ان کا ذرا ان کے حلقہ
بَشَرَكُمُ الْاَيُّوْمَ جَنَّتْ تَغْيُوْرِي جَنَّتْ	اور ان کے دائیں جانب دور باہر لگا ان سے کہ
تَغْيِيْنُهَا اَكْثَرُ مِمَّا خَلِقُوْرٌ مِّنْ نَّسْلُهَا ۚ وَلَا ت	جائے کہ ان کے جنات ہے تم سے لئے یہی منزل

هُوَ الَّذِي يُزِيلُ الْغُطُوفَ يُؤْمِرُ بِقِيْلٍ لَّا يَفْقُرُ  
وَالْمُنْفِقُ شَرٌّ لِّلَّذِينَ آمَنُوا يُفْقِرُونَ  
فَقِيْلَ مِنْ قَوْلِكَ لَوْ فَتِنَا اَرْجَعُوْا  
وَرَاٰ كَلِمَاتُكَ تَعْنِيْنَ اَنْزِلْنَا فَنُفِثَ  
بَيْنَهُمْ بِسُوْرَةٍ لَّا يَابِثُ بِالْمَنَةِ يَنْدِبُ  
الرَّحْمَةً وَاَجْرًا مِنْ قِبَلِكُمُ الْعَذَابُ  
يَا اَرْوَاهُمْ اَلَمْ تَكُنْ تَعْلَمُوْنَ مَا لَوْ  
كُنْ اَوْ كَلِمَاتُكَ تَعْنِيْنَ اَلَمْ تَكُنْ تَعْلَمُوْنَ  
وَاَوْ تَبْتَغُوْا وَغَرَّكُمْ اَلَمَآءُ حَتّٰى  
جَاءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَفُتِنَا بِاللّٰهِ الْقَوْدُ  
فَالْيَوْمَ لَا يُوَفِّقُكُمْ فِىْ حَيٰةٍ  
وَلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَا وَكَّلْنَا  
عَنْ مَّوَلٰكُمُ وَبَشَّرَ الْمُحْسِنِيْنَ

اسماء احمدیہ ج ۲ ص ۱۵۴

کی جس کے بچے خیر یا بد ہی ہوں گی یہی وہ  
بیڑہیں گے جس سے بڑی کامیابی اس ہزار  
سابقہ مسوولہ و عورتوں کا حال یہ چمکا کر دکھاتا  
ہے کہیں گے ذرا ہادی طرف دیکھ کر ہم قدم سے  
نور سے کچھ فائدہ اخذ کریں مگر اس سے کہنا ہے گا  
کہ بچے کا طرف لڑے باق اور لڑاں اور کھڑے  
پھر اس کے دو میان ایک دہریہ مال کر دی جائے  
کی جس میں ایک دروازہ ہو گا اس کا دروازہ  
ہو گا اور اس کے بائیں طرف ہو گا۔ سابقہ میں  
کو پھل دیں گے کیا ہم تمام سے ساتھ دیتے ہو  
یہ وہ ہیں گے ان کلمہ نے اپنے آپ کو غفلتوں  
میں ڈال دیا ہادی تباہی کا نشانہ کرتے رہے  
نفس میں پڑے رہے اور عورتوں میں ڈال دیا  
جس کو فتنے سے لے کر کہ ان کا عیال آپنا ہے

وہ حکایت کہ انیس عشق کے بارے میں وہ بڑا دانا اور شیطانی پرکھ دے تم سے کوئی غور قبول کیا کرتے  
اور ان لوگوں سے جنہوں نے کلمہ کو کلمہ کو کیا تھا اور ان کا دم ہے وہی تباہی ہو کر رہ گئے اور  
ہے اور ہوتی انہما ہے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

اِنَّ النَّاسَ قٰتِلِيْنَ فِى الْاَكْدٰثِ اَلَا تَسْتَعِلُّ  
بِمَنْ اَلْبٰرِءُ وَلٰى يَجِدُ لَهُمْ نَصِيْرًا

الاند آیت ۳۵

یقیناً ہاتھ کرنا فتنہ کے سب سے بچے  
صبر میں ہاتھیں گے اور تم کہیں کہ ان کا عیال  
ہاں ہے۔

۳۱) یہاں دوسری قسم ہے کہ اللہ اور رسول پر ایمان تو ہے لیکن عبادات اور  
دوسرے غیر کے کام لوگوں کو دکھ دے اور نام و نود کے لئے کرے مثلاً لوگوں کے  
سامنے نماز پڑھنا رکوع دینا۔ لیکن اگر اس کوئی دیکھنے والا نہیں ہے تو نہ نماز ہے اور نہ



نکوۃ یہ بھی نہایت خطرناک ہے اور ایمان میں غلطی کی علامت ہے۔  
 (۳) ریاہ کی تیسری قسم یہ ہے کہ لڑائیں میں تو ریا نہ ہو لیکن اگر کوئی پاس ہونے والے  
 قازلوں، صدقات اور دیگر مستحبات کا اہتمام ہو لیکن اگر کوئی نہ دیکھے تو نہ کوئی دے گا  
 میں مستحبات یہ ریا بھی بہت خطرناک ہے۔

انہی پر مبنی یہ کہ تنہائی میں اتنی عبادت یا کار خیر نہیں کرتا جتنی لوگوں کی موجودگی  
 میں کرتا ہے۔ ایسی عبادت پر بھی شدید عذاب کا اندیشہ ہے۔

۱۱۔ دُعا پر مبنی قسم کی ریا یہ ہے کہ جو عبادت اور نیک عمل لوگوں کے سامنے کرتا ہے  
 وہی ان کی طرح موجودگی اور تنہائی میں بھی کرتا ہے لیکن لوگوں کے سامنے زیادہ نشاط  
 سرسٹ اور شغ و اہاس کرتا ہے۔ مثلاً کوئی ہمیشہ تہجد پڑھتا ہو لیکن مکان کے سامنے  
 زیادہ نشاط اور غوغا صورت ملنے سے پڑھے اس میں بھی عیب ہے۔ اگرچہ پہلی  
 اقسام سے کم۔

۱۲۔ پیش قسم ریا کی وہ ہے جس میں کسی کی موجودگی یا غیر موجودگی کی پروا تو نہ ہو لیکن  
 یہ چکا چلتا ہو اور کسی طرح لوگوں کو میرے نیک اعمال اور باطنی عبادت کی خبر دے دے  
 اور مختلف طریقوں سے اس کا اظہار کرتا ہو۔

۱۳۔ ریا کی ساتویں قسم یہ ہے کہ کسی نیک عمل کو محض اس لئے ترک کر دے کہ لوگ  
 اسے ریا کاری کا طعنہ دیں گے یا اپنی خیرہ مجلسوں یا اپنے خیال میں اسے ریا کاری کہیں  
 گے۔ یہ بھی ریا کی ایک بہت خطرناک قسم ہے کیونکہ یہ شخص پہلی گے ساتھ لوگوں کے سامنے اپنے اعمال  
 اور برائی کا ثبوت دیا کرتا ہے جب کہ دوسرے ریاکاروں کی طرح اپنی ریا کاری و غیرہ کی شہرت پاتے ہیں  
 شکر کو بھی اور ریاہ کی کچھ قسمیں اور بھی ہیں جو بہت بڑی ایک ہیں لیکن قابل ممانعت۔

لہذا یہ نیکو کار خیر بھی مفاد اور مشورتی کوالت کا حضور جو حد جب کوئی دیکھنے والا ہو تو نہ دیکھتا اور  
 میں دعا بھی دیکھو غریبیت خوش ہو جاتے تو ایندھ جے کہ حلقہ فانی صاف لڑاتے اور اس میں کوئی غفلت  
 ہے نہ کہ اگر اس کو شکر خواہ جس جا پر ہو کہ اللہ شہادت تھان نے نیک عمل کو ظاہر فرمایا ہے ہمارے بڑے  
 اعمال اور انہیں کو پوشیدہ رکھے یہ جو نیکو کار خیر کرنا اور لگن ہوں چست یہ کہ اقیامت کہہ دیتی  
 ہے بھاد کی علامت ہے اس قسم کی خوشی میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (۱۰) (۱۱) (۱۲) (۱۳) (۱۴) (۱۵) (۱۶) (۱۷) (۱۸) (۱۹) (۲۰)

جیسا کہ حضرت ثناء ولی اللہ رحمہ اللہ از لیلۃ النفلہ میں مکتل بن یسارؓ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا: ابوبکر! شرک تم میں چھوٹی کے پاؤں کی آواز سے بھی نمایاں چھپا ہوا ہے، حضرت ابو بکرؓ نے کہا: کیا شرک اس کے علاوہ اور بھی کچھ ہے کہ کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی مہر دے دیتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم یہ اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر شرک چھوٹی کے پاؤں کی آواز سے بھی نمایاں چھپا ہوا ہے، کیا میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں جو تم کو یاد آئے تو اس شرک کا تھلیل اور کرکثیر سب جاتا رہے، یعنی صاف ہو جائے، فرمایا: کہو:

اللھم انا اعوذ بک ان اشرکت بک وانا اعلم و استغفرک

الحال العام للمريض (الطاقة الحيوية) - ١٢/١٢/٢٠٢٢

**شُرکِ خفی اور ریا کی مذمت** | جو شخص ریا کرتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہو چکا ہے۔

عمر اگر تپے بھی جو حال کوئے صاف نہ کچھ کیفیت محسوس کوئے میں جھان کی غمازش ہے ہوائ ہے کہ ہر سدا عقل  
وہ انداز کی بات کا انداز ہر نگار کو دل میں اس کی شہرت ہو کچھ پس منگ ایسے میں جو حسن نہ ہی حالت و کیفیت بڑے  
دل کو دل میں رہا ہے حال کا انداز کرتے ہیں جو محفل شے کی نہیں بھی خوشی کے تعلق دھن سے نہیں د کے  
کچھ بڑوں کو فکر د کے کچھ کا چکر بڑوں ہے یا سمجھ نہیں چڑھ سکتا میں حالت باریک ہے یا یہ الفاظ و شائے سکتا  
ہے کاروں کیسے کہ بڑا چھوگر نہ ہر دنیا کی چھائی کچھ کار میں رہتا ہو کاروں کیس کو بڑے دھن سے اور صرف کام  
میں رہا چند بات و شکایت بلکہ یہ احاسین ہوں اس لئے میں کہتا ہے کہ کاروں پر نہایت کہہ کہ بڑا نام ہے یا  
کوئی عقلی صورت ہی صورت بات نگاروں کیس کہ اس کو یہ بات جو عالم ہے دین و دنیا کو اس میں شہید ہو کر رہا  
مکاری ہے جو کسی بھی اور جھان میں اس کا سدھ لگی نہیں میں یہ خیال ہے کہ ہر بڑی دھن میں کھنڈ کی کیا بڑ  
و غلاتانہ خود خیر و شر کہ اشتباہ و خیال کو اگر کار میں رہ سکتا اس میں کام و غیر تو بہت ہم میں بھی کئی طرف کی اور ہے  
یہ ہر شرگ کشی ہوئے میں ہے ہر دھن کے کہ عو خیال میں ہے ہر جگہ اس کو کچھ نہ سہار ہے ہی ہر سر  
کی نہ کچھ بھینچ ہے ہر پناہ ہے میں ہر بات و رنگ نہ ہے ہر میں کا سہارے صاف بھینچے کہ ناصر تر بنانے کی  
بشر فرما رہا ہر ایک خوف کے اس کو اگر بھی ہر بڑوں میں بھی خوشی کا دھو کہ ہے۔

رکھنا اگرچہ وہ بظاہر اللہ تعالیٰ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تحت کومانے اور ایمان کا دعویٰ کرے۔ یا تو اس شخص کا دل یقین سے خالی ہے یا پھر اس کا یقین مخلوق پر ہے اور مخلوق سے اس کو جتنے اجر کی توقع ہے اتنی امید اللہ تعالیٰ سے نہیں یا وہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق دونوں سے اجرواد حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس کا عمل اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا اللہ تعالیٰ اور آخرت پر یقین بہت کمزور ہے۔

قرآن و حدیث میں ریا کی بہت مذمت کی گئی ہے اور اس پر بہت سخت عتاب آئی ہیں۔ جیسا کہ خداوندی اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من صلی یُرانی فقد اشرك۔ جس نے ریا کی نیت سے نماز پڑھی اس نے شرک کیا۔

ومن صام یُرانی فقد اشرك ومن تصدق یُرانی فقد اشرك۔ اللہ میں نے ریا کے لالچ سے روزہ رکھا میں نے شرک کیا اور میں نے ریا کی نیت سے صدقہ دیا اس نے شرک کیا۔ (رداء احمد شذوۃ باب الریاء السنن)

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا الدہلوی قدس سرہ ریا پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۲۰۔

جو عبادت بھی جو خالص اللہ جل شانہ کی رضا کے واسطے ہو اس میں کوئی نامہ غرض ریا، شہرت، چہانت وغیرہ ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ اس میں نیکی بے ارادہ لازم ہو جائے۔ احادیث میں بہت کثرت ہے اس پر حدیثی اور نبویین و ائمہ ہدیٰ میں ایک حدیث قدسی میں حق بجاؤں تو قدس کا ارشاد دودہا ہے کہ میں سب شریعتوں میں سب سے زیادہ بے پرواہ ہوں جو شخص کسی عبادت میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کر دیتا ہے میں اس عبادت کرنے والے کو اس کے بدلے دیتے ہوں، شریک کے ساتھ پیڑ دیتا ہوں (شکوۃ ایسی وہ اپنا بدلہ اور ثواب اس شریک سے جا کر لے لے کر دے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایک منادی اعلان کرے گا کہ جس شخص نے اپنے کسی مل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کیا ہے وہ اس شریک سے اپنا ثواب مانگ لے، اللہ جل شانہ شریک سے بے نیاز ہے (مشکوٰۃ)۔

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ ہمارے پاس تشریف لاتے تو ہم لوگ دجال کا تذکرہ کر رہے تھے حضورؐ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں جس کا میں تم پر دجال سے بھی زیادہ خوف کرتا ہوں، ہم نے عرض کیا کہ ضرور بتائیں، حضورؐ نے فرمایا کہ وہ شرکِ خفی ہے۔ مثلاً ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے اور غلام سے شروع کی ہے کوئی شخص اس کی نماز کو دیکھنے لگے، وہ آدمی کے دیکھنے کی وجہ سے اپنی نماز لمبی کر دے۔

ایک دوسرے صحابی حضورؐ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف چھوٹے شرک کا ہے، صحابہؓ نے عرض کیا، اچھا تو شرک کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا، اگر ایسا ہے ایک حدیث میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ جس دن حق تعالیٰ شانہ بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ عطا فرمائیں گے، ان لوگوں سے یہ ارشاد ہو گا کہ جن کو دکھانے کے لئے کہتے تھے، دیکھو ان کے پاس تمہارے اعمال کا بدلہ ہے یا نہیں (مشکوٰۃ)۔

قرآن پاک میں بھی حق تعالیٰ شانہ کا پاک ارشاد ہے فَتَنَّاكَ تَاجِرُ خَبَازٍ رَزَقْنَاكَ فَأَنْتَ فَرِحْتَ بِنِعْمَتِنَا وَتَبَدَّلَ فَتْنَانَا بِفِتْنَتِكَ إِنَّمَا تَزِدُّكَ عُشُقًا ۚ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ وَلٍ ۚ إِنَّكَ أَعْيُنُ عَشْقٍ ۚ رَبُّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ اور اللہ کا محبوب و مقرب بننا چاہے تو نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں پیغمبرِ نبیؐ ہوں، مباح میں اللہ جل شانہ کی رضا کے واسطے کھڑا ہوتا ہوں مگر میرا دل اتنا ہے کہ میری اس کوشش کو لوگ دیکھیں، حضورؐ نے اس کا کوئی جواب مرحمت نہیں فرمایا مگر یہ آیت نازل ہو گئی۔

حضرت مجاہدؓ کہتے ہیں کہ ایک صاحب نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو انذات

میں عرض کیا کہ میں مدد کرتا ہوں اور صرف اللہ جل شانہ کی رضا مقصود ہوتی ہے مگر دل بیچتا ہے کہ لوگ مجھے چھوڑیں۔ اس پر آیات شریفہ نازل ہوئی۔

ایک حدیث مذکور ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے عمل میں میرے ساتھ کسی دوسرے شخص کو شریک کرتا ہے تو میں اس عمل کو مارے ہی کو چھوڑ دیتا ہوں میں ہر کسی عمل کو قبول کرتا ہوں جو نام میں میرے لئے ہو۔ اس کے بعد حضور نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی: ایک اور حدیث میں ہے اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے ساتھی کے ساتھ ہجرتی تعمیر کرنے والا ہوں جو شخص اپنی مہارت میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو ساتھ لے کر دے میں اپنا حصہ بھی اس ساتھی کو دے دیتا ہوں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جہنم میں ایک ٹاڈی ایسی ہے جس سے جہنم کو دھندلا دیتی ہے اور سب روزانہ پناہ مانگتی ہے، یہ ایک کارندوں کے واسطے ہے۔

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بیشک اللہ عزوجل نے پناہ مانگا کر دینی قوم کے گنہگاروں سے جو جہنم میں ہے، صاف کرنے میں کیا یا رسول اللہ اس میں کون لوگ رہیں گے؟ حضور نے فرمایا کہ جو اپنے حال میں دیکھ کر کہتے ہیں: ایک صحابی کتنے کئے ہیں کہ یہ آیت شریفہ قرآن پاک میں سب سے آخر میں نازل ہوئی اور حضور قرآن پاک میں دوسری جگہ ارشاد ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبَدِّلُوا الصَّلَاتِ كُنُفًا بِالْعَنَةِ** **وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرِيفٌ مَّا لَدِينَا قَدْ آثَبَ** (سورہ بقرہ ۲۳۰)

اسے ایمان والوں تم صاف جگا کر یا خدا پہنچا کر اپنی عیادت کو بدلتے کہ وہی طرح وہ شخص دیر بابر کرتا ہے جو اپنا مال لوگوں کو دیکھنے کے لئے منہ سے خارج کرتا ہے وہ وہاں نہیں مکتہ، شریعت کے منہ پر اس شخص کو نکال دیا ہے جیسا کہ ایک چکنہ پتھر جو جس پر کچھ مٹی لگتی ہو اور اس مٹی میں کچھ سبز و سرخ مٹی لگے ہیں، پھر اس پتھر پر زرد کی بدلتی ہو جاتی ہے سو وہ اس کو بالکل صاف کر دے گا وہی طرح ایمان رکھنے والوں کو بدلتے ایمان والوں کو دیکھ کر ان کا شرع کرنا بھی صاف اڑھانے لگا وہ قیامت کے دن ایسے لوگوں کو اپنی کفایت دے گا جو ان کے گنہگاروں کی تھیں، صدقات دیتے تھے، سب مٹانے جائیں گے۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی بزرگ قرآن پاک میں ریاض کی خدمت فرمائی ہے ایک مرتبہ میں  
 ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے بنی لوگوں کا فیصلہ ہوگا ان میں ایک تو شہید ہوگا  
 اس کو بلایا جائے گا اور جانے کے بعد دنیا میں جو اللہ جل شانہ کے انعامات اس پر صوبے  
 تھے وہ اس کو یاد دلائے جائیں گے اس کے بعد اس سے مطالبہ ہوگا کہ اللہ جل شانہ کی  
 ان نعمتوں میں سے کون سے کیا نیک عمل کیلئے وہ عرض کرے گا کہ میں نے تیری رضا جوئی میں  
 جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہو گیا اور تجھ پر تکرہاں ہو گیا ارشاد ہوگا کہ یہ جھوٹ ہے تو نے جہاد  
 اس لئے کیا تھا کہ لوگ بڑا بہادر بنائیں گے وہ تجھے بہت بڑا بہادر بتانگے ہیں اور غور و خصال  
 کی حتیٰ وہ پروری ہو گئی ہے اس کے بعد اس کو جہنم میں پھینک دینے کا حکم کیا جائے گا اور  
 تعمیل حکم میں اس کو منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

دوسرا شخص ایک عالم ہوگا جس کو جاکر اللہ جل شانہ کے انعامات اور احسانات بتا کر  
 اس سے بھی دریافت کیا جائے گا کہ اللہ جل شانہ کی ان نعمتوں میں تو نے کیا عمل کیا  
 وہ کہے گا کہ میں نے علم سیکھا اور لوگوں کو سکھایا تیری رضا جوئی میں قرآن پاک پڑھا۔  
 ارشاد ہوگا یہ سب جھوٹ ہے یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا تھا کہ لوگ کہیں غم نہ کھائیں  
 قصص بڑا عالم بڑا تادمی ہے سو لوگوں لے کر دیا ہے اور جو متعدد اس منت سے  
 تیار ہو حاصل ہو چکا ہے اس کے بعد اس کو بھی جہنم میں پھینکنے کا حکم کیا جائے گا اور  
 تعمیل حکم میں منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

تیسرا شخص ایک کفی ہوگا جس پر اللہ جل شانہ نے دنیا میں بڑی وسعت فرما رکھی  
 حتیٰ کہ جہنم کے کل سے اس کو نوازا تھا اس کو بلایا جائے گا اور جو انعامات اللہ جل شانہ  
 نے اس پر دنیا میں فرمائے تھے وہ بتا کر سوال کیا جائے گا کہ ان انعامات میں تیری کیا  
 کارگزاری ہے وہ عرض کرے گا کہ میں نے غیر کا کوئی موقع جس میں خرچ کرنا آپ کو پسند  
 ہوا یا نہیں چھوڑا جس میں آپ کی خوشنودی کے لئے خرچ ہو گیا ہو ارشاد ہوگا یہ جھوٹ  
 ہے تو نے محض اس لئے خرچ کیا کہ لوگ کہیں گے بڑا کفی شخص ہے سو کہا جا چکا ہے اس  
 کے بعد اس کو بھی جہنم میں پھینکنے کا حکم ہوگا اور تعمیل حکم میں منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک

دیا جاتے گا، مشکوٰۃ بروائے مسلّم، اس حدیث میں اور اسی طرح اور علاوہ میں وہاں ایک شخص کا ذکر آتا ہے اس سے ایک قسم آدمیوں کی مراد ہوتی ہے یہ مطلب نہیں کریں معاملہ صرف میں آدمیوں کے ساتھ کیا جائے گا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ تینوں قسم کے آدمیوں سے یہ مطالبہ ہو گا اور مثال کے طور پر ہر قسم میں سے ایک ایک آدمی کا ذکر کر دیا۔

اللہ کے علاوہ اور بھی احادیث میں کثرت سے اس تفسیر کی گئی ہے اور بہت زیادہ اہمیت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس پر متنبہ کیا ہے کہ جو کام بھی کیا جائے وہ خالص اللہ جل شانہ کے لئے کیا جائے اور جتنا بھی اہتمام ہو سکے اس کا کیا جائے کہ اس میں ریا اور نمود و شہرت اور دکھاوے کا شائبہ بھی نہ آنے پائے، مگر اس جگہ شیطان کے ایک جڑے معرے کے لئے نگرہ ہونا چاہیے، دشمن جب قوی ہوتا ہے وہ مختلف انواع و اقسام کی دشمنی نکالتا ہے یہ بہت مہربان آدمی کو اس دوسرے کی بدولت کہ انہیں تو ہے ہی نہیں اہم ترین عبادتوں سے روک دیا کرتا ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ شیطان اول تو نیک کام سے روک دیتا ہے اور ایسے خیالات دل میں ڈال دیتا ہے جس سے اس کام کے کرنے کا ارادہ ہی پیدا نہ ہو، لیکن جب آدمی اپنی بہت سے اس کا مقابلہ کرتا ہے اور اس کے روکنے پر عمل نہیں کرتا تو وہ کہتا کرتا ہے جو میں میں انخلا تو ہے ہی نہیں، یہ تیری عبادت، محنت، بیکار ہے، جب انخلا ہی نہیں پھر ایسی عبادت کرنے سے کیا فائدہ؟ اور اس قسم کے دوسرے ہتھکنڈے نیک کام سے روک دیا کرتا ہے اور جب آدمی نیک جاتا ہے تو اس کی غرض پروری ہو جاتی ہے (احیاء) اس لئے اس خیال سے نیک کام کرنے سے رُک نہیں چاہیے کہ انخلا تو ہے ہی نہیں، بلکہ نیک کام کرنے میں انخلا کی کوشش کرتے رہنا چاہیے اور اس کی دعا لگنا رہے کہ حق تعالیٰ شانہ ہمیں اپنے صفت سے دھکیلی فرمائے، تاکہ تودین کا خطرہ نہ آئے ہو، نہ برباد ہو۔ وَمَا ذَلِكُمْ عَنِ اللَّهِ بِشَيْءٍ

فضائل صفات حصہ اول صفحہ ۱۶۵ (۱۶۵)

باب ہفتم

محبتِ مطلوبہ



## محبت

- شراب روح پرور ہے محبت رب بزرگوں کی  
 اللہ رب العزت نے انسان میں ایک مارہ محبت کا ایسا کھدیا ہے جس نے  
 اسے ذوق پیش سے آشنا کر دیا ہے ماسی کی برکت سے زندگی کا سوز و ساز ہے اور یہی  
 ایک نیا محشر چاہے ماسی کی وجہ سے دل مضطرب ہو رہا ہے خود ٹوٹ پٹا اور دل کو ٹپکا  
 ہے اور اس کے نالہ ہائے غم آسمان کی بھلیوں سے کیستے ہیں۔

محبت کا یہ مادہ انسان کو محبوب کے حصول اور رضا کے لئے جان کی بڑی کٹنگ  
 پر آمادہ کرتا ہے اس کی محبت جی چیز سے وابستہ ہو جاتے یہ اس کا غلام و بندہ بن کے  
 رہ جاتا ہے۔ یہی محبت اس کے تمام امراض پریشانیوں اور بھینٹوں کا سبب بھی بن  
 جاتی اور طاعن بھی اگر محبت دینا ہے غامی سے ہو تو انسان آشفستہ حال مانگ بھول ہی کر  
 دنیا کے حصول کے لئے محنت و مشقت کرتا ہے، دور دراز محاکمہ دریافت کرتا ہے  
 دولت و عزت و شہرت حاصل کرنے کے لئے خون پسینہ ایک کر دیتا ہے۔ اور کبھی  
 حسن غامی کا پروانہ بن کر اپنا شب کو تباہ و برباد کر لیتا ہے۔

محبت اگر اس تغیر پذیر دنیا سے بے ثبات سے جھلکی تو انسان ناکام و نامراد ہو  
 گا لیکن اگر یہی محبت بھالی لازوال ہے، اور اس کا سوز و گداز حسن اذلی واجب کی خالق  
 کائنات رب العالمین کے لئے ہو اس کی وفا اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے  
 ہو جائے تو انہی کی تپ اور سنت رسول سے ان کی رضا اور احکام کو مطوم کر کے دنیا میں  
 اچان و عمل سے نبالا کر دے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت انسان کی ساری بڑگندگی اور  
 پریشانی کا مل ہے یہ وہ آب حیات ہے جو اس کو قیامتے دوام و عطا کرتی ہے اور اس  
 کے لئے دنیا و آخرت میں سرمایہ نفع و نجات ہے۔

جس طرح مومن کے لئے اللہ تعالیٰ کی محبت ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ۚ اسی طرح شاعرانہ اور صوفیانہ طور پر علم کی محبت بھی ضروری ہے۔  
اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَغَوَّزَوْا مِنْهُ وَلَمْ يَقُولُوا  
وَأَتَيْنَا التَّوْرَ الَّذِي فِيهِ أَمْرٌ لَنَا مِنْهُ  
أَوْ كَيْفَ هَذَا الْمُنَاجَاةُ ۚ  
(معاہدات آیت ۱۵۰)

یعنی ہم جو لوگ اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لاتے اور اس کی دعوت و تعلیم کے ساتھ ہماری امت کے بعد خلیفہ کے متابعت میں اس کی مدد کیا کرتے ہیں اور اس نور (قرآن مجید) کے چلنے کے ساتھ جیسا

کیا ہے وہی لوگ پوری غلامی پانے والے ہیں۔  
اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے۔

تَعَزَّزُوا وَابْتِغُوا الْفَضْلَ ۚ  
یعنی تم ان کی دعوت و تعلیم کے ساتھ مدد کرو اور  
دل سے ان کی تعلیم کرو۔

معلوم ہوا کہ مکمل کامیابی اور غلامی پانے والا وہی شخص ہو سکتا ہے جو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیچھے دل سے ایمان لائے، ان کی تحریم و تنہید میں کوئی کمی نہ کرے، ان کے دینی کی نصرت اور اس کی تائید کے لئے ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہو اور قرآن کریم کے ارشاد پر عمل کرنے کے لئے دل و جان سے آمادہ ہو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں ”یہاں غلامی پانے کے لئے چار شرطیں ذکر کی گئی ہیں، اولیٰ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) علیہ وسلم پر ایمان، دوسرے آپ کی تعلیم و تحریم، تیسرے آپ کا امداد، چوتھے قرآن کریم کا اتباع۔“

تعلیم و تحریم کے لئے اس جگہ ضرور لایا گیا ہے۔ یہ تعزیر سے مشتق ہے تعزیر کے اصل معنی انگشت کے ساتھ منہ کرنے، حفاظت کرنے کے ہیں مہدائے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عز و شرف کے معنی تعلیم و تحریم کرنے کے بتلاتے ہیں اور منہ رولے کا لفظ ایمان مانا ہے میں ان کو اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔

کا اعلیٰ درجہ کی تعلیم کو تفسیر پرست تفسیر کیا جاتا ہے۔  
آگے لکھتے ہیں۔

”عزیز و نصیر وہ۔ فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ اس حضرت علیؑ علیہ السلام کے احکام کا ایسا اتباع مقصود نہیں جیسے دنیا کے حکم کا اتباع جنہاں کو قرآن کریم نے منع فرمایا ہے بلکہ وہ اتباع مقصود ہے جو محنت و محبت کا نتیجہ ہو یعنی رسول اللہ علیؑ علیہ السلام کی محنت و محبت دل میں اتنی ہو کر اس کی وجہ سے آپ کے احکام کے اتباع پر مجبور ہو کر جو نعمت کو اپنے رسول سے محنت قسم کے تعلقات ہوتے ہیں، ایک یہ کہ وہ میری مالک ہے اور نعمت محکوم و درحیثیت۔ دوسرے یہ کہ رسول محبوب ہے اور پوری محنت اس کی محبت۔ ایک یہ کہ رسول اپنے کلمات علی، علی، اخلاقی کی بنا پر صاحب محنت ہے اور ساری امت ان کے مقابلے میں بہت و عاجز۔ ہمارے رسول کریم علیؑ علیہ السلام میں سب شانیں درجہ کمال میں پائی جاتی ہیں اس لئے نعمت پر لازم ہے کہ ہر شان کا حق ادا کریں۔ بحیثیت رسول کے حق پر ایمان لائیں۔ بحیثیت امیر و مالک کے ان کے احکام کی پیروی کریں۔ بحیثیت محبوب ہونے کے ان کے ساتھ مہر کی محبت رکھیں اور بحیثیت کلمات نبوت ان کی تعلیم و تحریر کو بجا لائیں۔

رسول اللہ علیؑ علیہ السلام کی حکمت اور اتباع تو نعمت پر فرض ہونا ہی چاہیے تھی کیونکہ انہما کے جیسے کہ تفسیر میں اس کے لیے لکھا نہیں جوتا لیکن حق تعالیٰ نے ہمارے رسول مقبول علیؑ علیہ السلام کے بارے میں صرف اس پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ نعمت پر آپ کی تعلیم و توفیر اور احترام و ادب کو بھی لازمی قرار دیا ہے اور قرآن کریم میں بجا بجا اس کے کلام سجائے گئے ہیں اسی آیت میں عزیر و نصیر وہ۔ کے الفاظ سے اس کی طرف حرایت کی گئی ہے اور ایک دوسری آیت میں جنت و تفسیر وہ و توفیر وہ آیا ہے

”اسلاف احقان جہم میں“

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ علیؑ علیہ السلام کی محبت کی تہذیب و تربیت ہوئے فرمایا۔

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ  
یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں کو اپنا  
سے مجھذایا جانے کے نزدیک ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ وہ محبت اور تعلق بیان فرما رہے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
کو مومنین سے ہے کہ تمہارے ساتھ بہرہ ریزی وغیرہ خواہی اور تربیت وغیرہ میں آپ  
صلی اللہ علیہ وسلم تم پر تمہارے نفوس سے بھی زیادہ مہربان ہیں حضور کا ملکت و کرم اور  
تمہاری دنیا و آخرت کی کامیابی اور غیر غمائی کا جو خیال آپ رکھتے ہیں وہ خود تمہارے نفس  
بجای اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے

مجموع بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ  
علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من مؤمن إلا وأنا أولى الناس  
کہ ہر مومن یا مومنہ جس کے لئے میں دنیا و آخرت  
بہ فی الدنیا والآخرۃ اقربوا لہ  
میں مددے انسانوں سے زیادہ اہل اور قرب  
شأن النبئ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ  
دہیں گزرتا دلائل پا ہے تو اس کی تصدیق کیجئے،  
أَنفُسِهِمْ اور مجھ سے بخاری جلد ۱۰

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے ساتھ لیا گیا کہ تعلق ہے اور ہم میں سے ہر ایک  
پر ساری دنیا سے زیادہ شفیق اور مہربان ہیں تو ہم اس کا لازمی اثر اور حق یہ ہونا چاہیے  
کہ ہر مومن کو آپ سے محبت تمام مخلوقات اور اپنی جان سے بھی زیادہ ہو۔ آپ کی محرم  
و تعظیم بھی سب سے زیادہ کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی تمام مخلوقات اور نفس  
کی ساری خواہشات پر مقدم رکھے اور سب سے زیادہ واجب التعلیل سب سے جیسا کہ  
تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ  
آپ کو دیکھئے اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور چچا  
وَأَخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ  
اور تمہاری بھینسوں اور تمہاری بیویاں اور تمہاری بہنیں اور  
وَأَمْوَالٌ مُّتَرَفِقَةٌ مِّمَّا تَبَارَكُوا  
مال و قوم کے لئے کہنے میں اسلئے کا سہارا جس کے بند  
تَخْشَوْنَ كَذَبًا وَتَسْكُنُونَ  
ہونے کا نہیں لادیتے ہے اور یہ کائنات بھی تم

تَوَضُّعُهَا أَحَبُّ إِلَيْكَ مِنْ اللَّهِ  
وَرَسُولِهِ وَجِهَادُ قِتِّ سَبِيلِهِ  
فَاتَّبِعُونَا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ  
وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ  
پس کہتے ہو کہ تم کو زیادہ پسند ہے میں اللہ سے  
اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد سے  
تو تمہارا کرو یہاں تک کہ مجھے اللہ اپنا  
حکم (سزا) اور اللہ ہدایت نہیں دیتا (افران  
لوگوں کو۔ (سورۃ التوبہ آیت ۲۴)

اپنی اولاد، ماں باپ، بھائی اور اپنی بیوی وغیرہ سے محبت اور تعلق (ذاتی فکر)  
کا اتنا خاصہ اسی طرح کا دوبارہ مال اور مکانات وغیرہ کے ساتھ انسان کا نگاہ  
اس لئے ہے کہ وہ دلوں و دھیریں، عورت و راجست سے زندگی گزارنے میں ان کا علاج ہے  
اسلام دینِ غفلت ہونے کی وجہ سے انسان کے فطری تقاضوں اور ضرورتوں کا صحیح اور  
مناسب خیال رکھتا ہے اور یہیں ماں، باپ، بھائی کے مسائل کرنے، ماں کی طرف کمال  
بے قیاسی کا حکم نہیں کرتا۔ بلکہ صرف ان کی محبت میں کھو جانے سے منع کرتا ہے۔ بلکہ یہ چیز  
اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر غالب نہ آجائیں اور احکام شریعت  
پر عمل کرنے کے خلاف نہ گھوٹ دین جائیں۔ جہاد و ہجرت جیسے عظیم اعمال کے لئے  
مانع نہ ہو جائیں۔

اگرچہ ان آیات میں ان لوگوں سے خطاب ہے جنہوں نے ہجرت و جہاد فرض  
ہونے کے وقت انی شیا کے نگاہ اور محبت سے مطلوب ہو کر ہجرت و جہاد کیا  
لیکن آیات شریعت کے الفاظ عموم کے ساتھ تمام مسلمانوں کو یہ حکم دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ  
اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس درجہ کی محبت لازم ہے جس پر کوئی دھوکا  
محبت اور تعلق غالب نہ آئے جیسا کہ صحیح حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ  
علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے۔

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ  
إِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهِ وَوَالِدِهِ وَالنَّاسِ  
اجمعین (بخاری و مسلم کتاب الوفاق ج ۱، ص ۱۱۱)  
تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایمان نہیں  
نہیں لے گا جب تک میں اس کو اپنی اولاد، والدین اور  
تمام لوگوں کے علاوہ پیارا نہ ہوں۔

اسی طرح بہت سی صحیح احادیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب تک ایک امستی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دنیا کی ہر چیز حتیٰ کہ اپنی ذات سے بھی زیادہ نہ ہو اس وقت تک اس کو ایمان کی حقیقت اور لذت نہیں حاصل ہو سکتی۔

**محبت کے اسباب** یہاں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ محبت کرنے کے چند اسباب ہوتے ہیں، پہلا سبب قربت ہے اس میں محبت کا سبب صرف قرب ہوتا ہے کسی خارجی چیز جیسے حسن و کمال کی مزید ضرورت نہیں پیش آتی، بلکہ جہاں جتنا قرب ہوتا ہے وہاں اتنی ہی زیادہ محبت ہوتی ہے جیسے طریق کی محبت اولاد سے، دوسرے اقرباء سے زیادہ ہوتی ہے اسے طبی محبت کہتے ہیں۔ محبت کا دوسرا سبب اسباب احسان ہے، یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ بچے کسی سے محبت ہو ہی جاتی ہے، تیسرا سبب حسن و جمال ہے، کیونکہ حسن صورت، حسن سیرت اور آواز کا حسن یہ سب اپنے اندر کشش رکھتے ہیں، محبت کا چوتھا سبب کمال ہو سکتا ہے کسی میں طہارت، شجاعت، دانائی وغیرہ کے کمالات ہوں تو انہیں دیکھ کر ان کے صاحب کمال سے محبت ہو جاتی ہے۔

بہن اوقات محبت کا مفاد صرف عقلی ہوتا ہے اگرچہ طبی طور پر آدمی کراہت اور گھبراہٹ محسوس کرے، بیمار کو تلخ دوا، آپریشن یا انجکشن وغیرہ سے تکلیف و گھبراہٹ ہوتی ہے مگر عقل اس کو صحت یابی کا ذریعہ سمجھتا ہے اور یہ دوائیں وغیرہ اس کی بھلائی و مطلوب بن جاتی ہیں۔

**حضور سے اختیاری محبت** چوتھو سبب طبی، ایک اضطراری اور غیر اختیاری چیز ہے اور اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی طاقت اور اختیار سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت سے مراد شب عقلی ہے، یعنی یہ بات ہے کہ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کہے کہ ہر مومن پر اللہ تعالیٰ کی محبت لازم ہے اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اتباع ضروری ہے، لہذا اگر کسی شخص کے دل میں طبی دنیاوی تعلقات ہوں

لیکن وہاں سے اتنا منسوب نہ ہو کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی کی پر وہ نہ کرے تو وہ بھی آیات مذکورہ کی وحید سے خارج ہے اور اللہ و رسول کی محبت کو غالب رکھنے والا ہے جیسے دعا کی تلقین یا اگر پیش سے طبعاً گہرا ہٹ قابل ملامت نہیں، اسی طرح اگر کسی کو ملال و اذیاد کی محبت کی وجہ سے شریعت کے کسی حکم کے بجا لانے میں غیر اختیاری تکلیف محسوس ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود اس کی رعایت کرنا واجب ہے کہ وہ اس حکم کی تعمیل کرتا ہے تو وہ قابل ملامت نہیں۔

حکمی محبت اختیاری ہوتی ہے لیکن اس پر قناعت کر لینا درست نہیں خصوصاً صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی محبت ابتداء میں اختیاری اور عقلی ہوتی ہے لیکن اسی میں اس قدر قوت ہوتی چاہیے کہ محبت طبیعت پر غالب آجائے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی تعمیل میں وہ لذت محسوس ہو جو ہر تکلیف کو راحت اور ہر تلخی کو شیرینی بنادے۔ یہی محبت کا اعلیٰ مقام ہے اور اسی وجہ کی محبت کی ترویج دی گئی ہے جیسے یحییٰ بن علی کی ایک حدیث میں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

ثَلَاثٌ مِنْ كُنْ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةً      یعنی میں نے تین باتیں ہوئی وہ ایسا کی مشاق  
الْإِيمَانُ أَنْ يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولَهُ      ہائے محبت ایک یہ کہ اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے  
أَحَبُّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا. الخ.      رسول کی محبت سب چیزوں، مخلوق سے  
زیادہ ہو۔      زیادہ ہو۔

اس حدیث شریف میں طہارت و ایمان سے مقصود محبت کا یہی درجہ ہے جو فلاح کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو اور بڑی سے بڑی مشقت، حتیٰ اگر اپنی جان کی قربانی تک کو لذت بنادے اور ہر قسم کی محبت چاہے طبیعی ہو یا عقلی پر اس کو تعمیل احکام کو ترجیح دے اور سب کلام رضی اللہ عنہم کی زندگی اس پر شاہد ہے۔ چند واقعات بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کی محبت | اپنی ذیل کی ایک مسلمان خاتون کے والد، بھائی اور خاوند غزوہ احد میں شریک ہوئے تھے۔ جب اس کو ہر ایک کے متعلق یہ خبر ملتی کہ وہ شہید ہو گیا ہے تو وہ انا اللہ وانا الیہ راجعون پر متنی اللہ بے قراری سے دریافت کرتی رہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس حال میں ہیں لوگوں نے بتایا کہ آپ بالکل صحیح و سلام ہیں اس پر بھی ایمان نہ ہوا اور کہنے لگی مجھے بتاؤ تاکہ دیکھ کر یقین کر لوں۔ جب اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا تو لرزے لگیں کہ آپ کے ہونے ہوئے تمام مصیبتیں پہنچ رہی ہیں اسیرت میں ہشام،

۲۱ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی محبت تھی آپ نے فرمایا کہ خدا نے پاک کی نعم حضور پر لوگوں کے نزدیک اپنے مالوں سے اور اپنی اولادوں سے اور اپنی ماؤں سے اور سخت پیاس کی حالت میں لٹوے پانی سے زیادہ محبوب تھے اشد عکابت مسلم،

۲۲ حضرت عبداللہ بن ربیع کے مولا کیسائی فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتے، دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن ربیع کے پاس ایک طشت ہے اور یہ جو کچھ اس میں ہے اسے ہلارہے ہیں مانتے ہیں حضرت عبداللہ بن ربیع حضور کی خدمت میں آئے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ وہ کام کرائے حضرت عبداللہ نے عرض کیا جی ہاں حضرت سلمان نے دریافت کیا یا رسول اللہ کیا کام ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے ان کو اپنے پیچھے کے خون کا فساد دیا تھا کہ جو کچھ اس میں ہے یہ اسے بہا دیں حضرت سلمان نے فرمایا قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بیجا ہے اسے تو یہ پی گئے۔ آپ نے پوچھا کیا تم اسے پی گئے؟ انہوں نے کہا جی ہاں آپ نے فرمایا کیوں؟ انہوں نے عرض کیا مجھے یہ بات پسند آئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خون مبارک میرے پیٹ میں ہو یہ مجھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلنے ابی ربیع کے سر پر اتھ بھرا اور فرمایا تھے لوگوں سے نفسان پہنے گا اور لوگوں کو تجھ سے







طریقہ سلکی امامت کا حق ادا ہی تب ہو سکتا ہے جب دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت ہو، ورنہ بغیر محبت کے امامت ریا اور نفاق پر تاس ہے۔  
 خطرہ یہ ہے کہ بعض لوگوں نے تعلیم و محبت کو فرض کیا گیا ہے اور جو راجی تو ہیں کیا  
 فیض رسالت سے ابدالاً ہر ایک محروم رہے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم  
 وسلم کے سامنے زور سے بولنے اور ان کی آواز پر آواز بلند کرنے کی ممانعت کرتے ہوئے  
 فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْهَقُوا  
 أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا  
 تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ  
 لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ  
 لَا تَشْعُرُونَ (سہ احزاب ۴۱)

اے ایمان والو! بلند نہ کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی  
 کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آواز سے اور ان کی آواز کے ساتھ  
 آواز نہ کیا کرو جی طرح اونچی آواز سے تم ایک  
 دوسرے سے جاتی کرتے ہو کیسے یہ یاد ہو کہ  
 یہ اللہ کی چیز ہے تمہارے اعمال خالص ہو جائیں

اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

اس آیت طریقہ کے اول مخاطب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، جن کا خیال اور قول یا  
 بے مثال ہیں، جن کی مہلات خشوع و خضوع میں تنگی ہوتی ہیں، جو ہر معاملہ میں اور ہر  
 وقت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی و مصلحت سے ڈرتے تھے۔ انہیں  
 کہا جا رہا ہے کہ اگر نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آواز اونچی کی تو یہ بھی ایسی  
 ہے، اپنی اور گستاخی ہوگی کہ تمہارے سارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تمہیں خبر  
 بھی نہ ہوگی۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اس آیت کے نزول سے  
 صحابہ کرام کی ہر مال ہو گیا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ تمہیں  
 کتاب مرتے دم تک آپ سے اس طرف بولوں گا جس طرح کوئی کسی سے سرگوشی کرتا ہو  
 اور غور میں بہت سی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ بعض اوقات  
 دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا کہ انی الصما، اور حضرت ثابت بن کثیرؓ قدری طور پر بہت بلند

آواز تھے۔ یہ آیت مٹ کر بہت ڈر گئے اور روئے اور اپنی آواز کو گھٹایا یا بیانِ اعرافی  
از درِ مشور چند سطر آگے لکھتے ہیں۔

اس جگہ کلیاتِ شرعیہ اور اصولِ مسلمہ کے اعتبار سے چند سوالات پیدا ہوتے  
ہیں۔ ایک یہ کہ ضبطِ اعمال یعنی افعالِ سالکِ صالح کر دینے والی چیز تو باتِ حقِ الہیٰ است  
والہامت۔ سوئے کفر ہے۔ کسی ایک معیت اور گناہ سے دوسرے اعمالِ سالکِ صالح  
نہیں ہوتے اور یہاں خطابِ مومنین اور صحابہ کرام کو ہے اور لفظ یا آیتہ الذین آمنوا  
کے ساتھ ہے جس سے اس فعل کا کفر ہونا ناممکن ہوتا ہے تو ضبطِ اعمال کیسے ہوا۔  
دوسرے یہ کہ جس طرح ایمان ایک فعلِ اختیاری ہے، جب تک کوئی شخص اپنے قصد  
سے کفر کو اختیار نہ کرے وہ کافر نہیں ہو سکتا اور یہاں آیت کے آخر میں یہ تصریح ہے  
کأنتم لو أنظروا وقت یعنی نہیں خبر بھی نہ ہو۔ تو ضبطِ اعمال جو خالص کفر کی منہا ہے  
وہ کیسے جاری ہوتی۔

سیدی حسرتِ حکیم الامتؒ نے بیانِ اعراف میں اس کی تو جیسرا یہی بیان فرمائی ہے  
جس سے یہاں شکات و سوالات ختم ہو جاتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ مٹنی آیت کے یہ ہیں کہ  
مسلمان تو رسول اللہؐ کی آواز سے اپنی آواز کو بند کر دے مہاجر کر کے سے چکر کو بھی ایسا کرنے  
میں غلط ہے کہ تبار کے اعمالِ ضبط اور ضائع ہو جائیں اور وہ غلط واسطے ہے کہ  
رسول سے پیش قدمی یا ان کی آواز پر اپنی آواز کو بند کر کے غالب کرنا ایک ایسا امر ہے  
جس سے رسول کی شان میں گستاخی اور بے ادبی ہوئے گا یہی احتمال ہے جو سبب ہے  
ایذائے رسول کا۔ اگرچہ صحابہ کرامؓ سے یہ وجہ بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ بالقصد کوئی ایسا کام  
کریں جو آپؐ کی ایذا کا سبب ہے۔ لیکن اعمالِ خفا یا جیسے تقدم اور رفع صوت اگرچہ  
بقصد ایذا ہوں، پھر ان سے ایذا کا احتمال ہے اس لئے ان کو مطلقاً منوع اور  
معیت قمرودیا ہے۔ اور بعض معصیتوں کا خالص ہونا ہے کہ اس کے کرنے والے  
سے توبہ اور اعمالِ سالک کی توفیق سلب ہو جاتی ہے اور وہ گناہوں میں سنگ بہرِ کفر کا  
کفر تک پہنچ جاتا ہے جو سبب ہے ضبطِ اعمال کا اسرارِ اعراف میں ۱۰۲-۱۰۳



سے لگایا جاتا ہے۔ احسان اور اکمال اس کے شاگردوں کی خوبیوں سے پرانا جاتا ہے۔ لیکن علیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور اوصاف اور ان کی تربیت کا نتیجہ و نکتہ بھی ان کے صاحبزادہ رضی اللہ عنہم میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا  
أَشِدُّوا عَلَى الْكُفَّارِ زُحْرًا لَا يَنْفَكُوا  
قَرًا يُلَاحِظُونَ كَمَا تَنْهَضُونَ ۚ  
فَضْلًا تَمُنُّ اللَّهُ وَيَرْضَوْنَ آيَاتِنَا  
فِي تَوَجُّهِهِمْ مِنْ أَشْرَارِ الشُّجُونِ ۚ  
(سورۃ الماعین آیت ۱۸)

محمدوں کے رسول ہیں اور جو ان کے صحبت یافتہ ہیں وہ کفار کے مقابلہ میں سخت ہیں، آپس میں رہ رہ کر ان کے مقابلہ میں آپس میں دیکھ رہے ہیں کہ وہ کون کون کبھی

دکھ کر رہتے ہوئے کبھی سہا کر رہتے ہوئے اللہ کے فضل اور اس کی مدد سے طلب کیا رہیں ان کے

دوران اور حالت کی علامت ان کے چہروں پر

چہروں کے اثر سے آشکارا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۚ

انہیں اللہ تعالیٰ ہی حق، ان عبادت مند صاحبزادوں کا

حق ہے جو اپنے گھروں سے باہر ہوں سے جدا

کر دیتے گئے ہیں۔ حضرت تعالیٰ کے فضل اور

مدد سے ان کے طالب ہیں اور رضائے اور اس کے

دوران کی ملکیت ہے، یہی لوگ ہیں۔

اور ان لوگوں کا حق ہے، جو دار و دارم اور ان

ہیں ان کے قلب قرار پڑے ہوئے ہیں جو ان کے

پاس ہجرت کر کے آئے، جس سے وہ لوگ بہت

کرتے ہیں اور صاحبزادوں کو کہہ دیا جاتا ہے جس

انصار اپنے دل میں کوئی نکتہ محسوس نہیں کرتے

اور اپنے دل پر ترجیح دیتے ہیں اگر پر خود ان پر

ما قرین ہو اور جو شخص نکل سے مسخرہ رک گیا ہے

یہ لوگ نکل جانے والے ہیں۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۚ

انہیں اللہ تعالیٰ ہی حق، ان عبادت مند صاحبزادوں کا

حق ہے جو اپنے گھروں سے باہر ہوں سے جدا

کر دیتے گئے ہیں۔ حضرت تعالیٰ کے فضل اور

مدد سے ان کے طالب ہیں اور رضائے اور اس کے

دوران کی ملکیت ہے، یہی لوگ ہیں۔

اور ان لوگوں کا حق ہے، جو دار و دارم اور ان

ہیں ان کے قلب قرار پڑے ہوئے ہیں جو ان کے

پاس ہجرت کر کے آئے، جس سے وہ لوگ بہت

کرتے ہیں اور صاحبزادوں کو کہہ دیا جاتا ہے جس

انصار اپنے دل میں کوئی نکتہ محسوس نہیں کرتے

اور اپنے دل پر ترجیح دیتے ہیں اگر پر خود ان پر

ما قرین ہو اور جو شخص نکل سے مسخرہ رک گیا ہے

یہ لوگ نکل جانے والے ہیں۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۚ

انہیں اللہ تعالیٰ ہی حق، ان عبادت مند صاحبزادوں کا

حق ہے جو اپنے گھروں سے باہر ہوں سے جدا

کر دیتے گئے ہیں۔ حضرت تعالیٰ کے فضل اور

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ  
 رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ النِّيبِ  
 سَنُفِيقَ نَاهَا لِنُؤْمِنَ وَأَنَّا نَكُونُ فِي  
 قُلُوبِنَا فَلَا لِلَّذِينَ اسْتَوَازْنَا  
 أَلْفَ زَوْفٍ وَثِيْقٌ سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ ۱۰  
 اور ان لوگوں کو کہتا ہے، اور ان کے بعد آئے  
 ایسی مہاجرین اور انصار کے بعد، جو دعا کرتے ہیں  
 کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش مے اور ہمارے  
 ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور  
 ہمارے دلوں میں ایمان والوں کا حرف ہے کہ یہ  
 دہوئے دیکھئے، اے ہمارے رہنما آپ جیسے شیخ و رحیم ہیں۔

مہاجرین و انصار صحابہ کرامؓ کے مناقب اور اوصاف بیان کرتے ہوئے حضرت  
 مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں۔

اس مقام میں حق تعالیٰ شانہؑ نے پوری امت محمدیہ کے مین طبقے کئے مہاجرین  
 و انصار اور باقی تمام امت۔ مہاجرین و انصار کے خاص اوصاف اور فضائل بھی اس جگہ  
 ذکر فرماتے مگر ان امت کے فضائل و کمالات اور اوصاف میں سے صرف ایک چیز  
 یہ بتلائی کہ وہ صحابہ کرامؓ کی بہت ایمانی اور ایمان کے ہم کسب بنانے کا ذریعہ ہوئے کہ  
 پہچانے اور سہ کے لئے دہلئے مغفرت کریں اور اپنے لئے یہ دعا کریں کہ ہمارے  
 دلوں میں کسی مسلمان سے کین و نفرت نہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے بعد  
 آنے والے جتنے مسلمان ہیں ان کا ایمان و اسلام قبول ہوئے اور نجات پانے کے لئے  
 یہ شرط ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کی عظمت و محبت اپنے دلوں میں رکھتے ہوں۔ اور ان کے  
 لئے دعا کرتے ہوں جس میں یہ شرط نہیں پائی جاتی وہ مسلمان کلمائے کمال نہیں  
 اسی لئے حضرت مصعبؓ ہی سٹھنے فرمایا کہ امت کے تمام مسلمان تین درجوں میں  
 رکنہ ہیں سے دو درجے تو گزر چکے ایسی مہاجرین و انصار اب صرف ایک درجہ باقی  
 رہ گیا یعنی وہ جو صحابہ کرامؓ سے محبت رکھیں ان کی عظمت پہنچاں۔ اب اگر تیس امت  
 میں کوئی جگہ حاصل کرنے ہے تو ہی تیسرے درجہ میں داخل ہو جاؤ حضرت حبیبؓ سے کسی  
 نے حضرت عثمانؓ کے بارے میں سوال کیا جب کہ ان کی شہادت کا ذکر چیش پہنچا تھا  
 تو انہوں نے سوال کرنے والے سے پوچھا کہ تم مہاجرین میں سے ہو، اس نے انکار کیا

پر پرمیہا انصاریں سے ہو؟ اس نے اس کا بھی انکار کیا تو فرمایا پس اب تیسری آیت **وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ** کی رہ گئی۔ اگر تم عثمان غنیؓ کی شان میں شک و شبہ پیدا کرنا چاہتے ہو تو اس درجہ سے بھی نکل جاؤ گے۔

قرطبی نے فرمایا کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ صحابہ کرامؓ کی محبت ہم پر واجب ہے۔ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ جو شخص کسی صحابیؓ کو بُرا کہے یا اس کے متعلق برائی کا اعتقاد رکھے اس کو مسلمانوں کے مال میں کوئی حصہ نہیں۔ چہر اسی آیت سے استدلال فرمایا اور چونکہ مال فقہ میں حصہ ہر مسلمان کا ہے تو جس کا حصہ اس میں ذرا اس کا اسلام و ایمان ہی مشکوک ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں کو صحابہ کرامؓ علیہ وسلم کے لئے مستفاد اور دعا کرنے کا حکم دیا مالا کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان کے آپس میں جنگ و جدال کے فتنے بھی پیدا ہوں گے اس لئے کسی مسلمان کو مشاہیرِ صحابہؓ کی وجہ سے اُن میں سے کسی سے بدگمان ہونا جائز نہیں، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ یہ اُمت اس وقت تک ہلاک نہیں ہوگی جب تک اس کے پچھلے لوگ اگلوں پر لعنت و ملامت نہ کریں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ کسی صحابیؓ کو بُرا کہتا ہے تو اُس سے کہو کہ جو تم میں زیادہ بُرا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔ یہ ظاہر ہے زیادہ بڑے صحابہؓ تو ہونے لگے۔ یہی بڑے کا جو ان کی بُرائی کر رہا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو بُرا کہنا سب لعنت ہے۔

عمر بن حوشب نے فرمایا کہ میں نے اس امت کے پہلے لوگوں کو اس بات پر مستقیم اور مضبوط پایا ہے کہ وہ لوگوں کو یہ یقین کرتے تھے کہ صحابہ کرامؓ کے فضائل اور صحابہؓ بیان کیا کروں گا کہ لوگوں کے دلوں میں اُن کی محبت پیدا ہو اور مشاہیرِ اہل اختلافات جہان کے درمیان جیشِ آستے میں ان کا ذکر نہ کیا کرو جس سے اُن کی برکت بڑھے اور وہ بے ادب ہو جائیں اور یہ سب روایات تفسیرِ قرطبی سے لی گئی



ہیں۔ (مسارف القرآن صفحہ ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶)

**صحابہ سے محبت کی وجہ** | بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پاک و مقدس صحابہ سے محبت کی وجہ | جہالتِ امت کے عالم افراد کی طرح انہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام امت کے درمیان محکم اور مضبوط واسطہ ہیں۔ ان کی حیثیت حضور کے نائبوں کی ہے اور اسی لئے عام امت سے جدا ایک خاص امتیازی شان رکھتے ہیں۔ ان کی تقدیس اور تعمیل پر ہمارے قرآن کریم سنت نبویؐ اور دین کے تمام عقائد و احکامات کا دار و مدار ہے۔ وہ رسالت کے اولین مبلغ ہیں جن کے ذریعے دین کی حق پوری امت کو پہنچا۔

قرآن مجید میں رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ بیسی سی صحابہ کرام کی پاک سیرت اور بے مثال کردار کی مدح اور ستائش بہت کثرت اور تبحر کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ انہیں رضائے الہی اور جنت کی بشارتیں دی گئی ہیں اور امت کو ان کے ادب و احترام اور ان کی اقتداء کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ اور ان میں سے کسی کو بڑا کہنے پر سنتِ جدید بھی لڑائی ہے۔ ان کی محبت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان سے بغض کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض قرار دیا ہے۔

**صحابہ کے بارے میں حضور کی تاکید** | حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضورِ مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد متل کرتے ہیں۔

اللہ اللہ فی صحابی لا تتخذوہ من بعدی خرمنا فمن اجتہد فہجرت	اللہ عذروہ اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے
اجتہدو من ابغضہم فابغضی	سلا میں میرے بعد ان کو اختیارِ تشیع کا اختلاف نہ بنا
ابغضہم ادریخہم ادریخہم	جی نہیں نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی
ساتھ بغض کی وجہ سے بغض کیا۔	جی نہیں نے ان سے بغض کیا تو میرے

اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ جس نے ان کو ایذا پہنچائی اُس نے مجھے ایذا پہنچائی

اور میں نے بے ایذا پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائی اور جو اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچاتا  
پا ہے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو عذاب میں گرفتار کر دے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ  
وسلم نے فرمایا۔

لو تسبوا اصحابی فلو ان احدکم  
انفق مثل احد ذہباً ما بلغ احد  
کون احدکم کے برابر سونسا کرے کو مایوس ہے  
کسی ایک کے ایک ٹکے برابر ثواب کو نہیں پہنچ سکتا  
احدھو ولا نصفہ۔

ہے نہ کہ دے ٹکے برابر

اور ترمذی کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم ایسے لوگوں  
کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو تم کو اللہ کی لعنت ہو تمہارے اس شر پر دینی  
تمہاری اس شر کی بات پر

مقام صحابہ رضی اللہ عنہم | صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تقدس اور عدالت اور ان کے  
ساتھ محبت، ان کی تعظیم و تحريم فقہانی طور پر ثابت ہے  
جس شخص کی زندگی مجموعی طور پر بھی اور پاکیزہ ہو اس پر کسی گناہ کبیرہ کا لازم عقل اور قدرت  
کی بدو سے بھی اس وقت تک درست تسلیم نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ وہ مضبوط اور  
قطعی دلائل سے ثابت نہ ہو اور صحابہ کرام کا مقام تو بہت ہی بلند ہے ان محلات کا  
تقدس اور عدالت قرآن و سنت مستاترہ اور اجماع نصحت سے ثابت ہے پس  
تاریخ کی جھوٹی ہے خدا و ضیف روایات کی یہاں کوئی حیثیت ہی نہیں، اسی لئے  
علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ لوگ صحابہ کرام سے بغض یا ان میں سے بعض کے ساتھ  
بغض رکھے یا ان کو برا بھلا کہے ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے ایسے لوگوں  
کا قرآن پر ایمان سے کیا واسطہ جو ان لوگوں کو برا بھلا کہتے ہیں ہی سے اللہ تعالیٰ نے  
مانی ہو گئے کا اعلان کیا ہے:

صحابہ کرام پر تنقید و اعتراض کرنا دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی تہذیب

پر اعتراض کرنا ہے۔ کیونکہ ہم تو یہ دوسرا پیدا ہو سکتا ہے کہ انور اللہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ تزکیہ صیح اور کامل نہ تھی۔ ورنہ جن حضرات نے اپنی جانیں آپ کے سر پر کی تھیں اور جن کی غویوں پر خود قرآن مجید اور حضور کریم شاہ ہیں ان حضرات میں روحانی بیماریاں بہرِ ریاختی اور خود غرضی کیسے آئیں۔

الغرض صحابہ کرام کے بارے میں پوری منت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء عظیم السلام کے بعد سب سے زیادہ مقدس اور پاکیزہ ہشتیاں ہیں۔ میں ان کا ہر فرد اتنا بلند کروں اور انسانییت سے اس قدر دور تھا کہ انسانیت کی تاریخ اُس کی نیچے چل کر گئے سے عاجز ہے۔ اور تمام صحابہ کرام کی منظرِ دُعا پر ہم ان سے محبت رکھنا ان کی معذرت کرنا واجب ہے۔ مگر کسی سے بظاہر کوئی لغزش ہوئی کہی ہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں صاف فرما کر ان کے معنی ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ اور اُن کے باہمی اختلافات میں کون حق پر تھا اور کس سے کس وقت کیا غلطی سرزد ہوئی تھی۔ سو اس قسم کے سوالات کا واضح جواب قرآن کے الفاظ سے لیا جائے گا۔

ثَلَاثَ أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ ۖ وَآَلَا تُنْكِرُ مَا كَسَبَتْ وَلَا تُتَعَلَّفُونَ مِنْهَا  
كَأَنَّهُمْ يَنْفِرُونَ۔ ایک امت تھی کہ جو گنہگار تھی ان کے اعمال ان کے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے بدتر ہے  
دو چہاں گئے گناہ گاروں نے گناہ گار کیا تھا۔

لہذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ صحابہ کرام کی عظیم الشان جماعت کے بارے میں اپنی زبان یا قلم سے کوئی ایسا حرف نہ نکالے جس سے کسی طعنائی کی شقیں یا کسرِ شان ہوتی ہو۔ اور یہ بکھلنا چاہیے کہ جو کوئی بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کا دروازہ کھولتا ہے وہ دینِ اسلام کی بنیادوں کو کھودتا ہے اور وہ بھی اسلام کا خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔

اللہ حضورؐ، صحابہؓ اور اسلافؓ سے محبت |  
الغرض اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کی ذاتِ عالی ہی اللہ محبت کی مستحق ہے۔  
کیونکہ محبت ہی وجوہِ امت کی بنا۔ پر ہوا کرتی ہے وہ بدرجہ اتم ان میں جس میں اللہ ہی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس لئے نہایت ضروری ہے کہ آپ کی محبت ہی اللہ تعالیٰ کی

محبت اور اس کی اطاعت کا ذریعہ ہے۔ آپ ہی اقربُ القاب الی اللہ یعنی سب انسانوں سے زیادہ اللہ سے قریب ہیں۔ اس کے بعد تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انہیں اور سلف صالحین رضی اللہ عنہم کے ساتھ محبت نہایت ضروری ہے۔

گویا یہ محبت کی ایک زنجیر ہوتی جس کی کڑیاں یعنی سلف صالحین کی محبت، صحابہ کی محبت، انبیاء کی محبت اور اللہ کی محبت ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں جس طرح کہ علیؑ سلسلہ کی زنجیر ہے کہ قرآن و سنت کا علم صحابہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور صحابہؓ سے تابعین کو منتقل ہوا اور پھر ان ائمہ اہل کے تلامذہ یعنی تبع تابعین کو قرآن و سنت کے حاملین کا یہ سلسلہ الحمد للہ آج تک جاری ہے۔

سلف صالحین سے محبت رکھنا ان کے نقش قدم پر چلنا ہی ہماری کامیابی و نجات کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ کسی شخص سے محبت اللہ تعالیٰ کے لئے محبت و تعلق رکھنا اللہ پاک کی عظمت کا حق ادا کرنا ہے اور اس کا شمار بھی عبادات میں سے ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر جس بندہ نے بھی اللہ پاک کے لئے کسی دوسرے بندے سے محبت کی اس کے اپنے رہنے کی عظمت و توقیر کی۔ (مسند احمد، مشکوٰۃ)

اللہ پاک سے محبت کے لئے اس کے محبوبین کی محبت ایک ناگزیر واسطہ کی حیثیت رکھتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ سے محبت کا ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہی محبت کا ذریعہ صحابہ کرام ہیں اسی طرح صحابہ کرام سے محبت کا واسطہ سلف صالحین ہیں۔ جنہوں نے جو ایلی کے حلقے میں مست تھا، ایلی کی گلی کے کتے کو محبت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ گتے سے محبت تو ہرگز مقصود نہ تھی لیکن یہ ایلی کے ساتھ محبت ہی کا اثر تھا۔ جب وہ ایلی کے گھر مانا تو وہاں کا طواف کرنے لگا۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہو تو کہا۔

من غنی الذی یار دیا ر کیلیف  
میں گزرتا ہوں ان شہروں پر جو میل کے شہر  
اقبل فاللہ داور و ذالجلد  
میں تو چھتا ہوں اس دیوار کو اور اسی دیوار کو

وَمَا حَبَّ الدُّنْيَا شَفَعْنَ قُلُوبُنَا  
وَمَا كُنْ حَبَّ عَنْ سَكَنِ الدُّنْيَا  
اور ان غمروں کی محبت نے میرے دل  
میں گھر نہیں کیا ہے عروس کی محبت نے  
جرمان غمروں میں نہ چکی ہے

محبوب لذائذ یعنی اصل محبوب تو صرف ایک ہی ہے لیکن محبوب سے متعلق  
اشیاء کی محبت اس کی محبت کی علامت اور دلیل ہوتی ہے اور اس کی محبت بڑھانے  
میں مدد و معاون ہوتی ہے۔ اسی طرح جو شخص اللہ سے محبت کرتا ہے وہ ضرور بالضرور  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھے گا اور جو حضور سے محبت کرتا ہے وہ یقیناً صحابہ  
تابعین، تبع تابعین اور سلف صالحین کو صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرے گا۔ اگر اس سلف صالحین  
صحابہ کرام اور انہما میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کا مشق  
اور قرب حاصل کرنے کا ایک واسطہ اور اس کی محبت کی علامت ہے۔

اللہ ایک سچے کا دو سرا واسطہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی کتاب ہے۔ یعنی اللہ جل شانہ  
نے ہمیں اپنا قرب حاصل کرنے کے لئے دو واسطے مقرر فرما دیئے ہیں۔ ایک کے ذریعے ہیں  
اللہ کی پسند اور ناپسند اور دوسری کا علم ہو جاتا ہے۔ کتاب جو تمام انسانیت کے لئے  
قانون اور حرمت نامہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور دوسرے اپنے ایسے سچے بہت مقبول  
پندرہ جی کو نبی آدم ہی میں سے منتخب فرما کر اپنی پسند اور ناپسند کا عملی نمونہ اور کتاب  
کی عملی تفسیر بنا کر بھیجا۔

قبرہ گواہ ہے کہ کوئی کتاب کتنی ہی آسانی، مفصل اور جامع کہوں نہ ہو انسان کی  
تعلیم و تربیت کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔ انسان کی تربیت اور اصلاح کرنے والا  
انسان ہی ہو سکتا ہے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے نئی نوع انسان کی اصلاح اور تعلیم کے لئے دو چیزوں کا سلسلہ  
باری رکھا۔ ایک کتاب اللہ اور دوسرے رحلہ اللہ والے لوگ جن میں انبیاء علیہم السلام  
ان کے نائبین، علماء و مشائخ سب داخل ہیں۔

دو شدید غلطیاں | رجال اللہ واللہ والوں کے بارے میں لوگ دو غمروں غلطیوں کا شکار

سب سے پہلی سیاق و سباق اور تشریح دین میں کفر فتنے اور فرقہ بندیوں ہنسی دو غلطیوں کا نتیجہ ہیں۔ کہیں تو رجال اللہ کو اتنا بڑھا چڑھا دیا کہ نوبت رجال پرستی و جنود کی ہمارا، ہم سچ منہ مٹی ہو کہیں گستاخا کر شیعہ گائے اللہ یعنی صرف اللہ کی کتاب ہی ہمارے لئے کافی ہے کا اعلان کرنے لگے اور سچ گائے اللہ کی غلط تفسیر میں نبی کریم ﷺ صحابہؓ کا یہیں اور سلف صالحین کو بالکل نظر انداز کرنا اپنا طریقہ بنالیا۔

اصل اور صحیح طریقہ تو یہ تھا کہ رجال اللہ سے ان کے شایان شان محبت رکھتے ہو کہ نہایت ضروری ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور! ایسے شخص کے بارے میں کیا کہلاتے ہیں جس کو ایک جماعت سے محبت ہے لیکن وہ ان کے ساتھ نہ ہو سکا، آپ نے فرمایا جو شخص جس سے محبت رکھتا ہے اسی کے ساتھ ہے یعنی آخرت میں اسی کے ساتھ ہو گا یا کر دیا جائے گا۔ سائل کا مقصد یہاں یہ معلوم کرنا تھا کہ ایک شخص جو ابلی تفریق کے کسی گروہ یا کسی مرد صالح و متقی سے محبت کرتا ہو لیکن محل اور سیرت میں ان کے درجہ کا نہ ہو بلکہ نیچے ہو، اس کا انجام کیا ہو گا۔ تفریق کریم کے جواب کا حاصل ایسی مناسبت سے آیا ہوا کہ یہ شخص مل میں کم ہونے کے باوجود انہیں اللہ کے محبوب لوگوں کے ساتھ کر دیا جائے گا جن کے ساتھ اس کو شخص اللہ کی خاطر اور دین کے تعلق سے محبت حق ماسی منہم یعنی اگر زمت من انتہ کر آدمی کا شر قیامت میں اس کے ساتھ ہو گا جس سے وہ محبت رکھتا ہو، کوبت سے صحابہ کرامؓ سے مختلف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

لہذا ہمیں چاہیے کہ اپنی عاقبت کو کامیاب و شاندار بنانے کے لئے اللہ والوں سے محبت کا تعلق قائم کر کے قیامت میں ان کی نصیبت حاصل کر لیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے۔

من احب الله والبشر لله فتد      جس کسی نے اللہ تعالیٰ کے لئے کسی سے محبت کی  
استكمل الايمان۔      "اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے کسی سے دشمنی کی اس کا

**گمراہ فرقوں کی تبدیلی** | پس دین میں تفریق و اختلاف کا بن سلیف صالحین صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے سے کٹ جانا ہے خواہ اس سلسلے کی کسی ایک کڑی سے ہو۔

مسلمانوں میں اٹھنے والے تمام حقے اسلام کا نعرہ لگا کر بلند ہوتے ہیں اور دین ہی کا لبادہ اوڑھ کر نمودار ہوتے ہیں۔ مسئلہ غواہی لے سب سے پہلے حکومتِ دلیہ کا نعرہ لگا کر صحابہ سے جو الٹا اختیار کی جیتہ کی گراہی میں خود بھی مبتلا ہوتے اور علم اسلام میں بھی خطرناک فتنہ برپا کیا۔ اسی طرح ماضی قریب میں ترقی اسلام اور ترقی مسلمانوں کے نام سے یورپی علوم اور تہذیب کی ترویج و ترقی کے لئے جو تحریکیں طلوع ہونے لگیں تھیں وہ دینی تربیت سے ہماری ہونے کی وجہ سے ایسے لوگ پیدا ہوئے جو غواہی اور سبوتاژ کا انکار کرنے لگے۔ اسی طرح مسلمانوں کو مختلف گمراہ تحریکوں میں مبتلا اور بھٹکا کر ابھار دیا اور ان کو علماء سے متنفر کرنے اور اسلام سے کاٹ دینے کا فلاح شروع کیا۔ اس قسم کی سب گمراہ کی تحریکوں کی آواز تو اسلام ہی تھی لیکن وہ ان اور مقصد اسلام سے ماورائی تھے۔ نتیجہ ہوا کہ بہت سے نابھ اور ناماقتب اندیش لوگ غضبِ سرور میں اور ظاہری چمک دمک سے دھوکا کھا کر راہِ راست سے دور ہو گئے اور ہمہ دار لوگ مشیتِ پرہیزگار کی ایک طرف منحرف ہو گئے۔ دونوں طرف سے امداد کٹ کر ایک دوسرے کے درمقابل جمع ہوئے لگ اور یوں اٹھتے نسلِ مرہور تفرقہ بازی اور فتنہ و فساد کا شکار ہو گئی۔

وہ حضرات جن کے سامنے گمراہ افواج اور فرقوں کی تاریخ موجود ہے خوب جانتے ہیں کہ سلف صالحین سے رابطہ کٹ جانے اور اعتماد اٹھ جانے کے بعد دین کو کچھ اور دین کی تشریح کرنے کے لئے کوئی حدود و محار یا اصول و قواعد باقی نہیں رہتے۔ قرآن و سنت کی ایسی جے سرو پا اور متنو تفسیریں اور مضامین تالیفیں سامنے آتی ہیں جو دین کی دجیاں اٹانے کے مترادف ہوتی ہیں۔ یہی گمراہی کی بنیاد ہوتی ہے۔ یہ کہیں صحابہ پر جوئے الزامات لگا کر اور کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا انکار کر کے اپنی طرف

سے دین کی تفصیلات گمراہی جاتی ہیں اور نئے گمراہ فرقوں کی ابتدا ہوتی ہے۔ حدیث  
مانر کے بعض نام نہاد مفکرین اور مفتون نگار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے کے  
ساتھ ملے ہوئے سلفت ساتین (جو کہ انتہا پرانہ نبوی صلاہتوں اور کارناموں کے  
عظیم الشان منور نے قائم کر چکے ہیں) پر ایک طویل المیاد عکری قحط اور ذہنی و عملی تسفل کا  
انزام مائدہ کرتے ہیں اور اپنے زہریلے خیالات کو انتہا پرانہ اسلام اور ترقی دین کے نام  
سے پیش کرتے ہیں گویا جو دہی چودہ سو سال تک تمام دوا، ہمارے ہمارے راہ اس  
کو اسلاف میں سے کوئی خشک طرح سے ہما ہی نہ تھا اب اگر یہ حضرات بھی صحیح دین  
بھار ہے ہیں، فی الحقیقت یہ لوگ صرف اپنی خواہشات نفس کا اتباع کرنے والے ہیں۔

ان حضرات کا طریقہ کار نہ کہ پہلے سے ہی ایک راستے قائم کر لیتے ہیں پھر  
اس کو ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبوی کے عجیب و غریب  
مطالب بنا کر پیش کرتے ہیں۔ علامہ ابن عربیؒ نے حضرات ایسی آیات اور احادیث بھی نظر انداز  
کر دیتے ہیں جس سے ان کی بے بنیاد دلائل کا مزاج نفی ہوتی ہے۔ تو یہ لوگ قرآن مجید کی  
اس قدرت کے مصداق ہیں کہ خود پرستی اور شرک کے شریک ہوتے ہیں کہ۔

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ... کیا آپ نے اس شخص کو غلط فرمایا ہے جس نے  
اپنی خواہش انسانی کو اپنا خدا بنالیا ہے۔

پس یہ لوگ اپنی خواہشات کو معبود بنا لیتے ہیں اور ان کا نفس ہی ان کے لئے  
قرآن بھی ہوتا ہے اور حدیث بھی۔ اور جو شخص حلال و حرام، جائز و ناجائز کی پرہیز  
کرتے نفس کی پیروی میں اللہ کے احکام کو پس پشت ڈال دے، وہ گویا اپنے نفس  
کو اپنا خدا بنا لیتا ہے۔ اگر اربعہ اور تمام امت کلاس پر اتفاق ہے کہ اتباع نبوی  
احکام دین میں قطعاً حرام ہے ہیں جو شخص اپنی انسانی امراض کو سامنے رکھ کر قرآن  
معرفت میں اس کے لئے دلائل تلاش کرے سب سے یقیناً متبع ہوئی ہے۔ اگر اسے  
اتفاقاً کوئی سند مل بھی جائے لیکن بہر حال مسائل تو علم و خبرات کے ماتے ہی ہوتے  
دلوں کے جسد اور زمینوں سے کسی طرح طائف سے



## اسلاف کی فضیلت | حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے کہ:-

خَيْرُ امَّتِي خَيْرُيَوْمٍ نَفَعْنَا لَهَا ذِي قُرْبَىٰ  
يَوْمَ نُنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ نُلَوِّدُ لَهُمْ  
رواہ الاربعہ

میری امت کا بہترین دور میرا ہے میری امت کے بعد وہ لوگ جو ان سے ملے ہیں میری امت کے بعد ان لوگوں کا ہے جو ان سے ملے ہیں۔

یعنی میں دور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ، صحابہ کا دور اور میرے تابعین اور صحابہ کا دور بہترین ہیں۔ اب اگر یہ نام نہ ملنا دیکھیں اور اسلاف پر دوزیر ملتے قائم کرتے ہیں کہ (غزوہ اندھ) حضور کے صحابہ اور سلف صالحین دین کو خشک طرح نہیں سمجھتے تھے تو پھر ان کی تمام ٹھکری اور عمل کاوشیں مشکوک ہو جاتی ہیں اور دین کا سارا طوطی ورڈ بے فائدہ اور بے معنی نظر آنے لگتا ہے۔ سلف پر الزامات ایسی عیاری سے پیش کئے جاتے ہیں کہ بنیاد پر کچھ ہمہ گیر سنگین نظر نہیں آتے۔ لیکن اس کے اغراض دل و دماغ اور طرز فکر و عمل پر بہت گہرے اور دور رس ہوسکتے ہیں۔ آدمی یوں سوچنے لگتا ہے کہ اگر یہ اسلاف نے ہماری میں کچھ نہیں کیا تو مستقبل کے بارے میں ان سے کس فائدے کے توقع کی جا سکتی ہے ان کے کارنامے بے قیمت اور ہمہ دم پہنچایا یہاں وہی مشتبہ ہو جاتا۔ دین کی اصل تعلیمات خشک و شہ سے لاتر نہیں رہتیں۔ حق نام نہاد غلہ کی غارت سے مغزوہ پوست، ظاہر و باطن کے گلے وجود میں آتے ہیں اور صاف و سادہ، مصلی دین ایک ناقابل فہم صمد اور گورکھ و حنا بھی ہاں ہے اور دشمنان دین اور گمراہ لوگوں سے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں اور تفرقہ بازی کے لئے فساد ساز ٹھکر ہو جاتی ہے۔

لیکن رحمۃ اللعالمین اور بڑی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فتنوں کے بارے میں پہلے ہی سے بتا دیا ہے کہ علامات قیامت میں سے یہ جلی ہے کہ اس امت کا پچھلے لوگ اٹھوں کو بڑا کئے تھیں (ماہر تغذی) اور اس ماحول نے بروایت محمد بن النکد حضرت بابا رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اس امت کے پچھلے لوگ اٹھوں پر امت کریں (اس وقت جس کسی نے کوئی حدیث پھیپائی اور اٹھوں

کی فضیلت دکھاہر کہ تو اس نے گویا اس پوری اشریت کو پیایا جس کو اللہ جل شانہ لے آگیا ہے۔

گزشتہ صفحات میں محبت رسول اور محبت اسلاف کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا اس کا مقصد یہ نہیں کہ کسی کی محبت کے نام پر ایسے افعال و اعمال اختیار کئے جاتیں جن میں شرک یا شرک کا شائبہ ہو۔ یا محب رسول کے ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی صفت الہی، علم یا قدرت وغیرہ میں اللہ جل شانہ کے برابر کر دیں۔ یا اسی طرح دوسری مشرکین و مرتکبین اختیار کریں، حالانکہ ان ساری چیزوں سے اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود منع فرمایا ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَطْرُقُونِي كَمَا طَرَقَتِ النَّصَارَى  
ابن ماریہ و ما نسا انا عبدا فقولوا  
جیسے سے زیادہ دیر ملا جیسے خدا کی خدمت  
میں بھی میری کو جسے جہاد یا اگر شکایت ہو  
خدا دیا، میں صرف اللہ کا بند ہوں مطلب ہے وہ  
کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

یہیں اس سے منع کیا گیا ہے آپ کو اللہ کا جز و مانہ و آپ کی صفات میں شریک مبالغہ کر کے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے برابر سمجھنے لگیں۔ البتہ آپ اللہ تعالیٰ کے بعد تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔

بعد از خدا بزرگ تویی قصہ مختصر

جیسا کہ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میں اللہ آدم کا سر وار ہوں گا۔ میں پہلا شخص ہوں گا جس کی قبر پھٹے گی اور پہلا شخص ہوں گا جس کی شناخت قبلی ہوگی۔

اسی طرح جب رسول کی آڑ میں میری جماعت کو اختیار کرنا بھی خشن کے جھوٹے دعویٰ کی دلیل ہے۔ یہ بالکل ناممکن ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی محبت ہو اور اس کی زندگی احکام الہی سے بناوٹ اور معصیت کا غور ہو شریعت

کے احکام کی خلاف ورزی کے باوجود اگر م خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا سمجھیں تو ہم زبردست خود فروشی اور شیطان دھوکے میں مبتلا ہیں حضرت راجہ بھرنی نے ایسے ہی دھیان محبت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

تقصی الزلہ وانت تزعم حبہ      اے محبت کے بھرنے والے تو اللہ تعالیٰ کی نظرانی  
 حمل العمری فی الفضال بدایع      کرتا ہے اور اس کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے عقل  
 لو کان حبک صادقاً لاطعتہ      اور قیاس کے لحاظ سے یہ بات بہت ہی عجیب ہے  
 ان الحب لمن یحب یطیم      اگر تو دھنی محبت میں چھا جتا تو اس کی فرمائشوں کو  
 کرنا تو عمر محبت اپنے محبوب کی بات کو دل و جان سے قبول کر رہا ہے۔

محبت کی طمات میں سب سے زیادہ اہم یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال کا اتباع کیا جائے آپ کے احکامات کی پوری پوری تعمیل کی جائے اور جن کاموں سے منع فرمایا ہے ان سے بچا جائے اور ہر حالت میں خواہ خوشی ہو یا غم آپ کے طریقوں کی پیروی کریں جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ      آپ فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت  
 فاتبوني یحبکم اللّٰہ      رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت  
 کرنے لگیں گے۔      (آل عمران آیت ۳۱)

یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ اسلام میں اس چیز کو بنیاد کی اہمیت حاصل ہے کہ امت مسلمہ میں شرک میں مبتلا نہ ہو جائے اور انصاری وغیرہ کی طرح کسی کو درج الوہیت سمجھ بھٹا کر اپنی دنیا و آخرت کو تباہ و برباد نہ کر ڈالے اور اسی لئے ایسے حرام اور ناجائز اسباب ختم کرنا بھی بہت ضروری ہے جس سے شرک کے لئے راہیں کھلی ہیں۔

لیکن یہ بات بھی غور و فاعل رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے صحابہ اور تابعین و تبع تابعین اور مسلمانے امت سے محبت پر ایمان کا دار و مدار ہے اس لئے آپ اور آپ کے تابعین سلف صالحین کے ساتھ سچی محبت ان کے ادب و احترام کو شاکر کرنا، ایمان حضرت کے اتباع میں ماننا اور مبارک افعال کو خشک سمجھنا یا نبی اللہ کی

عبادت شمار کرنا امت مسلمہ پر بہت بڑا ظلم ہے۔  
 محبت بڑھانے کے جانتر اسباب سے منہ کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 اور ان کے تابعین الی یومنا ہذا کی محبت اور عنایت کے جذبہ کو زور اور ختم کرنا ہے  
 اور امت مسلمہ میں انتشار و فتنہ پیدا کر کے امت کو بارہ بار مکرنا ہے۔

عصر حاضر کے ہم نوا توحید کے عقیدہ والوں کی توحید کو اگر دیکھا جائے تو ان کی توحید  
 اسی میں منحصر ہو کر رہ گئی ہے کہ دست بوسی، توسل، صلح موتی وغیرہ کا شہرہ دے انکا  
 کیا جاتے۔ اور ان مسائل کے قائل حضرات کو بدعتی یا مشرک قرار دیا جاتے۔ املا کو  
 یہ اختلافی مسائل ایسے نہیں جن کے اقرار یا انکار پر کفر و ایمان کا دار و مدار ہو بلکہ دونوں  
 طرف داخل موجود ہیں جن میں سے بعض کا منحل بیان پہلے گزر چکا تھا اس پر طرہ یہ کہ  
 اسلاف کے آثار اور ان کی محبت کے جذبات کے مٹانے کو بدعتی توحید کا ہول بالا  
 کرنا چاہتے ہیں اور شرک کے ذرائع اور اسباب کو ختم کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور دوسری  
 طرف یہی نام نہاد مومنین، کفار و مشرکین جیسے روس و امریکہ کے آگے جھکتے۔ شاہوں کی  
 تعزیت میں اللہ تعالیٰ کی صفات کو بھول جانا، عصیت اور قوم پرستی میں ناگروہ سے  
 مسلمانوں کی تحقیر کرنا، الغرض یہ مومنین پرستی، دولت پرستی، شام پرستی، قوم پرستی اور  
 مادی قوت کے سامنے سرانگندی میں مشرکین اقوام سے بازی لے گئے ہیں۔

دوسری طرف پکی محبت کو بے مکر کرنے والے محبت کے حامی ہیں۔ جن کے اہل بیت  
 کا منہم صرف یہ ہے کہ دست بوسی، قیام توسل اور صلح موتی وغیرہ کا اقرار کرنا ہے اور  
 جو یہ دمانے وہ گمراہ، کافر اور گستاخ ہے اس پر ظلم یہ کہ محبت و توحید کے پردے میں  
 قبر پرستی، پیر پرستی اور ہر قسم کی بدعات اور خرافات کے رواج دینے کو اپنے خیال  
 میں محبت بڑھانے کے اسباب سمجھتے ہیں۔ زبانی محبت کے یہ دعویدار دوسری طرف  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع، ان کے احکام کی اطاعت اور فرمانبرداری سے ایسے  
 ہی چراتے ہیں کہ منافقین و کفار کو بھی پیچھے چھوڑ گئے۔

ہر درد مند دل کو رونا میرا زاد سے  
 ہے ہوش جو پڑے میں شاید نہیں جگا دے  
 آخر میں محبت کی اہمیت پر حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کا ایک سادہ  
 مضمون ملاحظہ فرمائیے۔

”جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا تعلق ہے وہاں اس پر  
 پر اور زیادہ زور دینے اور اس کا زیادہ اہتمام کرنے کی ضرورت ہے آپ کی ذات  
 گرامی کے ساتھ صرف ضابطے اور قانون کا تعلق کافی نہیں، روحانی اور ہذبانی تعلق  
 اور ایسی گہری اور دائمی محبت مطلوب ہے جو جان و مال، اہل و عیال کی محبت پر فوقیت  
 لے جاتے۔  
 آگے فرماتے ہیں۔“

”اس سلسلے میں ان تمام مخالف اسباب و محرکات سے محفوظ اور محتاط رہنے کی  
 ضرورت ہے جو اس محبت کے ستونوں کو خشک یا اس کو کمزور کرتے ہیں، جذبات  
 احساسات محبت میں تسوگی، سنت پر عمل کرنے کے جذبہ میں کمزوری، اور آپ کو  
 دانا سے منسلک غمخواروں، مولائے کل بچنے میں تردد اور سیرت، حدیث کے مطلق  
 سے روگردانی اور اپنے توہمیں کا سبب بنتے ہیں۔ سورۃ عذاب، سورۃ حجرات، سورۃ فتح  
 وغیرہ قرآنی سورتوں کے غائر مطالعہ اور تشدد و نماز جنازہ میں درود و صلوة کی شمولیت پر  
 حذر و فکر قرآن میں درود کی ترغیب اور درود کی فضیلت میں بکثرت وارد ہونے والی  
 احادیث کا ادراک کئے کا یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں  
 ایک مسلمان سے اس سے کمزور یا زیادہ مطلوب ہے جس کو صرف قانونی طور ضابطہ کا تعلق  
 کیا جاتا ہے جو شخص ظاہری الامت سے پورا ہو جاتا ہے، بلکہ وہ پاس ادب محبت  
 اور تفکر و امتحان کا جذبہ بھی مطلوب ہے جس کے سرچنے دل کی گہرائیوں سے چھوٹتے  
 ہوں، جو رنگ و ریاض میں سوائت کر گیا ہو اس پر محبت، احترام اور احترام آمیز محبت کو  
 قرآن نے تفسیر و تفسیر کے لفظ سے ادا کیا ہے۔“

صحابہ کے چند واقعات کی طرف رہنمائی کر کے آگے فرماتے ہیں:-  
 "اس عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ان علمائے راسخین، مصلحین، مجددین، زہد  
 قانرین کو واقفیت، جنہوں نے دین کی حقیقی روح کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا اور  
 جن کے مقدر میں دین و ملت کے احیاء و تہذیب کا ہم کار نامہ انجام دینا تھا، اس پاک  
 محبت کے بغیر جو شرعی کام و آداب کے تابع و اسوۂ صحابہ کے اتباع و تقلید کے  
 ساتھ ہو، اسوۂ رسول کی کامل پیروی و اتباع، بارۂ مشریت پر استواری، نفس کا یا سکرنا  
 محاسب اور مشر و غیر اور طبیعت کی آمادگی و گرائی (غشلا و مکر) میں خدا و رسول کی قربانیاں  
 ممکن نہیں، یہی اکرشہ الفروع انفسیاتی امراض کا علاج تہذیبی نفس اور اسطلاح مطلق کا ستون  
 ذریعہ ہے، محبت کی ایک لہر جس کو ناشاک کو بہا لے جاتی ہے اور رنگ و ریشہ ہم پہن  
 میں اس طرح دوڑ جاتی اور جذب ہو جاتی ہے۔"

شاخ گل میں جس طرح بادِ محراب کا نام  
 مسلمان جو کبھی خدا و رسول کے عشق کی بدولت شعلہ ہوا لگتے اس کے بغیر چرب  
 خشک اور سرد خاک تر بنے جاتے ہیں۔ (البلدغ صفر المنظر ص ۱۴۵)

باب، هشتم

توحید

## باب ہشتم

## توحید

توحید کی امانت میوں میں ہے ہمارے  
آسان نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا

**فطرتی عقیدہ** | اللہ رب العزت کی توحید انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ ہر انسان پیدائشی طور پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور توحید کا قائل ہوتا ہے اور یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مالک و متصرف نہیں۔ اس لئے تقاضائے فطرت اور جبلت سے مجبور ہو کر بے شمار جنوں اور دیوتاؤں کو مجبور و مجبور بننے والے ہی جنت و شکست اور مصائب میں اپنے آپ کو بے سارا پا کر مل کی گریزوں سے صرف ایک خدا ہی کو پکارتے ہیں لیکن تکلیف اور حادث سے نجات پا کر پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھراتے ہیں۔

تاریخ کے ہر دور میں مشرکین بھی کسی نہ کسی نوعیت سے توحید کی شان و عظمت کو تسلیم کرتے رہے ہیں۔ اعتقادی اور عملی طور پر متعدد خداؤں کو ماننے کے باوجود فطرتی طور پر خالق کائنات اور بڑے خدا کو ایک ہی مانتے تھے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ یہ پھر نئے خدا اس کے قائم مقام ہیں یا اس کی صفات کے مانع دے ہیں۔ یا دنیا کے کاد بار کو اوہں میں تقسیم کر کے بڑا خدا آرام کرتا ہے یا پھر چھوٹے خداؤں کو بڑے خدا کے اجزا قرار دیتے تھے۔ اس لئے وہ جہالت میں اللہ تعالیٰ و تبارک کے ساتھ مخلوق کو بھی شریک کرتے تھے جس کی وجہ سے توحید غاص سے محروم ہو کر دنیا و آخرت کی تباہی و بربادی کا لگنے۔

دین اسلام نے توحید فی الذات، توحید فی الصفات، توحید فی المہارات، مانعہ توحید کو ایسے مکمل، واضح اور صاف ترین انداز میں پیش کیا ہے کہ مقولہ انسانی کو ہر قسم کی غرافات اور اوام کے رنگ سے محفوظ اور پاک رکھتا ہے۔ اسلام میں یہ تعلیم دیتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ سزا و نکاح کائنات کے ایک ایک ارے کاظم ہے اسی طرح اس پر قدرت



بھی ہے اور کائنات کی کوئی چیز چھوٹی ہو یا بڑی، اس کے علم سے باہر ہے اور نہ اس کے علم، قضاء و قدر سے اس کا واسطہ مل جائے گا علم اس کا ارادہ اس کی مشیت اس کی قدرت اور اس کی تعین آسمان و زمین کی ایک ایک چیز پر حاوی اور کائنات کے ایک ایک ذرہ کو محیط ہے۔ ساری کائنات اس کے قید و بند میں ہیں مگر کہیں کہیں ایک جہت بھی ملتا ہے تو وہ اس کے علم و ارادہ اور علم کے بغیر ذکر نہ کیا جاسکتا ہے اور نہ بل سکتا ہے۔ وہ کائنات کے چلنے میں کسی کی معاونت کا محتاج نہیں اور نہ اس کے نظام و تدبیر میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اس نے کائنات میں تصرف کا اختیار کسی کو دیا ہے اور نہ وہ کسی کو نہائی اختیارات دیتے ہیں۔ اس لئے قرآن مجید میں بتاتا ہے کہ مخلوق چاہے زمینی ہو یا آسمانی، جامد ہو یا متحرک، الغرض جیسی بھی ہو کسی کو بھی تصرف، حرکت، ذلت، دیہے والا، مارنے اور چلانے والا، صحت و قوت دینے والا نہ تسلیم کریں اور تمام صفات کمال سے صرف خدا کے حاکم و لا شریک ہی متصف ہے اس کی مکرانی نہ صرف کائنات کے ذرے ذرے پر ہے بلکہ تمام مخلوقات اور انسانوں کے دلوں میں ان کے جذبات و احساسات، روح و شعور اور لطیف ترین عناصر میں اس کے کامل و مکمل قبضہ قدرت میں ہیں۔ پھر قرآن میں یہ بھی بتاتا ہے کہ ان نسبتوں کا قطعی انکار کریں جو توحید خالص کے منافی ہوں۔ واللہ تعالیٰ کو کسی سے نہ جیت کا رشتہ ہے نہ جزیّت نہ ولدیت اور نہ ہی الموت کا تعلق ہے غرض جس طرح دیں اسلام نے توحید کے مسئلہ کو ہر قسم کی کمزوریوں اور نقائص سے پاک و صاف کر کے اللہ تعالیٰ کو بے غم و راء الوردہ بتلا کر توحید کامل کی طرف دعوت دی ہے۔ اسی طرح اس نے توحید کے فلسفیانہ عقیدے کو جو اس بحث میں مدرسے بڑھ کر مناسبت الہی کا بھی منکر ہو گیا اور کہنے لگا کہ تبار ہے بغیر قدرت کے، عاقبتی ہے بغیر خلق کے، بعیر ہے بغیر رویت کے، ایسا ہے بغیر سب و دنیو و دنیو، کو بھی باطل ثابت کیا ہے۔ فلسفیانہ عقیدہ کا لازمی نتیجہ ہے کہ خدا ایک ایسی شے ہے جس کے لئے قسطل لازم و ضروری ہی جانا ہے قرآن میں بتاتا ہے کہ وہ یح اور بعیر ہے سنا ہے دیکھتا ہے۔ بلاشبہ قدرت کاملہ کے

ساتھ قادر ہے اور صفات رحم و کرم کے ساتھ رحیم و کریم ہے البتہ اس کی صفات جیسے مع و بصر کے ساتھ مخلوق کے دیکھنے اور سننے کا، اور کا تعلق یا مشابہت بھی نہیں جس طرح وہ اپنی ذات میں ہوتا اور دیکھتا ہے اسی طرح صفات میں بھی ہے۔  
لَیْسَ کَبَشَلٍ شَخْطٌ وَخَوٌ      نہیں ہے اس کی طرح کا سا کھنٹا اور دھنسا  
الشَّعِیْثُ النَّجِیْثُ      بھی ہے اور دیکھتا بھی۔

**مومن کا حال** مومن کی نگاہ ہر حال میں ذات باری تعالیٰ پر موقوف ہے تکلیف ہر یا راحت اسی پر توکل کرتا ہے یہ دنیا عالم اسباب ہے اور اللہ علی شانہ مسبب الاسباب ہیں انہوں نے ساری مٹیاں میں اسباب و اثرات خود رکھ دیئے ہیں۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ان اسباب پر تحریر و اعتماد کر کے موثر حقیقی سے نگاہ ہرگز نہ ہٹائیں کیونکہ جو بزرگم کے حوادث الہ مصائب میں کامرمانے والا وہی اللہ رب العزت ہے۔ پس ہر دکہ درد اور تکلیف میں اسی کی طرف رجوع کن چاہیئے صرف شریف میں آتا ہے۔

یَسْتَلِ احَدُکُمْ رِبَہَ حَاجَتِکُمْ      پانچے کلام میں سے ہر ایک اپنی حاجت بخا ہی  
شَمَّ لَعْلَبَہُ اِذَا اَنْتَلَمَ فَاَنْدَلہُ      صافھی بیان تک کہ جوئے کا ترمیمی جب وہ  
بَقِیْسٍ لِحَیْثِیْسٍ      ٹوٹ ہاتے کیونکہ اللہ تعالیٰ اگر آسانی دے دے گی  
قَوْبَہُ کَاَنْسَرِہُ فِیْرِہِیْسٍ اَنْسَکَا۔

اسی پر یس نہیں، دینی اسلام میں معاملات میں بھی بنیادی طور پر اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ تمام انسانی اعمال و اقوال کا مقصد حکم الہی کی بجا آوری ہے اگر ایک باپ اپنے بیٹے پر خرچ کرتا ہے یا ایک بیٹا اپنے باپ کی تنظیم و تحریر کرتا ہے تو نیت یہ ہونی چاہیئے کہ اللہ کا حکم پورا کرنے کے لئے یہ کام کیا جا رہا ہے۔ اللہ ہی نیت سب دوسرے لوگوں کے ساتھ تعلق یا محبت اللہ تنظیم اور زندگی کے دوسرے معاملات میں جاری و ساری رکھنی چاہیئے۔ لہذا ایسے اعمال سے اپنے نفس کو کسی کچھ ضرورت کے گائیگی والی حتم نفس کا حصول ہرگز مراد مقصود نہیں ہونا چاہیئے۔

بلاشبہ ہیں یہ حکم دیا گیا کہ اللہ کے ساتھ متعلق رکھنے والے لوگوں انبیاء علیہم السلام اصحاب رسول اور صلحاء اہل سنت سے محبت کیا کریں اور اللہ تعالیٰ کے سب شعائر کی تعظیم و تحکیم کریں اور ان کی ادنیٰ گستاخی اور بے اہلی سے بچیں، انہیں ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ کسی بھی مخلوق کی بندگی نہ کریں۔ اور نہ اللہ تعالیٰ و تبارک کی منکرات میں لہجہ کو شریک کریں۔ اور نہ کسی بزرگ عالم یہاں تک کہ پیغمبر کے ساتھ وہ راجعہ اور معاملہ اختیار نہ کریں جو صرف اللہ رب العزت کا حق ہے اور اسی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

**صحابہ کی توحید اور جذبہ جہاد** | یہی توحید دین اسلام کی اصل اور اساس ہے جس پر ہمارے دونوں جہانوں کی صلاح و نفع کا پورا پورا ہے۔ یہی پہلی مغرت کی کامیابی کی ضمانت ہے اس کے بغیر انسان عذابِ جہنم سے نہیں بچ سکتا۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کا مستحق ہو سکتا ہے۔ یہی وہ ایمان تھا جس نے صحابہؓ کے قلوب کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور عظمت سے معمور کر رکھا تھا۔ مخلوق کا کمال و جمال دنیا کی ملامت ہی پر تک و تک اور شاق و مشرک ان کی نظروں میں چھٹی۔ بادشاہوں کا جاہ و حشم اور ان کے درباروں کی زین و زینت ان کی نگاہوں میں مٹی کے بے جانی مجسموں اور ان کے رنگ و روغن سے زیادہ نہ تھے ایک صحابی کفار کے ساتھ ہزار شکریہ کے ساتھ لڑنے کے لئے تیار ہوتا تھا اسے معلوم تھا کہ کفار کے دل محبت اور ابراہیمی سے خالی ہیں اور یہ یقین تھا کہ جس دل میں ذکرِ اہل بیت ہو جو تو مردہ ہے۔ ان کی اولاد کفار کے قتلے میں خون میں استہوت بخڑپتے ہوئے شہید ہوتے تو وہ خوش ہوتے اور اس پر فخر کرتے۔ اور جب کفار کے ساتھ لڑنے میں ان کی روح جمگتی تو بیخِ مذکر بکارتے کہ ہم کا بیاب ہو گئے۔

صحابہ کرامؓ اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں ایک دوسرے کی تعظیم و تحکیم اور محبت کرنے والے اپنے دوسرے جہانوں کو اپنی ذات پر مقدم رکھنے والے ایک جہلی کی سطح پر سب سے آرام ہونے والے تھے اس کے برعکس اللہ ہی کے لئے اس کے

دشمنوں کنار و مشرکین سے شر و بغض اور نفرت رکھنے والے تھے۔ ان کی تمام تر نفرت دشمنانِ دین اور دنیا کے خلاف استعمال ہوتی تھی جب کہ خود آپس میں شیعہ و سنی تھے۔ اللہ تعالیٰ و تبارک کی حاکمیت مطلقہ اور اقتدار مطلق کے تقاضے اور مطالبے صرف بچے دل اور بچی زبان سے قبول کرنے والے تھے بلکہ عملی زندگی سے انہیں ثابت کرنے والے اور یقین کامل و صادق کا نمونہ پیش کرنے والے تھے۔

**توحید کے ثمرات** | بلاشبہ اگر کوئی توحید اسلام کو بچے دل سے جانے اور اپنی تمام افراطی، نفع و نقصان کا مرکز صرف ایک ذات رب العالیٰ کو قرار دے اور اللہ ہی اپنے آپ کو صرف اللہ و وحدہ لا شریک کے سپرد کرے اور اللہ رسول کے احکام کے سوا کسی اور کے احکام پر اپنی زندگی کا دار و مدار نہ رکھے تو اس کے دل پر انہماک و مشغولیت متعلقہ لوگوں اور اخلاص کی وہ انتہائی قوت آجاتی ہے اور وہ ہر مخلوق سے بے نیاز یک نثر مجاہد بن جاتے گا۔ اور وہ کسی دجال و مکار اور غیر اللہ کے سامنے جکڑنے اور اس کے سامنے ذلیل ہونے سے محفوظ رہے گا۔ اور دنیاوی مسائب و تکالیف سب اس پر گہرا ہٹ اور بے چینی طاری نہیں ہوگی۔ بلکہ اس سے وہ دل میں ایک سرور محسوس کرے گا کیونکہ جس شخص کو اس بات پر یقین ہو کہ اس کا نافع و مالک ایک قادر مطلق ذات ہے جو انتہائی مہربان اور رحم کرنے والا ہے اور جس قسم کی ضرورت بھی اس کو پہنچتی ہے محض اللہ جل شانہ کے فضل سے پہنچتی ہے۔ کوئی دوسرا نہ اس کے عطا کرنے پر قادر ہے اور نہ وہ کسی کی قدرت رکھتا ہے۔ اور اس کی قیمت کا ہونا اور بجز اس کے اللہ تعالیٰ کے کسی دوسرے کے اختیار میں نہیں۔ اور وہی اسے ہر قسم کے ضرر سے بچائے گا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو بغیر اللہ چاہے کوئی بھی بولے نقصان نہیں پہنچا سکتا اور مخلوق کیسے ہی کہوں نہ ہو اسے کوئی چین اور سکون نہیں دے سکتا ہے۔ اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اسے دامت و المہمان دے سکتی ہے۔ اور یہ عقیدہ اس کے دل و دماغ پر چپا کر اس کا مال بن جاتے تو وہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کا بندہ و اسی کا محتاج رہے گا۔ اور اور کی ہیکہ مانگے اور مخلوق کی عمل و فکری ہر قسم کی پرستش

سے بچ جائے گا۔ دنیا ہی میں اسے جنت کا مزہ ملے گا۔ اور وہ ساری دنیا سے بے نیاز خوف و خطر سے بالاتر زندگی گزارے گا۔ اس کا دل دنیا کی کسی قوت سے نہیں گھبراتے گا۔ یہی عقیدہ اس کو وحییت، رنگ و نسل کی برتری، سمائی طاقت اور دولت کے مزور خود غرضی، نفس پرستی، تن پروری، جسم و بغض اور دیگر رذائل، خرافات و اوهام سے بالکل پاک و صاف کر دے گا۔ دنیاوی مال و متاع سے اگرچہ اس کا گہر خالی ہنگامہ کیسیکس کی آنکھوں سے ایمنان و استننا کا نور چمکتا ہوگا۔ اور پیشانی میں قناعت اور سکون کی چمک ہوگی۔ یہ خدا کا ہوگا اور خدا اس کا ہوگا۔

افسوس کہ آج اختیار تو رہنے دیں، اپنے بھی اس توحید مطلوب سے روز بروز دور ہوتے جا رہے ہیں۔ ایک طرف تو بعض اہل توحید جوتے جوتے لوہ و احترام کی حدود سے تجاوز کر کے مخلوق کی عبادت اور ان کو سجدہ و رکوع کرنے لگے ہیں۔ دوسری طرف توحید کے دعوے دار اسلام کی عظمت و شان گھٹانے اور ان کی بے اہلی اور گستاخی اور ان پر سے اعتماد ختم کرنے ہی کو توحید مبرا کہتے ہیں خناق اور افتراق کے خم پر رہے ہیں۔

کاش ہر دو فریق اظہار و تقریر سے ہٹ کر سما کران اور اپنے اسلام کی طرح ایک اللہ پر ہمال میں دل کی نگاہ چلنے والی محبت اور قوی توحید کی بھارت محبت میں رنجی ہوئی محبت کو اپناتے تو پھر دیکھتے کہ وہ کون سی طاقت ہے جو کسی ایک مسلمان کو بھی رنجی نگاہ سے دیکھے۔

ہیں جانتا چاہیے کہ ہمارے اسلام کی منظم فتومات اور کامیابیاں صرف توحید اور دین اسلام کو پوری طرح اپنانے میں مضمر تھیں۔ وہ ہماری طرح صرف محبت یا توحید کے نام پر ظہریں اور دلچسپ تقریریں پر اکتفا کرنے والے نہیں تھے۔ اللہ نہ کرے

نہ قوی توحید اور قوی محبت سے غریب ہیں توحید اور محبت کا حرف لہانی میں فرج مہارہ ہو کر حرف بلند و محو کی صحت سے تہا روز ہو۔

کہ ہم کہیں حضور علیہ السلام کی اس پیشین گوئی یقیناً بکمال جلال و کبریا کے ساتھ  
 ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں ظہری اور بائیں ترکش ہاتھ کی اور مل بندہ ہونے  
 کے مصداق بن جائیں۔

اللَّهُمَّ ارْزُقْنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ وَارْزُقْنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا  
 اتِّبَاعَهُ رَبَّنَا لَا تُؤْتِنَا الْفِتْنَةَ الْكَبِيرَةَ الْعَظِيمَةَ الْعَلِيْمَةَ  
 وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ النَّبِيِّينَ  
 وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ ۔

مفتی عبدالعزیز  
 کریم عثمانی

شعبان ۱۴۳۵ھ  
 ۱۲ اپریل ۱۹۱۶ء  
 جمعہ بوقت گیارہ بجے